آزاد رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل

آزاد

مرتبہ برش سنگھا آزاد

نمبر ۱ | جولائی ۱۹۰۷ء | جلد ۲

فہرست مضامین

تصاویر۔ مسٹر جسٹس اینڈے۔ سر فیروز شاہ مہتہ۔ راجہ ہادی کا۔
مسٹر رومیش چندر دت

قیمت سالانہ قسم اول ۵ قسم دوم ۴ قسم سوم (بلا تصویر) ۳ مع محصول ڈاک

آزاد پریس لاہور میں چھپکر مالک کے اہتمام سے شایع ہوا

پانچ ہزار روپیہ انعام

ممیرے کا سرمہ

پانچ ہزار روپیہ انعام

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں الیان ریاست و ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے۔ ضعف بصارت تاریکی چشم دھند جالا پڑوال غبار پھولا سبل سرخی ابتدائی موتیا بند پانی جانا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اسی سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی کبھی حاجت نہیں رہتی۔ قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ دو روپے ممیرے کا سفید سرمہ اعلےٰ قسم فی تولہ مبلغ تین روپیہ چار ممیری ماشہ مبلغ تین روپیہ ممیری سرمہ فی تولہ ۴ر خرچ ڈاک بذمہ خریدار ✦

المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

اس سے بڑھکر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے اور میرے بہت سے متعلقین نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے استعمال کیا نہایت ہی مفید پایا آنکھوں کی بیماریوں کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے آنکھوں کو تر و تازہ رکھتا ہے اور بینائی کو طاقت بخشتا ہے درحقیقت یہ سرمہ بینائی کو قائم رکھنے کیلئے نہایت ہی مفید اور زود اثر ہے آجتک کبھی کوئی دوا اس سرمہ سے بڑھ کر فائدہ بخش نہیں دیکھی ✦

راقم آنریبل نواب محمد حیات خان صاحب بہادر سی ایس آئی
سابق ڈویژنل و سیشن جج قسمت جالندھر ممبر کونسل گورنر جنرل ہند

(۲) میں نے ممیرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے ان مریضوں جن کی آنکھیں بہت کمزور ہو گئی تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کیواسطے جن کی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند اور غبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے ✦

راقم ڈاکٹر برج لعل گھوش رائے بہادر ایل ایم ایس اسسٹنٹ
سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنر جنرل ہند

پانچ ہزار روپیہ انعام

اگر کوئی ممیرے کے سرمہ کی سندات میں جو کہ ہم نے شائع کیے ہیں ایک بھی فرضی ثابت کر دے تو اس کو مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا جو لاہور کے پنجاب بنک میں اسی مطلب کیلئے مارچ سنہ ۱۹۰۱ء سے جمع کیا گیا ہے ✦



Sir P. M. Mehta, Bombay.



R. C. Dutt.

C. S. P.

فہرست مضامین رسالہ آزاد جلد اول

جنوری ۱۹۰۷ء لغایت جون ۱۹۰۷ء

ہاف ٹون تصاویر: مسٹر دادا بھائی نوروجی۔ پنڈت بال گنگا دھر تلک۔ ہز میجسٹی امیر کابل۔ آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے۔ لالہ جسونت رائے۔ مسٹر اتھاولے۔ لالہ لاجپت رائے۔ مسٹر سُریندر ناتھ بینرجی۔ مسٹر جسٹس رانیڈے۔ سر فیروز شاہ مہتہ۔ راجہ اودی ما

جلد کے نمبر رسالہ میں صفحہ کے نیچے درج ہیں

گذشتہ جلد پر ریویو

ناظرین آزاد یقیناً ہمارے ساتھ اِس خوشی میں شریک ہونگے۔ کہ آزاد کی پہلی جلد نہایت خوبی سے تمام ہوئی۔ اور اِس نمبر کے ساتھ دوسری جلد کا آغاز ہوتا ہے۔ بلحاظ کاغذ و ضخامت سال کی دو جلدیں زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہیں۔ اور اِس لئے یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے +

جنوری ۱۹۰۸ء میں آزاد نے جنم لیا۔ پنجاب میں رعایا اور حکام میں کشیدگی پھیل رہی تھی۔ مگر قومیت کا احساس اور ملکی خدمت کی اُمنگ ملک میں پیدا ہو چکی تھی۔ کلکتہ کانگریس کی کامیابی سے اہل ملک کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اخبار بینی کا شوق کچھ بڑھ چلا تھا۔ امیر صاحب اور مسٹر گوکھلے کے دورے نے ملک میں ایک نئی روح پھونک دی اور رہبران ملک کی مدت کی مُنہ مانگی مراد بر آئی۔ یعنی ہندو مسلمانوں میں خود بخود اتحاد کی صورت دکھائی دی۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں۔ جو ملکی بیداری کا پتہ دیتی تھیں۔ اور یہ امید کی جاتی تھی۔ کہ رعایا اور حکام کی کشیدگی غلط فہمی دور ہونے پر جلد دور ہو جائیگی۔ ایسے مبارک وقت میں اخبارات کی کامیابی کوئی دشوار بات نہ تھی۔ اور یہی مبارک خیالات تھے۔ جو ہمیں آزاد کی کامیابی کا یقین دلاتے تھے +

اردو میں دو تین اچھے اچھے رسالے موجود تھے۔ مگر سیاسی اور ملکی امور پر بحث کرنے والا ایک رسالہ بھی نہ تھا۔ دو ایک رسالے علمیت کے رنگ کیساتھ کبھی کبھار اِس طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ مگر انگریزی طریق کا اِس صنف میں مخصوص رسالہ ایک بھی نہ تھا۔ یہ ایک عام خیال تھا۔ کہ اردو میں ایسے خیالات

اور لکھنے والے بھی میسر نہیں آسکتے۔ آزاد کے جنم کے وقت اگرچہ رعایا اور حکام میں کشیدگی تھی۔ مگر سنجیدہ رائے کے قدردان موجود تھے۔ کیونکہ عام خیال تھا کہ نتیجہ تسلی بخش ہوگا +

پنجاب کے سخت فیصلہ پر ملک میں ناراضگی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اہل ملک کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اس مایوسی میں اچھے اچھے میانہ رو پریشانی کا شکار ہوگئے۔ ملک میں ہر طرف سے سخت الفاظ میں اس طریق فرمانروائی پر اعتراض کیا جانے لگا۔ اور ایک ایسی جماعت جس کا شیوہ بلا سوچ سمجھے مخالفت حکام تھا ملک میں پیدا ہوگئی۔ یہ وقت سنجیدہ رائے والوں کے لئے کڑا تھا کیونکہ یہ قانون قدرت ہے۔ کہ جب کسی کو صدمہ پہنچتا ہے۔ تو انتقام کی نصیحت کرنے والا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ انتقام اندھا ہے۔ ملک میں چند سخت نویس اخبار پیدا ہوگئے تھے۔ اور انہوں نے ملک کے مذاق کو اس قدر بگاڑا تھا کہ سنجیدہ رائے اخبارات کی سرپرستی گناہ خیال کی جاتی تھی۔ سختی کی پولیسی جو اس وقت برتی جا رہی تھی۔ اس آگ کو اور بھی بھڑکاتی تھی +

حکام اور گورنمنٹ کا برانگیختہ ہوجانا اس بے قاعدہ مخالفت کا لازمی نتیجہ تھا اور خصوصاً اس وقت جبکہ حکام نے سختی کی پولیسی اختیار کی ہو۔ یہ بے قاعدہ جماعتیں فوراً منتشر کردی گئیں۔ اور قانون جیسا کہ ہمارا اعتقاد ہے کے مضبوط ہاتھ نے ان اخبارات کی آواز کو فوراً بند کردیا۔ جو بیوقت اور بے سرا راگ الاپ رہے تھے۔ اس بیوقوفی کا نتیجہ بعض ناکردہ گناہ اہل ملک کو بھی بھگتنا پڑا۔ اور سب سے زیادہ صدمہ ملک کے لئے یہ ہوا۔ کہ پنجاب کا لیڈر غلط فہمیوں کا شکار ہوا۔ اور محض غلط رپورٹوں پر اسے جلاوطن کردیا گیا +

یہ ممکن ہے کہ اس قسم کی سخت پولیسی گورنمنٹ رعب قایم رکھنے کے لئے عمل

میں لائی ہو اور اگر گورنمنٹ کا یہی مقصد ہے تو ہمارا یقین ہے کہ اس میں گورنمنٹ کو کم از کم پنجاب میں تو پوری کامیابی ہوئی ہے۔ اس وقت پنجاب میں چاروں طرف سنّاٹا ہے۔ اگر کبھی کوئی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو وہ اظہار وفاداری کی آواز ہے اس ہل چل سے ملک میں عظیم انقلاب ہو گیا ہے اور سب سے زیادہ قابل افسوس ہندو مسلمانوں میں نفاق ہے جو اظہار وفاداری سے پیدا ہوا ہے۔ گذشتہ واقعات سے بہت سے اہل ملک کی رائے تبدیل ہو گئی ہے۔ وہ لوگ جو پیشتر اتحاد کے حامی تھے اور اس کے لیئے ہر طرح کوشش کرتے تھے آج نفاق کے بانی ہیں +

۱۔ غرض اس طول طویل بحث سے صرف یہ ہے کہ آزاد نے اپنی چھ مہینہ کی عمر میں زمانہ کا بہت سا اُتار چڑھاؤ دیکھا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ کہ یہ امر ہر طرح قابل تحسین ہے کہ آزاد باوجود ان سخت تبدیلیوں کے اپنی میانہ رو پولیسی پر قایم رہا ہے اور اپنے دستور العمل ع

آزاد روہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل

نہایت خوبی سے نبھایا ہے۔ جہاں اس نے گورنمنٹ کی سختیوں کی مخالفت کی ہے وہاں بے قاعدہ ناگوار طریقوں کو بھی نفرین کی ہے +

۲۔ اردو نہ جاننے والے مستند اہل قلم کے مضامین حاصل کر کے ہمیں بھی خدا کا شکر ہے کہ آزاد کو نمایاں کامیابی ہوئی ہے اور ایک معقول تعداد ایسے احباب کی آزاد کی قلمی اعانت پر آمادہ ہو گئی ہے +

۳۔ آزاد کی پہلی جلد میں جس قدر مضامین مختلف اہل قلم نے قلم سے درج ہوئے ہیں۔ ان سے یہ مسرت بخش اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آزاد کو مختلف اہل قلم کے مضامین درج کرنے میں بھی خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور ملک کے نوجوانوں میں اردو مضامین نگاری کا شوق پیدا ہو گیا ہے +

۴۔ قدیم اور جدید شاعری کو ملا کر مونا نگ شاعروں نے اختیار کیا ہے وہ ملک

میں نہایت مقبول ہوا ہے - اور اس میں جو قومی نظمیں لکھی جاتی ہیں وہ مقبولیت عامہ حاصل کرتی ہیں - ایسی دلچسپ نظموں کی بھی ایک معقول تعداد آزاد میں شایع ہو چکی ہے +

۵ - ہاف ٹون تصاویر بھی آزاد کے لئے خاص کوشش سے حاصل کی گئی ہیں - چنانچہ پنجابی کے مالک اور ایڈیٹر کی تصویر خاص آزاد کے لئے اُتروائی گئی تھی - اور اس سے اور ہمعصروں نے بھی یکساں فائدہ اٹھایا ہے +

۶ - آزاد کو کسی خاص گروہ کی رائے کا پابند نہ بنانے بلکہ ہندو مسلمانوں کے حقوق کو مدنظر رکھنے اور انصاف اور حق پسندی سے کام لینے کے مقصد میں آزاد کو غیر معمولی کامیابی ہوئی ہے - مسلمان بھائیوں نے آزاد کی سرپرستی ویسی ہی سرگرمی سے کی ہے جیسی ہندؤں نے - لکھنے والوں میں بھی مسلمان احباب کی ایک معقول تعداد ہے - اگرچہ اس سے زیادہ مطلوب ہے - اور ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں - کیونکہ ملکی حیثیت سے ہم سب ایک ہیں - اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی - کہ ہمارے مشترکہ اغراض میں بھی مذہب مانع ہو +

ہم سمجھتے ہیں - کہ چھ مہینہ کی چھوٹی سی عمر کے لحاظ سے یہ کام ہر طرح قابل اطمینان اور لایق تحسین ہے - اور اگر ہماری کوششوں کے ساتھ آپ کی امداد شامل رہی تو اُمید ہے - کہ خاطر خواہ ترقی ہو گی - اور آزاد روز بروز زیادہ دلچسپ ہوتا جائیگا - ہم جو کچھ ہمارے امکان میں ہے - کرتے ہیں - اور ہر وقت کرنے کے لئے تیار رہیں - آپ اپنا فرض ادا کیجئے اور توسیع اشاعت میں مدد دیجئے - تاکہ تمام مقاصد پر زیادہ کامیابی سے عمل کیا جا سکے - خدا آپ کی ہمت میں برکت دے - آمین ثم آمین +

رباعیات محروم

از منشی تلوک چند محروم

خواب غفلت

کس نیند میں اے اہلِ وطن سوتے ہو
تم سوتے ہو جب عدو کے لگن سوتے ہو
لپیٹے ہوئے ہو چادرِ غفلت میں تم
یا اوڑھے ہوئے تن پہ کفن سوتے ہو

نقش کہن

مظلوم ہوئے ہم کو ستانے والے
اور بیٹھ گئے فتنہ اُٹھانے والے
ہرگز نہ مٹا نقش ہمارا محروم
مٹ مٹ گئے خود ہم کو مٹانے والے

جیت ہار

خالق جو طلب کرتا ہے پیارو دل کو
بہتر ہے اُسی نام پہ وارو دل کو
کھیلو گے جو شطرنج محبت محروم
اس میں ہی ہی جیت کہ ہارو دل کو

گوشۂ تنہائی

کیا تم کو پڑی بادیہ پیمائی کی
ہوگی یہ نصیحت کسی سودائی کی
محروم ہنسو کھیلو ابھی لڑکے ہو
یہ عمر نہیں گوشۂ تنہائی کی

جور زمانہ

ہم جور زمانے کے سہے جاتے ہیں
آنسو ہیں کہ دن رات بہے جاتے ہیں

گذری چلی جاتی ہے جوانی محروم
ارمان یونہی دل میں سہے جاتے ہیں

جواب غرور

حاصل تجھے کیا وصل سے بلبل ہوتا؟
کیا ہوتا جو پہلو میں ترے گل ہوتا؟
ہوتی جو تجھے حسن سے بے پرواہی
کیوں شکوۂ انداز تغافل ہوتا؟

تصویر یار

ہے دل میں اسی سست وفا کی تصویر؟
تم تو بھی ہے جسکی جفا کی تصویر؟
مشکل سی ہوا ہے ہوش میں آئے محروم
پھر دیکھو اس ہوش ربا کی تصویر؟

شکوۂ جور

محروم ستمکش پہ جفا کرتے ہو
ہو مارتے مرتوں کو یہ کیا کرتے ہو
پچھتاؤ گے تم اپنے کئے پر آخر
ایسا نہ کرو دیکھو برا کرتے ہو

رتبۂ عالی

رتبوں میں یہاں راحت و آرام نہیں
محزوں کہیں گردش ایام نہیں
کس اوج پہ پھرتے ہیں یہ دل محروم
رونے کے سوا ان کو کوئی کام نہیں

گرمی

پھر آئے تڑپتی ہوئی آئی گرمی
کیا کہئے یہ جولائی جولائی گرمی
محروم تن و جان پھکے جاتے ہیں
گرمی نے قیامت کی دکھائی گرمی

ایضاً

گرمی تجھے اللہ کا ڈر ہے کہ نہیں؟ مخلوق کی آہوں سے خبر ہے کہ نہیں
محروم کبھی تجھ ہی کا درد آئیگا شاعر کو شناسائی ہے خبر ہے کہ نہیں

سودائے شعر

کچھ تازہ نہیں شعر کا سودا مجھ کو ہوتی بھی تو کیوں اسکی تمنا مجھ کو
گہوارے سے ہی میں لایا موزوں نکلا بچپن سے یہ قدرت نے سکھایا مجھ کو

وقتِ جدائی

جو حال ہوا تجھ سے جدا ہونے وقت میں کہہ نہ سکا تجھ سے جدا ہونے وقت
ہوتا ہے جدائی کا بھی کیسا صدمہ دل ٹوٹ گیا تجھ سے جدا ہوتے وقت

ایضاً

اب جان حزیں لب پہ پڑی ہے محروم اور موت مرے سر پہ کھڑی ہے محروم
تیری یہ نصیحت ہے کہ میں صبر کروں مشکل ہے جدائی کی گھڑی ہے محروم

ایضاً

ساعت ہے جدائی کی مچلتا ہے دل جلتا ہے اچھلتا ہے نکلتا ہے دل
حضرت بھی یہاں آ گئے ناصح بنکر محروم سنبھالے سے سنبھلتا ہے دل

ایضاً

ہے قید جدائی کا زمانہ مجھ کو اِس قید سے تم جلد چھڑانا مجھ کو
کس طرح کہوں اپنی زباں سے جاؤ جاتے ہو مگر بھول نہ جانا مجھ کو

تلوک چند محروم

خالصہ تاریخ کے اوراق پریشاں

از بھائی پرمانند ایم۔ اے مقیم لنڈن

"انگریزوں نے ہندوستان ہندوؤں سے لیا۔ نہ کہ مغلوں سے۔ پیشتر اسکے ہم نے ہندوستان کو مفتوح کرنا شروع کیا۔ مغلی شہنشاہت ٹوٹ چکی تھی۔ اور ہماری اصلی لڑائیاں شہنشاہ دہلی یا اُس کے باغی نوابوں سے نہیں ہوئیں۔ بلکہ مرہٹوں اور سکھوں سے۔ دو بڑی طاقتیں جنہوں نے کہ مغلیہ سلطنت کو اپنے درمیان بانٹ لیا تھا" سر ولیم ہنٹر +

خالصہ کا عروج ہندوستان کی تاریخ میں ایک لاثانی نظارہ ہے۔ اور اس پر ایک سرسری نظر بہت دلچسپ اور سبق آمیز ہوگی۔ صدیوں تک بیرونی حملوں کی لہر شمالی ہند کے میدانوں میں زور سے بہتی رہی۔ یکایک خالصہ طاقت نے نہ صرف اس لہر کو روکا۔ بلکہ اس کا رُخ دوسری طرف پلٹ دیا۔ تاریخ کے سٹوڈنٹ کو یہ ایک عجیب معجزہ معلوم دیتا ہے۔ یہ معجزہ کس طرح عمل میں آیا۔ ہر ایک ہند کے رہنے والے کے لئے قابل مطالعہ ہے +

جب مغلیہ سلطنت کے قائم ہو جانے پر ہندوستان میں امن کا زمانہ آیا۔ تو ایک قسم کی عجیب سی مذہبی اصلاح شروع ہوئی۔ کبیر۔ تلسی مہاراج (رامائن کا مصنف) چیتن اور گورونانک ایک دوسرے سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہندوستان کے مختلف حصوں میں پرگٹ ہوئے۔ روایتاً یہ خیال ہے کہ گورونانک کی مذہبی اصلاح کے ساتھ ایک اور بڑی تحریک کا بیج بھی موجود تھا۔ جب نئے گورو گدی پر بیٹھتے تھے۔ تو اُن کے سامنے ایک سیلی اور ایک تلوار پیش ہوتی تھی۔ تاکہ دونوں میں سے

کسی کو منتخب کرلیں۔ کہتے ہیں کہ پہلے پانچ گوروؤں نے سہلی کو چنا۔ اور فقیری لباس رکھا۔ گورو ہرگوبند مہاراج نے دونوں کو اٹھالیا۔ اور تلوار کا کام شروع کیا۔ اُن کی اکثر پہاڑی راجاؤں اور مسلمان نوابوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ دسویں گورو نے سہلی کو پھینکدیا اور کیول تلوار کا آسرا اختیار کیا +

۱۵۷۰ء میں اکبر نے گورو رام داس جی کو امرتسر کی جگہ عطا کی اور اُنہوں نے تالاب بنوایا۔ گورو ارجن مہاراج نے ٹکس باقاعدہ لگانا شروع کیا اور ایک طرح کی سول سٹیٹ (Civil State) کی بنیاد ڈالی۔ اُن کی مرتیوں نے جو کہ راوی دریا میں واقع ہوئی گورو ہرگوبند ایک جنگی گورو بنایا۔ اور نویں گورو تیغ بہادر کی شہادت نے ۱۶۷۵ء میں دسویں گورو کو آمادہ کیا۔ کہ وہ اپنے سیدھے سادھے سکھوں کو سنگھ بنادیں +

ہم سب جانتے ہیں۔ کہ کس طرح سے گورو گوبند نے پانچ پونر اور مہان آتماؤں کا انتخاب کیا۔ اُن کا نام خالصہ رکھ کر اُن کے ہاتھ سے امرت آپ چکھا۔ اور پھر آپ اُن کو چکھایا۔ اور یہ بچن کہے۔ کہ خالصہ گورو سے اُتپن ہوا۔ اور گورو خالصہ سے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے باہمی رکھشک ہوئنگے۔ ساتھ ہی گورمتا قائم کرکے مہاراج نے اُس (Confederacy) کی بنیاد رکھی۔ جو کہ نشوونما پاکر ایک بڑی سلطنت بنی۔ گورومتا سکھوں کی کونسل تھی جس کا اجلاس امرتسر میں مختلف موقعوں پر ہوا کرتا تھا +

جب آزادی کا جھنڈا گورو نے بلند کیا۔ تو اُنہیں شروع شروع میں اپنی معمولی بھگتی بھاؤ والے کی امداد سے کچھ کامیابی ہوئی۔ کچھ عرصہ اور اُن کی طاقت بڑھی۔ اور ناہن کے راجہ سے اتفاق کرکے اُنہوں نے لاہور کے نواب لیر خان کو شکست دی۔ اورنگزیب بادشاہ کو اپنا لڑکا بہادر شاہ بمعہ فوج عظیم کے بھیجنا پڑا۔ کس طرح پر گورو کا دو دفعہ محاصرہ کیا گیا۔ اور اُن کے بہت سے ساتھی گھبرا کر

مایوس ہو گئے۔ اور ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کس طرح پر پیارو صاحبزادے
شہید ہوئے۔ ایسے واقع ہیں جنھیں ہمارے بچے بھی جانتے ہیں۔ ان سیاہ
شہادتوں نے بزدلی اور مدتوں کے گرے ہوئے ہندوؤں کے آتش فرو میں نئی
زندگی پیدا کی اور چڑیوں کو بازوں کا شکار کرنے والا بنا دیا +

گورو گوبند نے ۱۷۰۸ء میں بندہ بیراگی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اسی زمانہ میں
بادشاہ کی موت واقع ہوئی تھی اور شاہی سلطنت میں ابتری اور بد انتظامی شروع ہو گئی یہ موقعہ
بندہ کیلئے غنیمت تھا۔ اُس نے چھوٹے چھوٹے راجاؤں اور نوابوں پر چڑھائیاں شروع کر دیں اور فتوحات
حاصل کیں جہاں اپنے آپ کو بڑا بھاری جنرل ثابت کیا۔ سکھوں کو جنگی قوم بنا دیا۔ سنہ ۱۷۱۰ء میں
فوجدار سرہند کو جس سے کہ سکھ سخت نفرت کرتے تھے شکست دی۔ اور سرہند کو
مسمار کیا۔ بعد ازاں بندہ نے دہلی پر دھاوا کا حکم دیا۔ بہادر شاہ ڈر کے مارے
دکن سے واپس آیا۔ اور بندہ کو پانی پت کے میدان پر پہلی شکست ہوئی۔ سلطان
بہادر شاہ نے بندہ کا دہیر میں محاصرہ کیا۔ جہاں سے کہ بندہ معہ اپنے ساتھیوں
کے بڑی چالاکی اور ہمت سے نکل گیا۔ بہادر شاہ کی موت سے پھر دہلی میں بدعملی
شروع ہوئی۔ اور بندہ پہاڑوں سے اپنی افواج اکٹھی کر کے پھر میدان میں نکلا۔
اور پنجاب کا کثیر حصہ فتح کر لیا۔ فرخ سیر کو ۱۷۱۳ء میں اپنا سب سے بڑا جرنیل
عبدالصمد مقابلہ کے لئے بھیجنا پڑا۔ اس عرصہ میں سکھوں کی فوج میں بندہ کے
برخلاف ایک پارٹی ہو گئی تھی۔ اِس کی وجہ شاید یہ تھی۔ کہ بندہ نے یہ حکم دیا کہ بجائے
"فتح واہگورو" کے "فتح دھرم" کا نعرہ لگایا جائے۔ ۱۷۱۶ء میں لوہ گڑھ کے قلع
میں آدھے ساتھیوں کے چھوڑ دینے کے بندہ اور اس کے ساتھی پکڑے گئے۔
اور اُن کی موت کا نظارہ دہلی میں نہایت ہی دردناک ہے اور اُسے بڑے مشہور
مسلمان مورخ نے غضب کی درد انگیز زبان میں قلم بند کیا ہے +

فرخ سیر کا عام حکم ہو گیا۔ کہ جو شخص سکھ کا سر کاٹ کر لائیگا۔ انعام پائیگا۔ یہاں پر خالصہ کا پہلا عروج ختم ہوتا ہے۔ قریب تیئس سال تک خالصہ چپ چاپ رہے اور کچھ سنائی نہیں دیا۔ مغل بادشاہ نے اپنی طرف سے خالصہ کو برباد کر دیا +

لیکن اس عرصہ میں خالصہ کی ترقی نئے سرے سے اور نئے طریقہ پر شروع ہوئی گاؤں میں خفیہ سوسائٹیاں قایم ہونی شروع ہوئیں۔ ہر ایک شخص جو گھوڑا اور ہتھیار رکھتا تھا۔ اُن کا ممبر ہو سکتا تھا۔ بعضوں کو سوسائٹی کی طرف سے سامان ملتا تھا۔ ہر ایک سوسائٹی اپنا لیڈر انتخاب کرتی تھی۔ اور ہر ایک لیڈر کا جدا جدا صدر مقام تھا۔ جسے ڈیرا کہا جاتا تھا۔ اِس طرح پنجاب کے سب حصوں میں کئی مختلف ڈیرے قائم ہو گئے۔ دولتمند اشخاص کو لوٹ مار کر سوسائٹی کا فنڈ بنا لیا گیا۔ پنجاب میں جال کی طرح یہ پھیل گئے +

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کو چند سواروں کو دیکھنے کا اتفاق ہؤا۔ اُس نے اُن سے پوچھا۔ کہ تمہارا گھر کہاں ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ کہ گھوڑے کی پیٹھ پر۔ نادر شاہ نے ریمارک کیا۔ کہ یہ لوگ خطرناک ہیں۔ اِنھیں تباہ کرنا چاہئے +

اِسی طرح جب احمد شاہ ابدالی نے ایک سروپاے امرتسر کے سپاہیوں کے پاس بھیجا۔ تو اُنھوں نے قاصدوں کے سامنے ہی ربابیوں کو دیدیا۔ جس پر ابدالی نے کہا۔ کہ اِس قوم سے بادشاہی کی بو آتی ہے۔ جو کہ غیروں سے کسی قسم کی عزت یا سرفرازی قبول کرنا پسند نہیں کرتے +

۱۷۵۶ء میں ابدالی نے پنجاب کو مغلوں سے چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ چونکہ افغان بادشاہ کابل ہی سے اتنی نگرانی نہیں کر سکتا تھا۔ سکھوں کی طاقت بڑھتی گئی۔ اور اُنھوں نے چپکے چپکے امرتسر میں اپنے جلسے کرنے شروع کر دیئے۔ اور آہستہ آہستہ قلعوں اور مضبوط جگہوں پر قبضہ حاصل کرنے لگے +

ایک شخص نودھ سنگھ سکھوچک کا رہنے والا گجرات کی سوسائٹی میں شامل ہؤا۔ جس کا لیڈر کپور سنگھ تھا۔ نودھ سنگھ ۱۷۵۰ء میں مر گیا۔ اُس کے لڑکے چڑت سنگھ نے چند پیروکار رکھے۔ اور اپنی نئی سوسائٹی بنائی۔ اور گوجرانوالہ کے نزدیک ایک گڑھی تعمیر کر لی۔ افغان وائسرائے نے ۱۷۶۲ء میں گڑھی کو مسمار کرنے کے لئے فوج بھیجی۔ اِس فوج کو چڑھت سنگھ نے بھگا دیا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے افغان فوج اور سکھوں کی ایک لڑائی ایمن آباد میں ہوئی۔ جس میں بہت سے قیدی لاکر لاہور میں اُس جگہ رکھے اور قتل کرائے گئے جہاں کہ اُن کے نام پر اب شہید گنج ہے +

۱۷۶۲ء میں سب سوسائٹیوں کا ایک عام جلسہ امرتسر میں ہؤا۔ اور اُس میں اتفاق کرکے سب نے جنگ کی طیاری شروع کی۔ جنڈیالہ کا محاصرہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا۔ اور سرہند پر ایک بڑی لڑائی ہوئی۔ جس میں ۱۲۰۰۰ سکھ قتل ہؤا۔ اور احمد شاہ نے امرت سر کا تالاب گائے کے خون سے ناپاک کیا۔ ابدالی تو واپس گیا۔ مگر سکھ غصے کی آگ میں جلتے ہوئے اُٹھے۔ اور ۱۷۶۴ء میں امرتسر میں اجلاس ہؤا جس میں خالصہ کی پختہ آرگنزیشن قائم کی گئی +

ساری سوسائٹیوں کو ۱۲ بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر ایک حصہ کا ایک ایک چیف سردار مقرر کیا گیا۔ اُنہیں ۱۲ مثلیں کہتے ہیں۔ اور اِس میں اور قواعد مرتب کئے گئے۔ اور سرداری کی زمین مختلف چھوٹے چھوٹے پتی داروں میں تقسیم کی گئی۔ اور اس طرح خالصہ کنفیڈریسی (Confederacy) قائم کی گئی۔ مختلف سرداروں کے آپس کے جھگڑے امرتسر کے جلسہ کے موقعہ پر فیصلہ ہوتے تھے۔ اس وقت ساری مثلیں ۷۰۰۰۰ سپاہی میدان میں لاسکتی تھیں۔ اِس فوج کا نام "دَل خالصہ جی" رکھا گیا۔ خالصہ کے نام پر سکہ جاری کیا گیا۔ خالصہ نے سرہند اور قصور کو فتح کیا۔ اور جتا سنگھ کے ماتحت تھوڑے عرصہ میں لاہور فتح کیا۔ احمد شاہ

کا گورنر "قبول مل" بھاگ گیا۔ اور جسا سنگھ نے لاہور میں سکہ جاری کیا۔ جس پر یہ درج تھا۔ "خالصہ کی کرپا سے احمد شاہ کے ملک میں جسا سنگھ نے فتح کر کے یہ سکہ جاری کیا۔" احمد شاہ پھر آیا۔ سب سکھ سردار بھاگ گئے۔ اور اسے واپس جانا پڑا۔ ۱۷۷۳ء میں احمد شاہ مر گیا۔ اس کے بیٹے تیمور نے جس سال لاہور واپس لینے کی کوشش نہ کی۔ اور اب پنجاب کا صدر مقام سکھ سرداروں کے قبضہ میں رہا۔ اس عرصہ میں ان کے راج کی بنیاد پختہ پڑ گئی۔

چڑھت سنگھ کے بعد اس کا لڑکا مہان سنگھ جانشین ہوا۔ مہان سنگھ کی جگہ ۱۷۹۱ء میں رنجیت سنگھ سرداری پر مقرر ہوا۔ ۱۷۹۸ء میں زمان شاہ نے پنجاب پر حملہ کیا۔ سکھ سردار بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ نے توپیں دریا سے نکلوا کر زمان شاہ کو پہنچا دیں۔ جس پر زمان شاہ نے رنجیت سنگھ کو پنجاب عطا کیا۔

رنجیت سنگھ نے لڑائی کر کے لاہور پر قبضہ حاصل کیا۔ اور سکھ ایمپائر کی بنیاد ڈالنی شروع کی۔ رنجیت سنگھ نے محسوس کیا کہ ساری مثلیں ایک Commander ایک ہیڈ کے ماتحت ہونی چاہئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں قریب دس مثلوں کو اپنی سرداری میں شامل کیا۔ یہ کچھ بذریعہ شادیوں کے۔ اور کچھ حکمت عملی سے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خالصہ کو قائم رکھا۔ گو اس کی طاقت ساری اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ دنیا کے ان بے نظیر شخصوں میں سے ہے۔ جو کہ بڑی سلطنتوں کے بانی کہلائے جاتے ہیں۔ ایک جرمن مدبر نے لکھا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوا۔ جس نے اس قدر کم کشت و خون سے اتنی بڑی سلطنت قائم کی ہو۔ جتنی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تھی۔ ان کی ایک بڑی خواہش یہ تھی۔ کہ وہ کوہ نور کو افغان بادشاہ سے واپس لیں۔ جس میں وہ کامیاب

ہوئے۔ جب شاہِ شجاع کے ساتھ امداد دینے کا عہدنامہ کیا۔ تو دو شرطیں اُس میں بہت عجیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاہِ شجاع اپنی ساری سلطنت کے اندر گاؤکشی بند کردے۔ دوسری سومنات کے ستون جو کہ غزنی کی مسجد میں تھے۔ واپس سومنات کے مندر میں پہنچا دے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد لاہور میں بدانتظامی پھیل گئی۔ تب خالصہ نے پھر ہوش سنبھالی۔ ہر ایک رجمنٹ نے پنچایتیں قایم کیں۔ اور جس طرح کریمیہ (Crimea) کی فوج نے اپنی کونسلیں قایم کرکے اپنا راج بنا لیا تھا۔ اِسی طرح خالصہ بذریعہ اِن پنچایت اور ایک کونسل جنرل کے راج کرنے لگا۔ اِن کی طاقت کو تباہ کرنے کے لئے لال سنگھ اور تیج سنگھ نے انگریزوں سے فساد شروع کیا۔ اور اِدھر خالصہ کو جنگ پر آمادہ کیا۔ ایک رات کو ۵۰ ہزار خالصہ سپاہی نے مہاراجہ کی سمادھ پر جاکر قسم کھائی کہ وہ گورو کی دھرتی دوسروں کے قبضہ میں جانے نہیں دیں گے +

ایک شور بیر خالصہ شام سنگھ اٹاری والا اس سوگند پر اڑا رہا۔ اور پران دیئے۔ لال سنگھ اور تیج سنگھ کی دھوکھابازی نے خالصہ کو تباہ کردیا۔ تھوڑے سالوں کے اندر خالصہ کا ایک روح گورو رام سنگھ اور اُس کے پیرووں میں جا ظاہر ہوا۔ سو اس کا انجام کسی سے چھپا ہوا نہیں +

پرمانند

رباعیاتِ عمر خیام بجائے خود کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ اس کا ایک نادر مجموعہ شفیع الدین خان صاحب نے ایک خوبصورت کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے۔ لیکن کاتب صاحب نے جن کا نام ہر ایک صفحہ کے نیچے جلی قلم سے درج ہے۔ اپنے نام کو مضمون کا جزو بناکر تمام کتاب کو بھدا بنا دیا ہے +

مضمون سے دفتر اَخمس الغرض ... [illegible]

لالہ لاجپت رائے کا کام

ازپروفیسر گوکل چند ایم۔ اے

لالہ لاجپت رائے ابھی گورنمنٹ کالج کی ایف۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ کہ آپ نے پبلک کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دیا تھا۔ بیس سال پیشتر پنجاب میں پولیٹیکل ہلچل بالکل نہ تھی۔ ہاں مذہبی بحث مباحثے زوروں پر تھے۔ اور آریہ سماج کی دیگر مذاہب و ہندو دھرم کے باقی فرقوں سے نہایت جوش و خروش سے مذہبی جنگ چھڑ رہی تھی۔ لالہ لاجپت رائے آریہ سماج میں نئے نئے شامل ہوئے تھے۔ اور ان دوستوں کے ساتھ پڑھتے تھے۔ جنہوں نے بعدازاں اپنے کام سے آریہ سماج کی تاریخ بنائی ہے +

لالہ ہنس راج حال پرنسپل ڈی۔ اے۔ وی کالج۔ پنڈت گورودت ودیارتھی مرحوم جن کے علم وفضل کا شہرہ ہندوستان سے باہر بھی ہو چکا تھا۔ لالہ چیتن آنند جو چند دن ہوئے ابھی ملتان آریہ سماج و اینگلو سنسکرت سکول کو خصوصاً اور آریہ سماج کو عموماً اپنی جدائی کا صدمہ دے گئے ہیں۔ یہ سب صاحب اس وقت گورنمنٹ کالج کی ایف۔ اے کلاس کی رونق تھے +

ان ہی دنوں صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب میں ہندی اردو کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ اور ادھر اہل اسلام اردو کی خاطر اور ادھر اہل ہنود ہندی کی خاطر سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ یہ چند نوجوان جن کے ہاتھوں میں اس وقت بھی ایک انگریزی اخبار تھا۔ میدان مناظرہ میں سب سے پہلے تھے۔ اور لالہ لاجپت رائے بالخصوص ہندی کی خاطر وہ جدوجہد کرتے تھے۔

کہ بڑے بڑے بزرگ دیکھ کر عش عش کرتے تھے +

اِن دنوں فارسی و عربی کے پروفیسر گورنمنٹ کالج میں اردو کے مشہور شاعر اور نثر نگار مولوی محمد حسین صاحب آزاد تھے۔ لالہ لاجپت رائے اِن کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ اور بعد میں بھی جب کبھی اِن کا ذکر کرتے تھے۔ نہایت محبت اور ارادت سے اپنے سابقہ استاد کو یاد کرتے تھے۔ مگر اِن دنوں استادوں شاگردوں کے تعلقات زیادہ دوستانہ اور محبت آمیز ہوتے تھے۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے اور مولوی صاحب کے کئی بار مباحثے ہو پڑا کرتے تھے۔ ایک دن مولوی صاحب نے کچھ ذرا سا رنجیدہ ہو کر فرمایا۔ کہ تم لوگ بحث مباحثہ میں تو بڑے شیر ہو۔ مگر خود سنسکرت وغیرہ کچھ نہیں پڑھتے۔ اور فارسی کی طرف یوں توجہ نہیں کرتے +

لالہ لاجپت رائے کو سچ مچ اس وقت ہندی کے حروف بھی نہیں آتے تھے۔ مگر اِن کے دوست پنڈت گورودت تھے۔ جو بعد میں اِن لوگوں کو بھی اردو میں لکھ لکھ کر اشٹادھیائی پڑھاتے رہے۔ جن کو سنسکرت تو کجا ہندی میں کالا اکھشر بھینس برابر تھا +

لالہ لاجپت رائے نے جب اِن سے ذکر کیا۔ تو اُنہوں نے کہا۔ کچھ پروا نہیں تم سنسکرت لے لو۔ چنانچہ اگلے دن آپ سنسکرت کلاس میں جا براجے۔ اور مولوی صاحب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے +

مگر لالہ لاجپت رائے کے حالات ایسے تھے۔ کہ ایف۔ اے کے امتحان کا خیال چھوڑ کر آپ قانون کی جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور مختاری کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ سوامی دیانند سرسوتی بانیٔ آریہ سماج کا انتقال ہو گیا۔ سارے شمالی ہند میں ہاہاکار مچ گیا۔ اور جابجا ماتمی جلسے ہوئے۔

چنانچہ لاہور میں بھی ایک بڑے بھاری ماتمی جلسہ کی تجویز ہوئی۔ اور یہ قرار پایا کہ لالہ لاجپت رائے تقریر کریں +

اِس سے پہلے آپ کو اتنے بڑے مجمع میں بولنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر اِس دن جو تقریر آپ نے پڑھی۔ وہ لوگوں کے دلوں میں گڑ گئی حاضرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا۔ جس کے آنسوؤں کا تار نہ بندھ رہا ہو۔ لالہ لاجپت رائے کی تقریریں پہلے ہی سند قبول حاصل کر چکی تھیں۔ اِس تقریر سے اِن کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور اس وقت سے آج تک فصاحت و بلاغت کا سہرا اِن ہی کے سر رہا ہے +

مختاری کا امتحان پاس کر کے آپ حصار چلے گئے اور وہاں کام شروع کر دیا وکالت پیشہ لوگوں کی اِن دنوں یوں ہی چاندی تھی۔ اور پھر لالہ لاجپت رائے جیسے صاحب لیاقت آدمی کے لیئے۔ کام شروع کرتے ہی روپیہ کی بارش ہونے لگی۔ سال دو سال کام کرنے کے بعد آپ نے وکالت کا امتحان دیا۔ اور باوجود سابقہ سال مقدموں میں گذارنے کے آپ اِس امتحان میں دوسرے رہے۔ مسٹر ہربنشا جن کی کوٹھی ڈی۔ اے۔ وی کالج کی بغل میں واقع ہے۔ اوّل رہے تھے +

وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد بھی آپ حصار ہی رہے۔ وہاں چند ایک اصحاب اِس قسم کے اِنہیں مل گئے تھے۔ جن کی صحبت و برادرانہ شفقت نے اِنہیں حصار سے باہر نہ جانے دیا۔ اِن میں سے ایک تو بابو چوڑامنی وکیل لالہ جسونت رائے مالک پنجابی کے والد بزرگوار تھے۔ دوسرے آریہ سماج کے بڑے سرگرم کارکن پنڈت لکھپت رائے تھے۔ جنہوں نے چند سال ہوئے اپنی ساری عمر کا اندوختہ جالندھر اینگلو سنسکرت سکول کو دے دیا تھا۔ تیسرے سیٹھ چند و لال

تھے۔ جن کی فیاضی اور دریا دلی سے آریہ سماج کے تمام کام فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ یہ تینوں صاحب ابھی تک ویسی بلکہ اس سے بھی زیادہ سرگرمی سے اپنے اپنے دائرہ میں کام کر رہے ہیں +

حصار میں رہتے ہوئے لالہ لاجپت رائے کو چند ایک سال ہوئے تھے۔ کہ آپ وہاں کی میونسپل کمیٹی کے سکرٹری مقرر ہو گئے۔ اور اہل حصار آج تک محسوس کرتے ہیں۔ کہ ایسا زبردست کارکن اور رحم دل سیکرٹری اب تک ان کو نصیب نہیں ہوا ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ لفٹنٹ گورنر پنجاب دورہ کرتے کرتے حصار پہنچے۔ میونسپل کمیٹی نے فیصلہ کیا۔ کہ لاٹ صاحب کی خدمت میں ایڈرس پیش کیا جاوے۔ مگر اس بات پر جھگڑا ہو گیا۔ کہ ایڈرس اردو میں ہو یا انگریزی میں۔ ایڈرس اگر انگریزی میں ہوتا تو بلاشبہ ڈپٹی کمشنر صاحب لکھتے۔ اور خود ہی پڑھتے۔ اور جو ان کا جی چاہتا لکھتے اردو میں ضروری تھا۔ کہ لالہ لاجپت رائے جی لکھتے اور بحیثیت سیکرٹری وہی پڑھتے۔ اور یہ لازمی تھا۔ کہ چونکہ ایڈریس عام فہم ہوتا۔ اس میں عوام الناس رعایا کی شکایات مندرج ہوتیں۔ ڈپٹی کمشنر اور لالہ لاجپت رائے کے درمیان خوب کشمکش ہوئی۔ مگر آخر کار لالہ لاجپت رائے کی جیت ہوئی۔ اور آپ نے خوب لمبا چوڑا ایڈریس تیار کیا۔ اور رعایا کی سب شکایتیں درج کر کے خوب دھڑلے سے پڑھ کر سنایا +

اس اثنا میں آپ کی پریکٹس خوب چمک گئی تھی۔ ساتھ ہی دیانند کالج قایم ہو چکا تھا۔ اور اُسے تقویت دینے کا خیال لالہ لاجپت رائے کے دل میں موجود تھا۔ اِس واسطے چند سال کے بعد آپ حصار سے لاہور تشریف لے آئے۔ اور چیف کورٹ میں کام کرنا شروع کر دیا +

ہر چند حصار میں بھی آپ کا جوش و خروش کم نہ تھا۔ مگر اِن کی قابلیت اور

ہمت کے لیئے حصار میں اس وقت کافی دائرہ موجود نہ تھا۔ لاہور میں کام کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ لاہور میں لالہ لاجپت رائے کی حب الوطنی اور ہمت مردانہ نے وہ کام کرکے دکھائے۔ جو ہندو قوم کی تاریخ کو ہمیشہ زیب دیتے رہینگے +

اس وقت تک بھی پنجاب میں پالیٹکس کا بہت خیال نہ تھا۔ کام کرنیوالوں کی ہمت اس وقت تک زیادہ تر مذہبی دائرہ میں محدود تھی۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے کے آنے سے لاہور سماج کو بڑی بھاری تقویت حاصل ہوئی۔ تقریباً ہر سال سالانہ جلسہ پر آپ کی زبردست اپیل ہوتی تھی۔ اور اہل پنجاب جانتے ہیں۔ کہ اس اپیل میں لالہ لاجپت رائے کتنی بجلی بھر سکتے تھے۔ اور ان کی تقریر سے حاضرین کے دل کس طرح تھرا اُٹھتے تھے +

لالہ ہنس راج کی لاثانی قربانی ہمیشہ لالہ لاجپت رائے کے مدنظر رہتی تھی اور اگرچہ ان کے وقت اور دولت کا بہت سارا حصہ سماجک کام میں خرچ ہوتا تھا۔ تاہم ان کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ آخر کار آپ نے غالباً ۱۸۹۸ء کے سالانہ جلسہ پر لالہ ہنس راج کو چٹھی لکھی۔ کہ میں آئندہ وکالت کے کام کو یا تو بالکل بند کردوں گا۔ یا بہت ہی تھوڑا کردوں گا۔ اور اپنا سارا وقت کالج اور سماج کی سیوا میں خرچ کیا کروں گا۔ لالہ ہنس راج نے یہ چٹھی بر سر اجلاس پڑھکر سنائی۔ پھولوں کا ہار ان کے گلے میں ڈالا۔ اور "قربانی آریوں کا اصول ہے" یہ موٹو ان کی نذر کیا +

لالہ لاجپت رائے کچھ مدت کالج میں ہسٹری پڑھاتے رہے۔ وکالت کا کام تقریباً بالکل چھوڑ دیا۔ اور جو مقدمات وقتاً فوقتاً لیتے رہے۔ ان کی ساری کمائی کالج کی نذر کرتے رہے۔ ان کی اپیلیں اور بھی موثر ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ آئے سال اِدھر اپیل ختم ہوتی تھی۔ اور اِدھر سب سے پہلے اِن کا اپنا شاندار

قدرتی تھا۔ کہ لالہ لاجپت رائے کا کام عیسائی مشنری صاحبان کی دلآزاری کا باعث ہوتا۔ لالہ لاجپت رائے نے اِسی پر اکتفا نہیں کی۔ کہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ یتیم منگا کر یہاں اِن کی پرورش کا انتظام کریں۔ بلکہ اِن کے ایجنٹ حکام تک پہنچے۔ اور اِن سے یہ حکم کیا۔ کہ سرکاری یتیم خانوں سے کوئی یتیم عیسائیوں کو نہ دیا جاوے۔ جب تک کہ لاہور سماج یتیم لینے سے انکار نہ کر دے۔ علاوہ ازیں لالہ لاجپت رائے اور اِن کے ماتحت کام کرنے والوں نے قانونی چارہ جوئی کر کر کے عیسائی شدہ بچے جن پر عیسائیوں کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ خرچ ہوئے تھے۔ اِن سے واپس لئے۔ نہ صرف یہی بلکہ اِن کے ایجنٹوں نے راجپوتانہ سے واپس آکر اپنی تقریروں میں مشنری صاحبان کے ایجنٹوں کے پول کھولنے شروع کئے۔ اور برسرِ عام ظاہر کیا۔ کہ عیسائی ایجنٹ ہندوؤں کا لباس پہنکر تلک اور جنیو لگا کر وہاں پھرتے ہیں۔ اور انجان ہندو بچوں کو اپنے دام میں پھنساتے ہیں۔ اِسی طرح عیسائی عورتیں ہیں جو پنڈتا راما بائی کی ایجنٹ ہیں۔ اور ہندو لڑکیوں کو یہ کہکر پھنسا لے جاتی ہیں۔ کہ چلو تمہیں پنڈتانی جی کے پاس لے چلیں گے۔ وہاں تمہیں کھانا کپڑا سب کچھ ملیگا +

اِن تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عیسائی صاحبان لالہ لاجپت رائے سے سخت ناراض ہو گئے۔ اور قدرتاً ایسے موقعہ کی تلاش کرنے لگے۔ جس سے اِن کو اِس جرم کی سزا مل سکے۔ اور عام خیال ہے۔ کہ اگر اِس وقت لالہ لاجپت رائے جلاوطن ہیں۔ تو اِن کی مصیبت کے ذمہ دار اتنے ہی عیسائی صاحبان ہیں جتنے اہل اسلام +

خیر۔ اِس کا نتیجہ کچھ ہی ہوا ہو۔ لالہ لاجپت رائے جب کسی کام کے کرنیکا فیصلہ کر لیتے تھے۔ تو اِس کے نتائج اور لوگوں کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتے

تھے۔ دو سال گذرے کانگڑہ کی طرف سخت بھونچال آیا۔ دھرم سالہ اور کانگڑہ زمین سے مل گئے۔ سینکڑوں گاؤں برباد ہو گئے۔ لالہ لاجپت رائے نے پھر اپنے ہموطنوں کی مدد کا بیڑا اُٹھایا۔ اور ابھی گورنمنٹ کو کوئی تجویز ہی نہ سُوجھی تھی۔ کہ لالہ لاجپت رائے کے ایجنٹ ضروری سامان لے کر وہاں پہنچ گئے۔ بخشی سوہن لعل صاحب نے وہاں کے کام کا چارج لیا۔ اور روپیہ جمع کرنا۔ آدمی بہم پہنچانا۔ سامان اکٹھا کرنا یہ سب کام لالہ لاجپت رائے نے اپنے ذمہ لیا۔ اور جس خوش اسلوبی اور جان نثاری سے آریہ سماج کے آدمیوں نے کام کیا۔ اس کا لفٹننٹ گورنر صاحب نے اپنی رپورٹ میں اعتراف کیا ہے اور بخشی سوہن لعل صاحب کو اس بے غرضانہ خدمت کے اعتراف میں رائے بہادر کا معزز خطاب عطا کیا +

اِس قسم کا کام تھا۔ جس میں اب تک لالہ لاجپت رائے کی ساری زندگی خرچ ہوئی۔ ۱۹۰۴ء تک انہیں پالیٹکس سے بہت اُنس نہ تھا۔ اور چونکہ آریہ سماج کا سارا کام ایک خاص کانسٹیٹیوشن کے مطابق ہوتا ہے۔ اور لالہ لاجپت رائے کی ساری عمر اِس باضابطہ کام میں گذری تھی۔ وہ کانگرس کو بہت پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اِن کی شکایت تھی۔ کہ کانگرس کی کوئی کانسٹیٹیوشن نہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء کی کانگرس کے موقعہ پر جب وہ بمبئی میں گئے۔ تو سرہنری کاٹن کے سامنے اُنہوں نے بمعہ دیگر پنجابی ڈیلیگیٹ صاحبان کے یہی اعتراض کیا۔ سرہنری کاٹن پر لالہ لاجپت رائے کی ذات نے بہت گہرا اثر پیدا کیا۔ اور سرہنری نے ساری پوزیشن اِن کے سامنے کھول کر رکھی۔ اور کانگرس کے لیڈروں کی طرف سے اقرار کیا۔ کہ جلدی ہی کچھ نہ کچھ کانسٹیٹیوشن بن جائیگی +

بمبئی سے جس وقت لالہ لاجپت رائے واپس آئے۔ تو اِن میں نمایاں

تبدیلی نظر آتی تھی۔ اِس وقت سے لے کر اِن کے پولیٹیکل کام میں دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء کے موسم گرما میں بمبئی کانگریس کے رزولیوشن کے مطابق اہل پنجاب نے اِن کو اپنا ڈیلیگیٹ بنا کر ولایت کو بھیجا۔ کہ وہاں بمبئی کے ڈیلیگیٹ مسٹر گوکھلے کے ساتھ ملکر اہل انگلستان کے آگے اپنے ملک کا رونا روئیں۔ اور اگر ہو سکے۔ تو نئی یعنی موجودہ لبرل پارلیمنٹ میں ہندوستان کے کچھ ہمدرد پیدا کریں۔ اِس کام میں اِن صاحبان کو کچھ کامیابی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اِس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ولایت میں مسٹر گوکھلے اور لالہ لاجپت رائے کو سخت محنت سے کام کرنا پڑا۔ وہاں کے پروگرام اِن دنوں کے اخبارات میں چھپتے تھے۔ اِن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ مسٹر گوکھلے اور لالہ لاجپت رائے ایک مہینہ میں چالیس کے قریب جلسے کرتے رہے۔ اور وہاں اپنے ملک کی رام کہانی اہل انگلینڈ کے گوش گذار کرتے رہے +

انگلینڈ سے لالہ لاجپت رائے چند ایک طالب علموں کو وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخل کرنے کی خاطر ساتھ لیکر امریکہ چلے گئے۔ اور وہاں چند دن رہکر ایک آدھ مذہبی اور ایک آدھ پولیٹیکل لکچر دئے +

وہاں سے واپس آکر لالہ لاجپت رائے نے جتنا روپیہ یہاں کی **انڈین ایسوسی ایشن** سے سفر خرچ کرنے کے طور پر لیا تھا۔ سب خیراتی کاموں میں خرچ کر دیا۔ اور سفر انگلستان و امریکہ پر جتنا روپیہ خرچ ہوا۔ سب اپنی گرہ سے خرچ کیا +

ابھی وہ ولایت میں ہی تھے۔ کہ یہاں تقسیم بنگالہ کا طوفان برپا ہو گیا۔ اور ۔۔ر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئی۔ لالہ ۔۔۔ لاجپت سے آنے کے بعد جگہ جگہ سے بلاوے آنے لگے۔ اور وہ

نہ صرف آریہ سماج اور دیگر اہل ہنود پنجاب کے لیڈر رہے۔ بلکہ ملک کے پولٹیکل لیڈروں میں شمار ہونے لگے +

بنارس کانگرس پر جو آپ نے تقریر کی۔ اِس سے اِن کا سکہ اور بھی بیٹھ گیا۔ اور وہ ہندوستان کے چیدہ چھ سات آدمیوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۰۶ء تقریباً آرام میں گذرا۔ مگر ۱۹۰۷ء کے شروع ہوتے ہی پنجاب میں کہرام مچ گیا +

دو تین قانون ایسے پاس ہوئے۔ جن سے یہاں کے جنگجو جاٹوں کی قوم میں ہلچل مچ گئی۔ سردار جیت سنگھ نے اِن میں اور بھی جوش و خروش بھر دیا — لاہور میں پنجابی کے مقدمہ نے لوگوں کو آگ لگا دی۔ لایل پور کے زمیندار ایکٹ نوآبادیہائے کی مجوزہ تبدیلیوں سے بپھر گئے۔ پنڈی میں ایزادیئے مالگذاری نے وہاں کے جاٹوں کو برانگیختہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ ساری پنجاب میں ہلچل مچ گئی۔ یار لوگوں کو یہ موقعہ خدا نے دیا۔ اُنہوں نے گورنمنٹ کے کان بھرنے شروع کئے۔ کہ پنجاب میں غدر ہونے والا ہے۔ لالہ لاجپت رائے سب کے لیڈر ہیں۔ اور اِن کے ماتحت لاکھ کے قریب سپاہی ہیں جو مرنے مارنے کو تیار کھڑے ہیں۔ لالہ لاجپت رائے اِس گورنمنٹ کی بیخ کنی کر کے خود بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ ۱۰ مئی کو قلعہ لاہور پر دھاوا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ نتیجہ جو ہؤا وہ محتاج بیان نہیں۔ اب آپ مانڈلے کے قلعہ میں بطور شاہی قیدی کے بیٹھے ہیں +

جو جو خیال وہاں اِن کے دل میں گذر رہے ہونگے۔ وہ یا اِنہیں خود معلوم ہیں۔ یا پرماتما جانتے ہیں۔ مگر اتنا مجھے پورا یقین ہے۔ کہ وہ اپنی موجودہ مصیبت کو گورنمنٹ کی کینہ جوئی یا خصومت کی دلیل نہیں مانتے ہونگے

بلکہ ضرور اپنے اہل ملک کی مہربانی کا نتیجہ خیال کر رہے ہونگے - ایشور پرماتما میں اِن کا پورا وشواس ہے - اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی قسمت پر صابر وشاکر ہونگے +

ساتھ ہی مجھے پورا یقین ہے - کہ اگر بے گناہی اور پاکدامنی میں کچھ طاقت ہے - تو ایک نہ ایک دن ضرور لالہ لاجپت رائے کی مصیبت کا خاتمہ ہوگا - لیکن اگر اِن کی قسمت میں یہی لکھا ہے - کہ وہ زندگی کے باقی دن اپنے وطن کی خاک پاک سے دور ہی گذاریں - تو بھی نہ ہی اِنہیں افسوس ہوگا - اور نہ ہی ہمیں ہونا چاہیئے - کیونکہ کسی قوم کا بیڑا کبھی پار نہیں ہوا - جبتک کہ اِس قوم نے اپنے پاک سے پاک اور بڑے سے بڑے آدمیوں کی قربانی نہیں دے لی +

گوکل چند

تصاویر کی غیر حاضری - گذشتہ نمبر میں جن تصاویر کے نام سرورق پر درج تھے اِن میں سے ایک بھی شامل رسالہ نہ تھی اور اب وہ تینوں تصویریں ایک ورر ہبر ملک کی تصویر کی رفاقت میں حاضر ہوتی ہیں معزز ناظرین **آزاد** نے تصاویر کی کمی کو سخت محسوس کیا اور ہمارے پاس بہت سے شکایتی خطوط پہنچے - اِس لئے ہم اپنی مجبوری بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جن تصاویر کا وعدہ کیا گیا تھا اُنکے حاصل کرنے کے لیئے سخت کوشش کی جا رہی تھی - مگر کامیابی نہ ہوئی اور اِن کی بجائے تصاویر کی تیاری کیلئے وقت بہت کم رہگیا - باوجود اِن دشواریوں کے یہ کوشش تھی کہ آزاد تصاویر سے خالی نہ رہے مگر جب تصویریں وقت پر تیار نہ ہوسکیں تو بلا تصویر رسالہ شائع کر دینا ہی مناسب سمجھا گیا - کیونکہ پیشتر ہی بہت دیر ہو چکی تھی - اور تصاویر کے انتظار کی گنجایش نہ تھی - ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی مجبوری میں ہمارا عذر قابل التفات اور لایق معافی ہے +

اوسیان کے مندر اور پردیسی پتھر

از منشی دیبی پرشاد منصف

جودھپور سے ۴۰ میل کے قریب اوسیان نام پرانا شہر اجڑا پڑا ہے جس میں اب تو کچھ تھوڑی سی آبادی نادار لوگوں کی رہگئی ہے۔ مگر پرانے مندروں کے کھنڈر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۰۰ برس پہلے یہاں بڑے بڑے دولتمند سیٹھ اور ساہوکار رہتے تھے۔ جنہوں نے لاکھوں روپیہ کی لاگت سے یہ قیمتی مندر بنوائے تھے۔ جن کی عمدہ کاریگری کو دیکھ کر اس زمانہ کے معمار اور انجنیر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ اور اگلے کاریگروں کی صنعت سنگتراشی اور اُستادی فن تعمیر کی ثنا وصفت میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔ جنہوں نے پتھروں کو کاغذ کی طرح سے تراش کر ایسا باریک اور نفیس کام کیا ہے کہ جس کے برابر اب ہونا تو درکنار۔ ٹوٹے پھوٹے کی مرمت بھی مشکل سے ہوتی ہے +

آج کل ایک جین مندر کی مرمت ساہوکاران قوم ارسوال کے چندہ سے ہورہی ہے۔ جو پردیس میں رہتے ہیں۔ اور اپنی خوش اعتقادی سے دور بیٹھے ہوئے بھی ہزاروں روپیہ اپنے دیسی مندروں کی درستی کے لئے بھیجتے ہیں۔ مرمت کیا ہے گویا ایک ٹوٹے پھوٹے میلے کچیلے مندر کا سنگار کیا جاتا ہے۔ خاص مندر کے آگے سفید اور سیاہ پتھروں کا فرش تو بیل بوٹوں سے سجا کر ایسا صاف اور شفاف بنایا گیا ہے۔ کہ جس میں مثل آئینہ کے عکس پڑتا ہے۔ اور بیچ بیچ میں دوسرے رنگ کے قیمتی پتھر جڑ کر ایسی پچیکاری کی گئی ہے۔ کہ کہیں بال کے برابر بھی درز نہیں دکھائی دیتی ۔ یہ کام اس عہد کے کاریگروں کا

ہے۔ اگلا فرش نہ ایسی صنعت کا تھا اور نہ اتنے قیمتی پتھروں کا۔ مگر جو پرانی سنگتراشی کھنڈت ہوگئی ہے۔ اُس کی جگہ نئی بنی تو ہے مگر ایسی نہیں بنی۔ ٹوٹی ہوئی مورتیوں میں جہاں کہیں جوڑ لگایا گیا ہے۔ وہاں اگلی اور پچھلی کاریگری کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ پون فٹ اونچی اور آدھ فٹ چوڑی ایک گھسی ہوئی مورت کو از سر نو کھود کر سُدھار دینے کے لئے ایک کاریگر مہینے بھر سے کام کر رہا ہے جو ۲۰ ماہانہ پاتا ہے۔ مگر ابھی تیار نہیں ہوئی ۔ اور تیار ہونے پر بھی اگلی سی صفائی اور باریکی آویگی یا نہیں یہ بات ابھی مشتبہ ہے۔ اگر ویسی نئی مورت گھڑی جاتی تو شاید دو مہینے لگتے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ پہلے اِن مندروں کے بنانے اور بنوانے والے کاریگر اور اہل دولت کیسے کیسے تھے۔ اور کتنا کتنا روپیہ ایک ایک مورت کے تیار ہونے میں صرف ہوا ہوگا ۔ ایسی مورتیں اِس مندر میں سینکڑوں ہیں۔ اور جو اُس سے بڑی ہیں۔ اُن کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے۔ مبارک تھے وہ لوگ جنہوں نے یہاں ایسے ایسے بہت سے مندر ایک دم سے بنوا دیئے تھے۔ جو اسلامی سلطنت میں مذہبی تعصب سے گرا دیئے گئے اُن میں سے یہی ایک جین مندر مہابیر سوامی کا کچھ ایسی مبارک ساعت میں بنا تھا کہ کھنڈت ہو کر بھی اتنا کچھ بنا رہا۔ کہ مرمت ہو جانے پر خوب سُدھر گیا۔ جینی لوگ بھی مبارک ہیں جو اپنے پورانے مندروں کی مرمت اور درستی میں ہزاروں روپیہ لگاتے ہیں۔ اب جو کام ہو رہا ہے دس پندرہ ہزار روپیہ سے کم کا نہیں ہے ۵۰ ماہانہ کا تو ایک داروغہ ہی اس پر مقرر ہے معمار کاریگر اور مزدور بھی بہت سے ہیں *

اِس کام میں جو سراسر قابل تعریف ہے یہ ایک بڑا نقص بھی ہے۔ کہ جو قیمتی پتھر اِس میں لگائے جاتے ہیں۔ وہ سب پردیسی ہیں اور بمبئی سے آتے ہیں یہ بڑے رنج اور افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان میں ایسے پتھروں کے ہوتے ہوئے بھی

پر دیسی پتھروں کے خریدنے میں دو چند روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ مارواڑ میں سفید۔ نیلے۔ گلابی ڈونگر پور میں سیاہ جیسلمیر میں زرد۔ بسنتی۔ جے پور میں سُرخ گوالیار میں ابری پتھروں کی اچھی اچھی کانیں ہیں۔ جن سے بنا ہوا تاج بی بی کا عجیب و غریب روضہ ایک مجسم ثبوت موجود ہے۔ اُس کو چھوڑ کر پردیسی پتھروں میں نہ جانے کیوں دیس کا روپیہ کھپایا جاتا ہے۔ میں نے کاریگروں سے اس کا سبب پوچھا۔ تو اُنہوں نے کہا کہ دیسی پتھر ایسا ملتا تو ہے۔ مگر وہ اُگھڑ (نا تراشیدہ) ہوتا ہے۔ اور ولایتی پتھر گھڑا گھڑایا آتا ہے۔ اِس پر نقاشی کرنے میں محنت کم پڑتی ہے۔ اس پر جب میں نے کہا۔ کہ دیسی ہی پر دام زیادہ لگتے ہیں۔ اور تم کو مزدوری کم ملتی ہے۔ تو اُنہوں نے کان پکڑ لیا۔ ہمارے دیسی سیٹھ جو پڑھے لکھے کم ہوتے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں کی طرف اُن کو چنداں توجہ نہیں ہوتی ہے جس سے اُن کو اپنے پرائے دیسوں کی کچھ خبر نہیں ملتی۔ اور نہ سودیشی معاملات میں مارواڑی سیٹھوں نے اب تک کوئی کارنمایاں کیا ہے۔ اِسی سے اِس مندر میں پردیسی پتھر لگتا ہے۔ اور دارد غہ جی بھی کچھ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ مجھ سے نہیں ملے۔ اگر ملتے تو ہم اُن کو سمجھاتے۔ مگر ہمارا جو منشا ہے وہ صرف اُن کے سمجھنے اور سمجھانے سے ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اُن سیٹھوں کے کان تک یہ بات نہ پہنچے۔ اور یہ سیٹھ یہاں نہیں۔ کلکتہ۔ کانپور۔ حیدر آباد۔ بمبئی۔ لاہور۔ امرتسر۔ پونہ اور مدراس وغیرہ میں ہیں۔ اور آپ کا رسالہ سب جگہ جاتا ہے۔ اِس لئے یہ مضمون آپ کی خدمت میں لبغرض اشاعت بھیجا جاتا ہے۔ اور اِس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جب حضور پرنس آف ویلز بیکانیر میں تشریف لے جانے والے تھے۔ تو ہم نے سنا تھا کہ مہاراجہ صاحب نے اُن کی خیر مقدم کے لئے جو تیاریاں کی تھیں۔ اُن کے سلسلہ

میں ایک محل کا فرش بھی بنتا تھا۔ جس کے لیے اٹلی سے کئی ہزار روپیہ کا سنگ مرمر منگایا گیا تھا۔ اُس وقت دیوان نے عرض کی تھی۔ کہ سنگ مرمر تو اپنے قریب ہی مکرانہ میں ملتا ہے۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ وہاں سے منگوانے میں اتنی ناموری نہیں ہوتی۔ اگر وہ سیٹھ لوگ بھی ایسی ہی ناموری کے بھوکے ہیں۔ تو خیر۔ ورنہ ایسے پتھر تو اپنے ہی دیس میں بہت ملتے ہیں +

مورّخ راجپوتانہ

+

سرفروش (بھنکاری پریس لدھیانہ قیمت عہ) تعلیم یافتہ جماعت میں ایک عرصہ سے ناولوں کے متعلق بحث چلی آتی ہے۔ ایک فریق ناولوں کو ترقی کا بہترین ذریعہ بتلاتا ہے کیونکہ انکے دلچسپ پیرایہ میں خیالات کی اشاعت نہایت آسانی سے ہو سکتی ہے دوسرا انہیں مخرب الاخلاق ٹھیراتا ہے کیونکہ حسن و عشق کے فسانوں بغیر ناول کی دلچسپی نہیں اور یہ فسانے جن الفاظ میں بیان کیے جاتے ہیں ان کا اثر پڑھنے والوں کے دل پر اکثر بڑا پڑتا ہے۔ وہ مصنف جو اس بحث سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ناولوں کو ایسا رنگ دیتے ہیں جس سے دونوں فریق خوش ہو جائیں حقیقت میں قدر کے مستحق ہیں۔ سرفروش میں یہ خوبیاں کسی قدر موجود ہیں۔ پرتھی راج اور شہاب الدین محمد غوری کی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہوئے راجپوتوں کی جانثاری اور قومی شہیدوں کی جان نثاری ایسے پرجوش الفاظ میں لکھی گئی ہے۔ کہ لڑائی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور بدن میں سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔ راج کنواری۔ شاشیرتا راجہ بھان والئے دیوگر (دکن) کی بیٹی کے حالات سے یہ ناول شروع ہوتا ہے۔ اور حسن و عشق کی داستان ایسے معنے خیز پیرایہ میں ادا کی گئی ہے۔ کہ پڑھنے والے کے دل پر ایک نہایت اچھا اثر چھوڑتی ہے۔ زبان البتہ کسی قدر صاف نہیں۔ جن احباب کو ہندوستان کے تاریخی واقعات سے دلچسپی ہے ان کے لیے اس کا مطالعہ سبق آموز ہوگا۔ اُردو زبان میں اس قسم کے ناولوں کی فی الحقیقت ضرورت ہے +

علمی دولت

نیر اعظم بک ایجنسی مراد آباد سے طلب کرو

(؟)ان الفوائد۔ دنیا بھر کے اوزان ناپ۔ تول شروع زمانے سے اس وقت تک کی عجیب و غریب باتیں۔ حقیقت میں دریا بکوزہ بند ہے ۸ر

تاج شاہنشاہ گان معروف بہ یکسان تحیم شاہان ایران سے لیکر آج تک کے دنیا بھر کی بادشاہتوں و ریاستوں وغیرہ کے سونے چاندی تانبے کے سکوں کی دونوں رخوں کی اصلی تصویر۔ حال وزن ماہیت اور ایک مبسوط فہرست سلاطین ہندوستان و جلال الدین اکبر کے سکوں کی دی گئی ہے . . . . . . عہ

تاج و نشان المعروف بہ تاج الملوک دو جلد کامل۔ دنیا بھر کی سلطنتوں اور ریاستوں وغیرہ کے تاج و نشان۔ قومی علم کے پھریرے۔ مونوگرام وغیرہ کی اصلی تصویر و ہیئت معہ اُن کی رنگتوں کے دکھائی ہے ۴ر

دستار و کلاہ تمام دنیا کی مختلف قسم کی پگڑی۔ ٹوپی۔ کنٹوپ۔ خود۔ شملہ و کنی پگڑیاں۔ یارسیوں کی متفرق ٹوپیاں پیری مردوں۔ لڑکوں۔ لڑکیوں اور لیڈیوں کی مختلف اوقات کی ٹوپیاں۔ تماشہ والوں کی ٹوپیاں اور ان سب کے حالات و تصویریں ۸ر

جنگ روس و جاپان ہر سہ حصص میں فرہنگ جنگ سے لیکر ایک ایک واقعہ کا تفصیلی بیان ہر ایک موقعہ کا نقشہ اور ہر ایک قسم کی تصویر تینوں حصوں میں کل تصاویر و نقشے ۵۵ و ۵۰ باب ہیں . . . عہ

مصباح الادب پند و حکمت کے گوہر معنی خیز اخلاقی حکائتیں شاعر اور ق ہمعصر حافظ شیرازی کے شباب نامے کا اردو ترجمہ۔ دنیا کی سات اور زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ لندن کے کتب خانے میں یعنی انڈیا آفس میں موجود ہے بطور عجائب ۸ر

عدد التاریخ معروف بہ زنبیل تاریخی ۲ کے عدد سے دو ہزار تک کے تاریخی الفاظ۔ فقرات۔ محاورات۔ ضرب الامثال۔ حدیث۔ نام وغیرہ کئی لاکھ موزون ہر قسم کے تاریخی مادے درج ہیں ❖

طغرا معروف بہ نقش حیرت۔ قدیم و جدید ہر قسم کے تین سو نایاب طغری ایک ایک صفحہ تقطیع کلاں۔ ۱۴ر

ة السلوک فلسفہ اور حکمت کو لئے ہوئے کئی جز تک مصطلحات صوفیہ کی تشریح کی گئی ہے۔ عہ

کلمات طیبات سلیس فارسی حضرت غوث پاک مرزا مظہر جان جاناں شہید قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح کے مکتوبات۔ ملفوظات نصائح وصایا و ترجمہ اسرار العارفین۔ شیخ شہاب الدین سہروردی ضم ہیں . . . . عہ

احسن الاذکار فی مناقب غوث الابرار۔ حضرت غوث پاک کی مفصل سوانح عمری کرامات اور حالات حسب و نسب۔ مناقب صحیحہ خوارق عادات وغیرہ . . . . . . عہ

آزاد رہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل

آزاد

مرتبہ بشن سہگل آزاد

جلد ۲ | اگست ۱۹۰۷ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

قیمت سالانہ قسم اول ہے قسم دوم عا قسم سوم (بلا تصویر) عہ معہ محصول ڈاک

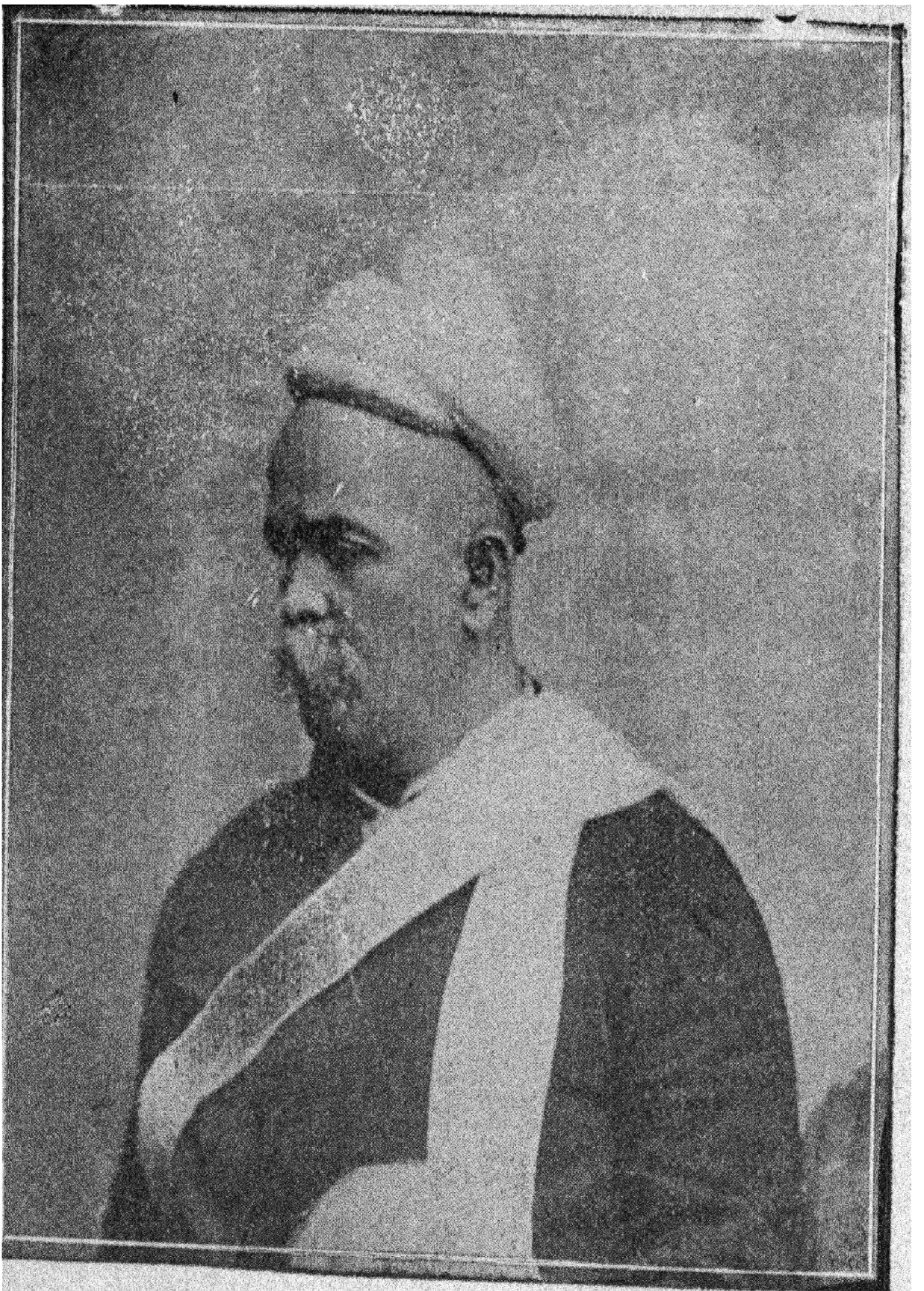
آزاد پریس لاہور میں چھپکر مالک کے اہتمام سے شایع ہوا

قیمت فی کاپی نمبر اول ۸ر قسم دوم ۶ر قسم سوم ۲ر



Late Raja Ravivarma.

C. S. P.



M. G. Ranade.

C. S. P.

آزاد

غریب الوطن

از منشی تلوک چند محروم

وطن کی یاد میں ہوں بے قرار غربت میں
کوئی رفیق نہ مونس نہ یار غربت میں
قدم کو چومنے آتے ہیں خار غربت میں
بغیر اس کے نہیں کچھ وقار غربت میں
جگر کے داغ ہوئے لالہ زار غربت میں
یہی ہے جوشش فصل بہار غربت میں
دیار غیر کو **پنجاب** ہم بنا دیں گے
ہوئے ہیں دیدۂ تر اشکبار غربت میں
جو دن پہاڑ سا ہے رات اس سے بھاری ہر
کٹیں تو کس طرح لیل و نہار غربت میں
جگر سے ہوک اُٹھی - آہ جبکہ یاد آیا

عروس صبح وطن کا نکھار غربت میں
کسی کا سرمۂ دنبالہ دار دیکھ کے ہم
ہیں کھاتے قلب و جگر پر کٹار غربت میں
ہے یاد آتی وہ شبنم وطن کے باغوں کی
غریب روتے ہیں زار و قطار غربت میں
بندھی ہے رشتۂ یادِ وطن میں اے ہمدم
کہاں نکلتی ہے جانِ نزار غربت میں
نسیم صبح اُٹھا کر وطن کو لے جانا
خراب ہو نہ ہمارا غبار غربت میں
وطن کا یار کبھی کوئی شاذ آ نکلے
ہیں کب سے بیٹھے سرِ رہگذار غربت میں
کہاں وہ بزمِ رفیقاں! وہ محفلِ یاراں
حواس کو بھی ہوا انتشار غربت میں
جو تیغِ حُبِ وطن سے وطن میں کھائے تھے
ہوئے ہیں زخم وہی آشکار غربت میں
وطن تجھے بھی ہمارا ہے درد سچ کہتا
ہیں تیرے غم میں تو ہم سوگوار غربت میں
ق نسیم! کون کرے اپنی قاصدی تجھ بن
ہے صبح و شام ترا انتظار غربت میں
پیامِ مرگ ہمارا وطن میں دے دینا
نہیں ہے زیست کا کچھ اعتبار غربت میں

زمانہ قومی حاجات سے واقف ہو چلا تھا۔ اِس لئے نئی صدی کے آغاز سے بعض افراد نے سیاسی امُور میں دلچسپی لینا چاہا۔ اور لکھنؤ میں اکثر اہل الرائے نے بسرکردگی مولوی مشتاق حسین صاحب محمڈن پولٹیکل ایسوسی ایشن کی ضرورت پر غور کیا۔ مجوزہ ایسوسی ایشن کے متعلق عرصہ تک اخبارات میں رائے زنی ہوتی رہی۔ اور وہ پھر ایسی غائب ہوئی۔ کہ گویا ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اِس کے بعد خوفناک خاموشی کا عالم طاری رہا۔ اور زمانہ تک کسی مسلمان نے کوئی پولٹیکل خواب نہ دیکھا۔ اِس دوران میں تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ذاتی تجربہ کرلیا۔ کہ سیاسی کوششوں سے علیحدہ رہنے میں مسلمانوں نے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ بالعوض نقصان ہی میں رہے۔ اِس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد پھر باسی کڑھی میں اُبال آیا۔ اور چار طرف سے ایک پولٹیکل مجلس کی ضرورت ظاہر کی گئی۔ نواب محسن الملک بہادر کو واقعی زمانہ شناسی کا خاص ملکہ ہے مسلمانوں کا اس طرف رُحجان دیکھکر اور یہ سمجھ کر کہ اب اِن کے خلاف چلائے نہیں چل سکتی آپ نے مشہور و معروف "ڈیپوٹیشن" کی تیاری کی اور اُس کی کامیابی کے بعد ڈھاکہ میں اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر "آل انڈیا مسلم لیگ" ظہور پذیر ہوئی۔ اِس مختصر سرگذشت سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے پالٹیکس میں کس طرح اور کس قدر حصہ لیا ہے۔ مسلم لیگ سب سے آخری صورت ہے۔ جو اُن کے پولٹیکل خیالات نے اختیار کی ہے لیکن جوش ناعاقبت یا جلدبازی میں جو کام کیا جاتا ہے۔ اُس کے نتائج کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے۔ یہی کیفیت مسلم لیگ کی ہے +

کانگرس کی مخالفت کے خیال سے اِسے جس قدر جلد ممکن تھا معرض وجود

میں لایا گیا۔ اور اُس کے جو مقاصد قرار دیئے گئے۔ اُن سے اعلےٰ درجہ کی تنگ نظری اور پست خیالی کا ثبوت ملتا ہے۔ لیگ کے کل تین اغراض ہیں۔ جن میں سے ایک جو گورنمنٹ کی وفاداری کے متعلق ہے۔ اُس سے قطع نظر کرکے دیکھئے تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس لیگ کے بانیوں نے

محض نوکری کو ترقی کا آخری درجہ قرار دیا ہے

حالانکہ انصاف سے دیکھئے تو اس زمانہ میں مسلمانوں کو صرف یہی ایک ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ بہ نظر حالات موجودہ اُنہیں اپنے پولٹیکل پروگرام کو بہت وسیع کرنا چاہیئے تھا۔ ہندوستان میں بہت سی باتیں اصلاح طلب ہیں۔ اُن کی طرف سے چشم پوشی کرکے اپنی مجموعی قوت ڈپٹی کلکٹری یا تحصیلداری کے عہدوں کے حاصل کرنے میں صرف کرنا کوئی دانشمندانہ فعل نہیں ہو سکتا +

مسلم لیگ کے مقاصد میں اس امر کا کہیں پر اشارۃً یا کنایۃً ذکر نہیں پایا جاتا۔ کہ اُن مسایل کے متعلق جن کا اثر ہندو اور مسلمانوں پر یکساں پڑتا ہے اور جن کی طرف بظاہر گورنمنٹ عالیہ برطانیہ بغیر ان دونوں اقوام کی متفقہ عرضداشت کے متوجہ نہیں ہو سکتی۔ کیا انتظام کرنا چاہتی ہے۔ مثلاً تخفیف محصول نمک۔ تخفیف کاشت افیون۔ تخفیف اخراجات فوج۔ تخفیف انکم ٹیکس و مالگزاری وغیرہ۔ اِن کے علاوہ بعض اہم امور ایسے جو

ہماری فوری توجہ کے محتاج ہیں

ممالک غیر خصوصاً ٹرانسوال و اسٹریلیا میں ہندوستانیوں پر جو خلاف عقل و انصاف [redacted] کی گئی ہیں۔ اُن کے دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنا

قومی حمیت کے لحاظ سے پہلا فرض ہے۔ وزیر ہند کی تنخواہ کا برٹش اسٹیمیٹ میں شامل کرانا بھی ازبس ضروری ہے۔ انتظامی اور عدالتی اختیارات کی علیحدگی کے لئے ہم عرصہ تک خاموش نہیں رہ سکتے۔ افسوس ہے کہ ان باتوں کی طرف بانیانِ لیگ نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے اُن امور کو قابل غور خیال نہیں کیا یا وہ ان کے بارہ میں گورنمنٹ سے عرض معروض کرنا پسند نہیں کرتے۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لیگ کے مقاصد اس درجہ غیر مکمل رہنے اور اُس کے بہت بڑی حد تک غیر مفید ہونیکے اسباب وعلل کیا ہیں ہمکو اس مختصر مضمون میں کسی تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ سب سے بڑی وجہ اس کی ہمارے خیال ناقص میں یہ ہے کہ لیگ کے مشیران باتدبیر میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ

سیاسی ذمہ داریوں کے کفیل ہوسکیں

مسلمانوں کی جانب سے دو مرتبہ پولیٹیکل ایسوسی ایشن قائم ہوئی اور دونوں دفعہ اُس کی رہبری اور رہنمائی کا بار نواب وقار الملک بہادر پر ڈالا گیا دوسرے لیڈر ایک حیثیت سے علیحدہ ہی رہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں پولیٹیکل اہل الرائے کس قدر کم ہیں یا کم از کم وہ پولیٹیکل جد وجہد سے کتنا بچتے ہیں۔ مسلمانوں سے اس جگہ ہماری مراد وہ گروہ اہل اسلام ہے جو کانگرس کا مخالف اور مسلم لیگ کا ہمدرد ہے ورنہ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں من حیث القوم قطعاً پولیٹیکل لیڈر موجود نہیں۔ مسٹر بدرالدین طیب جی مرحوم مسٹر رحمت اللہ سیانی مرحوم۔

ملا عبد القیوم مرحوم کے کارناموں کو واقعات ماضی سمجھ کر قابل وقعت نہ خیال کیا جائے تاہم آنریبل نواب سید محمد وغیرہ اصحاب کے موجود ہوتے ہوئے مسلمانوں کی پولٹیکل رموز شناسی سے انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ یہ لوگ کانگرس کے شریک ہیں۔ اور بدقسمتی سے ان کے بے غرضانہ مشوروں سے لیگ مستغنی ہے +

ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ چونکہ لیگ کا قیام بہت سے رہبران اسلام کے منشا و مرضی کے خلاف ہوا ہے (چاہے اس کا اظہار نہ کیا جائے۔) اس وجہ سے اُنہیں اس کے ساتھ وہ ہمدردی و محبت نہیں ہو سکتی جو اس کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے۔ لیگ کو ابھی نیا جنم لئے ہوئے دو چار مہینہ بھی نہ گذرے تھے۔ کہ اخباروں میں یہ خبر گشت کرنے لگی۔ کہ

نواب محسن الملک بہادر بالقابہ نے اُس سے قطع تعلق کر لیا +

بھلا جب نواب صاحب ایسے سرگرم رکن قوم کی طرف سے ایسا فعل ظہور میں آئے۔ تو دوسروں کی کوئی کیا کہے +

سطور بالا کے مطالعہ و غور کے بعد یہ امر دریافت طلب رہجاتا ہے کہ مسلم لیگ کو کیا کرنا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب ہم نہایت اختصار کیساتھ یہ دینا چاہتے ہیں کہ سب سے انسب طریقہ بانیان لیگ کے لئے یہ ہے۔ کہ وہ اُسے

کانگرس میں ضم کریں

اور جو کام وہ لیگ سے لینا چاہتے ہیں۔ وہ کانگرس سے لیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ کانگرس باوجود اُن کی طوطا چشمی کے اُن کے فوائد و حقوق کی نگہداشت کرتی رہتی ہے۔ اور اگر "معاملات مخصوص بہ اہل اسلام" کے لئے مسلمان یا علیگڈھ

پارٹی اِس کا قیام ضروری سمجھتی ہے۔ تو دوایک اصلاح اُس کی فلاح و ترقی کے لیے لابُدی سمجھنی چاہیئے +

بانیانِ لیگ کو کانگرس کے بارہ میں معاندانہ خیالات اپنے دل سے بالکل نکالدینا چاہیئے۔ اور مفید عام مسئلوں پر کانگرس کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیئے بظاہر لیگ کے مقاصد میں یہ بات دکھائی گئی ہے۔ کہ وہ دوسرے فرقوں کی مخالفت سے واسطہ نہ رکھیگی۔ لیکن عمل اِس کے برخلاف ہے۔ بزعم خود لیگ کو کانگرس ایسی باعظمت مجلس کا مدِمقابل سمجھکر موخرالذکر کو بُرا بھلا کہنے میں کچھ اُٹھا نہیں رکھا جاتا۔ آیندہ اِس قسم کی

سستم ظریفی سے توبہ کرنا چاہیئے

لیگ کی رہنمائی کا حق اُن لوگوں کو ہرگز نہ حاصل ہونا چاہیئے۔ جن کی دماغی قوت پولٹیکل باریکیاں سمجھنے میں قاصر ہے۔ یا جن کی کہنہ طرز تعلیم اِس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ نیک نیتی اور حقیقی آزادی کے ساتھ حقوق کے لیئے جدوجہد کی جائے۔ مولوی مشتاق حسینؔ صاحب نے قیام لیگ کے موقع پر جو تقریر کی تھی۔ اُس میں نوجوانوں کو پالٹیکس سے جُدا رہنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ لیکن صاحب موصوف اُس وقت شاید یہ بات بالکل بھول گئے تھے۔ کہ خود لیگ نوجوانانِ قوم کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اُس سے پیشتر بزرگانِ قوم نے محافظت حقوق کے متعلق کونسی سعی کی تھی کتنے تعجب کی بات ہے۔ کہ انگلستان کی عورتیں ووٹ دینے کی حقدار بننے کیواسطے جانیں لڑا دیں۔ اور مسلمانوں میں مردوں کی یہ ہمت نہ پڑے۔ کہ گورنمنٹ سے جس کی منصف مزاجی و انصاف پسندی کا زمانہ قایل ہے۔ اُن حقوق کا مطالبہ کریں ــ جن کے لیئے وہ متعدد دفعہ وعدہ فرما چکی ہے۔ اور جن کا حاصل کرنا کسی طرح عقل سلیم

کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ مختصر یہ کہ وہ بزرگ جو بالطبع سیاسی کاموں سے بچنا چاہتے ہیں۔ لیکن بظاہر شاید لیڈر بننے کے شوق میں وہ ہر طرح کی ذمہ واری قبول کرلیتے ہیں۔ لیگ کے کاموں کے نگران کا بنائے جانے سے معاف رکھے جائیں۔ یا کم از کم اِس بارہ میں محض اُنہیں کے مشوروں پر نہ قناعت کی جائے +

اِن کے علاوہ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اسی ضمن میں بیان ہوسکتی ہیں لیکن ہم اُنہیں بخیال طوالت قلم انداز کرتے ہیں۔ سچ پوچھو تو یہی باتیں ہمارے مضمون کا لب لباب ہیں۔ اگر اِن پر عمل کرنے کی کوشش صدق نیت سے کی گئی تو خیر ورنہ موجودہ صورت میں لیگ کا قیام کسی طرح مستحسن نہیں۔ بلکہ ایک حیثیت سے ہندوستان کی قومیت کے لئے ضرر رساں ہے۔ اور موخرالذکر کوئی خیرخواہ ملک اُس کی ترقی و کامیابی کا متمنی نہیں ہوسکتا +

سید محمد فاروق

رباعی

شاہا ہے لاجپت ہمارا ہم کو　　شیدائے وطن ہی جاں سے پیارا ہم کو
فریاد ز دست جورِ نا انصافی　　کس جرم پہ پائنیر نے مارا ہم کو

قطعہ

بچپن میں دیکھ مجھ کو کہتے تھے لوگ اکثر　　چھوڑا اگر قضا نے کچھ ہونہار ہوگا
تقدیر سے کوئی بھی واقف نہ تھا جو کہتا　　ہوکر بڑا جہاں میں کمبخت خوار ہوگا

محروم

تیرتھ جاترا

از پنڈت مادھو رام بی۔ اے وکیل

چوں بہ دُکاں خانہ درگروی
هرگز اے خام آدمی نشوی

سیرو سیاحت کی ضرورت کو اہل ہند قدیم زمانہ سے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ اور چونکہ ان کا ہر ایک کام مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے سیر کو تیرتھ جاترا کا نام دیکر مذہبی فرایض میں داخل کر دیا۔ خوش قسمتی سے اُنہوں نے تیرتھ جاترا کے لئے ایسے خوبصورت مقامات تجویز کئے۔ کہ جہاں جانے سے انسان قدرت کا نظارہ اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ اور روحانی تفریح حاصل کر سکتا ہے۔ روحانی تفریح کے لئے پہاڑ اور دریا کا نظارہ بالکل لاثانی ہے۔ اس لئے ہندوؤں کے جس قدر تیرتھ ہیں۔ وہ سب دریاؤں کے کنارے پر یا پہاڑوں کے دامن یا چوٹی پر واقع ہیں۔ متبرک مقامات میں ہردوار پر گنگا۔ متھرا بندرابن میں جمنا۔ الہ آباد میں گنگا اور جمنا۔ بنارس میں گنگا۔ اجودھیا میں سرجو۔ ناسک میں گوداوری کی لہریں آزردہ دلوں اور تھکے ہوئے دماغوں کو شانتی دیتی ہیں۔ اسی طرح نربدا۔ تنگ بھدرا اور دیگر دریاؤں پر بھی کئی تیرتھ واقع ہیں۔ جہاں سال بسال ہزاروں لوگ جاتے ہیں۔ اپنے خیالات کے مطابق تھوڑی بہت خیرات کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے لئے دنیاوی جھگڑوں سے فرصت حاصل کرتے ہیں۔ بمبئی احاطہ میں دوارکا۔ مدراس احاطہ میں رامیشورم۔ بنگال احاطہ میں جگن ناتھ پوری سمندر کے کنارے پر واقع ہیں۔ اور سمندر کی وسعت کے

سامنے انسان کی بے وقعتی ثابت کرتے ہیں۔ کشمیر میں امرناتھ۔ ضلع کانگڑہ میں دیوی کا بھون۔ ہردوار سے اوپر بدری ناتھ اور کدارناتھ جی کا مندر پہاڑی نظارہ دکھانے کے لئے کافی ہیں۔ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں بھی بہت سے متبرک پہاڑی مقامات موجود ہیں۔ یہ مقامات ایسے وقت میں متبرک قرار دیئے گئے تھے۔ جبکہ ہماری قوم زندہ تھی۔ اور لوگ سیر و سیاحت سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اگر کوئی شخص امرناتھ کو جاتا تھا۔ تو تمام کشمیر کی سیر کر لیتا تھا۔ اگر جگن ناتھ کو یا دوارکا یا سیت بندر امیشور کو جاتا تھا۔ تو تمام ملک کی حالت دیکھ لیتا تھا۔ مگر جوں جوں لوگوں کی زندگی میں سے گیان کا جزو جاتا رہا۔ تیرتھ جاترا کا مطلب خبط ہوتا گیا۔ اور بجائے اِس کے کہ لوگ تیرتھ جاترا سے اخلاقی فائدہ اُٹھاویں۔ اُن کی اب صرف یہ غرض رہ گئی ہے۔ کہ فرض ادا کرنے کے لئے وہاں جائیں۔ اور بزرگوں کے نام پر رسوم ادا کر کے، واپس آ جائیں۔ تاہم اب بھی تیرتھ جاترا کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ اور چند دن کے لئے گھر کے تفکرات سے رہائی نصیب ہوتی ہے۔ انگریزی خوان لوگ نہ گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے۔ اُن میں پرانے فیشن کے لوگوں کا سا اعتقاد نہیں۔ اِس لئے اُن کو تیرتھ جاترا سے کچھ دلچسپی نہیں۔ اور نہ تکلیف اُٹھا کر کوئی کام کر سکتے ہیں پُرانے فیشن کے لوگ تیسرے درجہ کی ریل گاڑیوں میں اور گھوڑے گاڑیوں میں سوار ہو کر سینکڑوں کوس جاتے ہیں۔ اور اپنے خیال کے مطابق فرض مذہبی پورا کرتے ہیں۔ مگر ہمارے بابو صاحب نہ تیسرے درجہ میں سوار ہو سکتے ہیں۔ نہ کھانے پینے کی تکلیف برداشت کر سکتے ہیں۔ اِس لئے جب تک کہ کوئی شخص زیادہ امیر نہ ہو وہ ملک کی سیر سے اکثر محروم رہتا ہے۔ امیر آدمی بھی اپنی عادات سے مجبور ہیں۔ اور سیر کے لئے گھر سے باہر بہت کم جاتے ہیں۔ تعجب ہے

کہ ایسے خوبصورت ملک میں رہیں۔ اور اُس کے دیکھنے کو جی نہ کرے۔ ساتھ ہی لطف کی یہ بات ہے۔ کہ اس ملک میں اب تک کرایہ۔ مزدوروں کی اُجرت۔ اور کھانے پینے کا سامان بمقابلہ اور ملکوں کے سستا ہے۔ اور بوجہ ریل کے آج کل ہم آسانی سے ہر ایک خوبصورت مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں ریل نہیں وہاں ٹانگہ اور گھوڑا پہنچ سکتا ہے ٭

ہندوستان کے ہر ایک صوبہ میں خوبصورت مقامات موجود ہیں۔ کشمیر کو ہی دیکھ لیجئے۔ راولپنڈی سے کشمیر کا دارالخلافہ سری نگر دو سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک شخص تیس یا پینتیس روپیہ دیکر ٹانگہ پر دو دن میں راولپنڈی سے سری نگر پہنچ سکتا ہے۔ مگر اس تیز سفر میں کچھ لطف نہیں آتا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ کوہ مری سے یکہ پر اسباب رکھا جائے۔ اور جہانتک ہو سکے۔ آپ پیادہ سیر کریں۔ اگر تھک جائیں تو یکہ پر سوار ہوں۔ راستہ میں کوہالہ سے بارامولا تک سڑک اور دریا قریباً ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ہوا خوشبو دار ہوتی ہے۔ اور بعض بعض جگہ ایسی خوبصورت آتی ہے۔ کہ وہاں سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ دو میل کے مقام پر سڑک دریائے جہلم کے پاس ہے۔ وہاں جہلم میں دریائے کشن گنگا شامل ہوتا ہے۔ یہ نہایت خوبصورت نظارہ ہے اور دونوں دریاؤں کے مقام اتصال پر نہا کر طبیعت کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے بارامولا سے سری نگر تک سڑک پر سفیدہ کے شاندار درخت نصب ہیں۔ اُن میں سے گزرتے ہوئے بڑا لطف حاصل ہوتا ہے۔ شہر سری نگر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ ایک طرف سے دوسری طرف جانیکے لئے پُل بنے ہوئے ہیں۔ جن کو کشمیری زبان میں کدل کہتے ہیں مثلاً امیران کدل وغیرہ دریا میں کشتیاں ہر طرح کا اسباب لئے پھرتی ہیں۔ آپ جو چاہیں خریدلیں۔ آپ

سرِ شام کشتی میں سوار ہو کر دریا کی سیر کریں۔ دونوں طرف مکانات پر چراغ روشن ہوتے ہیں۔ بعض کا عکس دریا میں پڑتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کسی جادو بھری جگہ میں ہوا خوری کر رہے ہیں۔ دریا سے ایک نالے میں سے گذر کر کشتی ڈل نامی جھیل میں داخل ہوتی ہے۔ یہ پانی کا ایک وسیع قطعہ ہے۔ جس میں کچھ کاشت بھی ہوتی ہے۔ اُس کے چاروں طرف شاہی باغات مثلاً نسیم باغ۔ شالامار باغ اور نشاط باغ موجود ہیں۔ اور جہانگیر اور نور جہان کے زمانہ کی یاد دلاتے ہیں۔ سری نگر کے سر پر شنکراچارج کی پہاڑی ہے۔ جس کی چوٹی پر شوجی کا ایک مندر واقع ہے۔ یہاں سے شہر اور اُس کی قرب وجوار کا نظارہ خوب دکھائی پڑتا ہے۔ یہ مندر اتنی بلندی پر ہے۔ کہ دس پندرہ میل تک جدھر جاؤ شنکراچارج سامنے موجود ہے۔ سری نگر سے کشتی میں سوار ہو کر پام پور۔ اونتی پور۔ سنگم۔ بیج بہاڑہ (یہ مقام بودھ مت کے زمانہ میں وِدیا دھار کے نام سے مشہور تھا۔ اور غالباً وہاں بودھ مت کے فقیروں کا مٹ تھا) اور اسلام آباد عرف کھنہ بل کے راستہ سے ویری ناگ۔ اچھبل اور مٹن کی سیر ہوتی ہے کشتی صرف اسلام آباد تک جاتی ہے۔ اُس سے پرے گھوڑے کی سواری پر فاصلہ طے ہو سکتا ہے۔ ویری ناگ کا چشمہ دریائے جہلم کا منبع ہے۔ اور پہاڑی کے عین نیچے واقع ہے اِس چشمہ کے اردگرد پختہ عمارت ہے۔ یہاں سے نکلکر پانی باغ میں سے ہوتا ہوا باہر جاتا ہے۔ اور بڑے شور کے ساتھ زمین پر گرتا ہے اور رفتہ رفتہ دریائے جہلم کی شکل اختیار کر کے کشمیر اور پنجاب کو سیراب کرتا ہے۔ ویری ناگ واقعی ایک خوبصورت مقام ہے۔ اور چاندنی رات میں اِس کا لُطف دوبالا ہوتا ہے۔ ستمبر کے مہینہ میں اُس کے آس پاس سیب اور ناشپاتی کے درخت پھل سے بھرپور ملتے ہیں۔ ویری ناگ سے قریباً پندرہ کوس پر اچھبل

کا چشمہ ایک پختہ مکان کے احاطہ میں واقع ہے۔ وہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر مٹن یا بھون واقع ہے۔ راستہ میں ایک عظیم الشان مندر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان کی عقل چکر کھاتی ہے۔ مٹن میں ایک متبرک باولی ہے۔ جس میں بے شمار مچھلیاں موجود ہیں۔ اِس باولی سے نکلکر پانی باہر جاتا ہے۔ اُس کی سُریلی آواز چنار کے عظیم الشان درختوں کے سایہ میں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ کشمیر میں چاروں طرف خوبصورت منظر موجود ہیں۔ اگر انسان کے پاس کافی فرصت اور روپیہ ہو۔ تو وہاں کی سیر ضرور کرنی چاہیئے +

کشمیر کو چھوڑیئے۔ متھرا بندرابن میں آیئے۔ چاروں طرف کرشن ہی کرشن کا نام سنائی دیتا ہے۔ مگر سوائے جمنا کے کنارے کے قدرت کا نظارہ وہاں آجکل بالکل خوبصورت نہیں۔ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں جنگل کو بدنما بنا رہی ہیں کشمیر یوں کی خوبصورتی کے مقابلہ میں متھرا بندرابن میں خوبصورتی کا نام نہیں۔ نہ معلوم قدیم زمانہ میں وہاں کی گوپیاں خوبصورت تھیں یا نہیں۔ مگر بندرابن کے مندر واقعی لاثانی ہیں۔ سیٹھ جی کا مندر کیا ہے قلعہ ہے۔ اُس کی عظمت دیکھنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ لالہ بابو کا مندر اور لال بہاری شاہ کا مندر بھی قابل دید ہے۔ لال بہاری شاہ کے مندر میں سنگ مرمر کے ستون ایسے خمدار ہیں۔ کہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ قدرتی خم ہے یا کسی کاریگر نے خم دیا ہے۔ مگر سب سے دلچسپ مندر راجہ مان سنگھ کا ہے۔ یہ سنگ سُرخ سے بنا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ پہلے اس کی کئی منزلیں تھیں۔ مگر اب صرف دو منزلیں باقی ہیں۔ پتھر کے ساتھ پتھر ایسی صفائی سے ملایا ہے۔ کہ عقل دیکھکر حیران ہے۔ پتھر کے وزن دار ٹکڑے اِس عمارت کی بلندی پر پہنچائے گئے ہیں۔ اور کُل تعمیر زبان حال سے کہتی ہے۔ کہ اہل ہند کی لیاقت کے اظہار کے لیئے موقع کی ضرورت ہے۔ اگر موقع ملے۔ تو ان کی لیاقت اعلےٰ درجے کی

ثابت ہو سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ خوبصورت مندر اب غیر آباد ہے۔ اور کوئی شخص اُس میں جھاڑو تک نہیں دیتا ✦

دہلی کا قلعہ اور قطب صاحب کی لاٹ۔ آگرہ کا قلعہ اور روضہ ممتاز محل کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ سیاحوں اور شاعروں نے اُن کی جو تعریف کی ہے بجا ہے۔ جس شخص نے آگرہ کا روضہ نہیں دیکھا۔ اُس کی تعلیم واقعی ادھوری ہے ✦

الہ آباد میں وہ مقام جہاں گنگا اور جمنا کا میل ہوتا ہے۔ ایک دلکش جگہ ہے یہ قلعہ کے پچھواڑے واقع ہے۔ بہت دور تک جمنا کا پانی گنگا کے پانی سے جدا جدا چلتا ہے۔ کشتی میں بیٹھکر وہاں سیر اچھی ہوتی ہے۔ قلعہ میں راجہ اشوک کے وقت کا ایک ستون کھڑا ہے۔ جس پر قدیم زمانہ کی زبان میں کچھ تحریر موجود ہے ✦

بنارس دریائے گنگا کے کنارہ پر آباد ہے۔ دریا پر بہت سے گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں سے منی کرنیکا گھاٹ بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ صبح کے وقت ہزاروں مرد اور عورت اِن گھاٹوں پر اشنان کرکے اپنی سمجھ میں بہت ثواب حاصل کرتے ہیں۔ صبح اور شام کشتی میں دریا کی خوب سیر ہوتی ہے۔ بنارس میں کوئی خوبصورت مندر نہیں۔ مگر قدیم مندر کئی ہیں۔ مثلاً بشوناتھ کا مندر۔ انّپورنا کا مندر۔ مان مندر وغیرہ۔ بشوناتھ کے اصلی مندر کی جگہ اورنگ زیب کی مسجد موجود ہے۔ پرانے مندر کے نشانات باقی ہیں۔ مگر اب اس کے پاس دوسرا مندر بشوناتھ کا بنگیا ہے۔ جہاں بے شمار مرد اور عورت اپنی مرادیں لیکر جاتی ہیں۔ اِن کی کامیابی کا حال اِن کو ہی معلوم ہوگا۔ مان مندر میں چند پتھروں پر علم ہیئت کے نقشے کھچے ہوئے ہیں۔ مگر اِن کو چند عالموں کے سوا آج کل کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ بنارس سے کچھ فاصلہ پر صوبہ اودھ میں فیض آباد کے قریب اجودھیا

کا قدیم تیرتھ دریائے سرجو کے کنارے پر واقع ہے - اس جگہ راجہ رام چندر جی کی زندگی کے مختلف واقعات کی یاد میں کئی عالیشان مندر ہیں - اُن کے جنم استھان کی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے - اور ہندوؤں کی ذلت ثابت کرتی ہے - ہنومان کے نام ہنومان گڑھی موجود ہے - اجودھیا میں راجہ صاحب کے مکانات کے سوا رونق کم ہے - بہت سے مندر غیر آباد ہیں - مگر سرجو کے کنارہ پر دل لگی اچھی ہوتی ہے +

اودھ میں گومتی کے کنارہ پر لکھنؤ بھی قابلِ دید شہر ہے - انگریز لوگ بیلی گارد اور ریزیڈنسی کو دیکھکر غدر کے زمانہ کو یاد کرتے ہیں - ہندو مسلمان دونوں امام باڑوں کے مکانات کو دیکھتے ہیں - پاس ہی وہ مکان ہے جہاں اودھ کے نوابوں کی آدم قد تصویریں رکھی ہیں - اِن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے - کہ عیش و عشرت نے کیا کام کیا ہے - اور سخت مزاج نوابوں کے سامنے واجد علیشاہ کی شکل کیسی بانکی ہے +

بنگال میں سب سے دلچسپ جگہ کلکتہ ہے - جہاں کا عظیم الشان عجائب گھر - چڑیا گھر - ایڈل گارڈن اور شب پور کالج کے پاس کا باغ - دریائے گنگا میں جہازوں اور کشتیوں کی رونق اور مختلف بھیڑوں کا لطف ہر ایک انسان کو کئی دن تک مشغول رکھ سکتا ہے - بمبئی میں کلکتہ کے مقابلہ کی کوئی چیز نہیں - مگر وہاں سمندر کا نظارہ ایسا ہے - جو کلکتہ کو نصیب نہیں - آپ شام کو اپالو بندر پر جائیے - وہاں سمندر کی فصیل کے پاس نیچے بیٹھکر پانی کی وسعت کا ملاحظہ فرمایئے - کشتیاں آتی ہیں - جہاز جاتے ہیں - چاروں طرف رونق ہو رہی ہے +

اپالو بندر کے قریب کئی عالیشان ہوٹل موجود ہیں - بمبئی سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ میں ایلیفنٹا کیوز Elephanta Caves

ہیں - جہاں قدیم زمانہ میں کسی سنگ تراش نے کورو پانڈو اور اُن کے متعلقین کی آدم قد خوبصورت مورتیں بڑی کاریگری سے پہاڑی پتھر کی بنائی ہیں - پہاڑ میں کئی بڑے کمرے بنائے ہوئے ہیں - اور اُن کے در و دیوار میں یہ مورتیں کھدی ہوئی ہیں - اِن کو دیکھکر ہندوؤں کی کاریگری اچھی طرح معلوم ہوتی ہے یہ مورتیں اب تک موجود ہیں +

بمبئی میں یورپ کے ساتھ تجارت کی وجہ سے بڑی رونق ہے کسی شخص کو آپ سے بات کرنے کی فرصت نہیں - کلکتہ میں لوگ بمقابلہ بمبئی والوں کے زیادہ خوش خلق ہیں +

بمبئی سے ایک رات اور ایک دن کے فاصلہ پر حیدر آباد دکن واقع ہے - یہاں حسین ساگر اور میر عالم نامی جھیلیں بڑی خوش نما ہیں - ریل کی سڑک دور تک حسین ساگر کے پاس پاس جاتی ہے - شہر سے باہر ایک بلندی پر حضور نظام کی کوٹھی موسومہ فلک نما لاثانی ساز و سامان سے آراستہ ہے - حیدر آباد میں بازار اور معمولی لوگوں کے مکانات دلچسپ نہیں - مگر امرا کے مکانات کی آرایش نہایت اعلےٰ درجہ کی ہے +

حیدر آباد سے ایک دن ایک رات کے سفر کے بعد شہر مدراس آتا ہے میں تین چار دن وہاں رہا - مگر بوجہ بارش بے لطفی رہی - اور شہر کے دیکھنے کا موقع نہ ملا +

میں نے ہندوستان کے چند مقامات کا حال جن کو میں نے خود دیکھا ہے - مختصراً بیان کر دیا ہے - مگر اُن کے سوا اور بھی بہت سے خوبصورت مقامات ہیں جن کو دیکھنے سے ہر ایک انسان کی تاریخی معلومات بڑھ سکتی ہیں - مگر افسوس ہے کہ ہمارے لوگ سیر و سیاحت کا شوق کم رکھتے ہیں - اِسی وجہ سے اُن کی مالی -

جسمانی اور دماغی حالت اچھی نہیں - انگریزوں کی طرف دیکھئے - کوئی شمالی قطب کی تلاش میں جاتا ہے - کوئی قطب جنوبی کی تلاش میں روپیہ اور جان ضایع کرتا ہے کوئی پنجرے میں بند ہو کر وسط افریقہ کے بندروں کی بولی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے - کوئی مصر کے میناروں پر چڑھتا ہے - کوئی سمندر کی تہ میں جاتا ہے - کوئی قدیم ویران شہروں کی مٹی کھدواتا ہے اور تاریخی واقعات معلوم کرتا ہے - اُن کے مقابلہ میں امیر اور ذی عقل ہندوستانی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں - کسی کا ہاضمہ اچھا نہیں - کسی کی چھاتی کمزور ہے - کسی کی بینائی میں فرق ہے - مگر ہمت والے ایسے کہ دن رات شطرنج اور تاش کھیلتے رہیں - کیا مجال کہ تھک جائیں +

اے اہل ہند - جاگو اور اُٹھو - اور اپنے ملک کی سیر کرو - باہر جاکر یورپ امریکہ اور جاپان کی سیر کرو - ہمت حاصل کرو - علم حاصل کرو - اپنے ملک کی تجارت اور لیاقت کو بڑھاؤ - موجودہ پستی میں کب تک پڑے رہو گے +

ادھو رام وکیل

کم نصیب اُردو زبان - اگرچہ اب تک باوجود زمانہ کے سخت گیر انقلاب کے زندہ ہے مگر تاہم اُس کے جاں نثار اقلیم اردو اس کا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں - حامیان اردو عموماً اور ناظرین آزاد خصوصاً یہ خبر نہایت افسوس سے سنینگے - کہ منشی بالمکند گپتا نے جو آزاد کے خاص معاونین میں سے تھے - ۱۸ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بمقام دہلی قضا کی - افسوس صد افسوس وہ منشی بے بدل خاموش ہوگیا - اور اس کی خاموشی اب قیامت تک نہیں ٹوٹ سکتی - شوشنبھو کی پیاری تحریروں سے ہم ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے - منشی بالمکند کی وفات سے نہ صرف اردو کو صدمہ ہوا - بلکہ ہندی کو بھی سخت نقصان پہنچا ہے - پرماتما ان کی روح کو شانتی اور ان کے پس ماندگان کو صبر بخشیں +

چغلخور اور یاوہ گو

از پنڈت شو نرائن شمیم پلیڈر

اِن دنوں جو پولیٹیکل حالت ہندوستان کی ہو رہی ہے۔ وہ آزاد کے ناظرین پر روشن ہے۔ انسان جب کسی عارضہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ بقول حکما نیچر آگاہی دیتی ہے۔ کہ فی الواقع عارضہ ایک دفعیہ اُس سمیت کا ہے۔ جو مریض کے جسم میں اُس کی بدپرہیزی یا بے احتیاطی سے داخل ہو گئی ہے۔ اُس سے مقصود نہ صرف موجودہ اسباب عارضہ کا رفع کرنا ہوتا ہے۔ بلکہ آیندہ کے لئے بھی ہدایت ملتی ہے۔ اگر مریض سمجھ جائے۔ تو آیندہ وہ مرض سے بچا رہتا ہے۔ ورنہ ہدایت ثانی بطریق عارضہ کبیر عاید ہوتی ہے۔ عارضہ سے قبل بھی لایق حکیم بتلا سکتے ہیں۔ کہ فلاں رویہ اور فلاں وطیرہ سے ایک بظاہر تندرست شخص میں عارضہ کے سامان جمع ہو رہے ہیں۔ لیکن عموماً لوگ اُسی وقت غور کرتے ہیں۔ جب وہ فی الواقع مبتلائے عارضہ ہو جاتے ہیں +

بعض بعض اہل الرائے ہمارے پلیٹ فارم کے بہادروں اور اخباری دنیا کے رہنماؤں کو سمجھاتے رہے۔ کہ یاوہ گوئی ملکی خدمت سے مترادف نہیں۔ بلکہ اِس یاوہ گوئی سے کبھی نہ کبھی مشکل کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور بقول بکہ سو سنار کی اور ایک لوہار کی۔ رفتہ رفتہ کبھی نہ کبھی شامت آوے گی۔ لیکن وہ سنتے کب تھے۔ جتنا سمجھاؤ اُتنا ہی اور زیادہ تیزی کرتے تھے۔ پلیٹ فارم کے بولنے والوں اور اخبار نویسوں کی بھلا کب تک اِس قدر بدلگامی گوارا کی جا سکتی ہے۔ حالانکہ یہ امر اظہر من الشمس تھا۔ کہ گورنمنٹ کی مخالفت کا کسی کا منشا اصلی نہ تھا۔ اور ہو بھی

کیسے سکتا تھا۔ یہاں نو لاکھ لاکھ شکر الٰہی ہے۔ کہ انگریزی گورنمنٹ کی بدولت ہندوؤں نے ہر پہلو میں ترقی کی۔ اور کیا وہ ایسے نادان تھے۔ کہ ایسی حماقت خیال میں لاتے۔ ہاں جو غلطی ہوئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ الفاظ کی پسندیدگی اور طرز گفتار کا انتخاب اچھا نہ تھا۔ یا یوں کہئے۔ کہ اگر دس باتیں معقول تھیں۔ تو بیس باتیں نامعقول یا وہ گوئی تھیں۔ ع

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

کا معاملہ تھا۔ سمجھدار لوگوں کو جاننا چاہیئے۔ کہ جب آزادیٔ گفتار گورنمنٹ کیطرف سے عطا ہوئی ہے۔ تو اُس کے یہ معنے نہیں۔ کہ بے تحاشا گورنمنٹ کو گالیاں دیئے جاؤ۔ ادھر یاوہ گوؤں کا تو یہ عالم تھا۔ اُدھر ہمارے رفیق چغلخور کیا جانے کیا طومار جھوٹی سچی باتوں کے بنایا کرتے تھے۔ یہ نہ سمجھئے۔ کہ وہ چغلخور کسی خاص قوم کے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو اپنی خدمات جتلانے اور جھوٹی وفاداریوں کی نمائشوں سے اپنا کام سدھ کرنا تھا۔ اور بالخصوص آریہ سماج کے ذمہ دنیا بھر کی تہمتیں تھوپی گئیں۔ ہم نے مانا کہ آریہ سماج ایک چلتا پرزہ فرقہ ہے۔ لیکن یہ امر ہرگز راست نہ تھا۔ کہ جملہ یاوہ گو آریہ سماجی تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ کہ آریہ سماجیوں کے اکثر اضلاع میں لوگ دشمن تھے۔ خود اُنہیں میں دو فرقے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے سخت ہجو گو ہیں۔ اِسی حالت میں تعجب کی بات کیا تھی۔ کہ جدھر سے دریافت ہوا۔ سب لوگوں نے آریہ سماج کو ہی ہدف بنایا +

اب مرض دریافت ہو گیا۔ آیندہ ہنود صاحبان کو اپنی طرز بدلنے کی ضرورت ہے۔ ایسی میانہ روی اور سلیس طرز اختیار کرنی چاہیئے۔ کہ اپنے حقوق کے مطالبے متانت سے بیان کئے جاویں۔ جہاں کسی امر کی شکایت ہے۔ تو وہ امر فرداً فرداً معرض بحث میں لانا چاہیئے +

ایک عام شکایت جس کی بنیاد محض سخت الفاظ ہوں۔ کارگر نہیں ہو سکتی ہم یہ سفارش نہیں کرتے۔ کہ ہندوؤں کو مکاری آمیز نمائش وفاداری کرنی چاہیئے۔ یا رزیل خوشامد کرنی چاہیئے۔ بلکہ اُن کو چاہیئے کہ راست بازی سے اپنے اعمال سے وفاداری کا ثبوت دیں۔ جو تجاویز گورنمنٹ رعایا کی بہبودی کے لیئے کرتی ہے۔ اُس کی تحسین اور آفرین گورنمنٹ کو دینی واجب ہے۔ اور نیز اُس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیئے۔ جو تجاویز مضر حقوق ہے۔ اُس کی نسبت آزادی سے۔ دلایل سے راے دینا مناسب ہے +

آج کل کے اخبار نویس جو یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ بدلگامی اور یاوہ گوئی۔ دشنام دہی اور بیہودہ تحریروں سے اُن کی اخباروں کی اشاعت میں ترقی ہوتی ہے۔ سخت غلطی پر ہیں۔ گورنمنٹ تا کے صبر کرے گی۔ آخر برداشت کی طاقت کی بھی حد ہوا کرتی ہے۔ ایسے اخبار نویسوں کو اپنی حماقتوں کے خمیازے اُٹھانے پڑینگے اور جو ترقی ایک آہستہ طریق سے ہو رہی تھی۔ وہ سو سال پیچھے پڑ جاوے گی +

پلیٹ فارم کی بیہودہ گوئی یہ نوبت لائی۔ کہ بعض مقامات پر اب کوئی جلسہ ہی بدوں اجازت نہیں ہو سکتا۔ آریہ سماج والے اگر صرف اپنے دھرم کی ستایش میں مصروف رہیں۔ اور دوسروں کے مذہبوں کے نقائص سے سروکار نہ رکھیں۔ تو ہندو میں بہت سی اصلاح کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ اُنھوں نے ہندو کی تعلیم میں سعی کی۔ اور ایک گونہ کامیابی بھی حاصل کی۔ اُسی طرح سے وہ سوشل اصلاح میں بھی کامیاب ہو سکتے ہیں +

چنانچہ وہ کوتہ اندیش لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ مقولہ بھول جاتا ہے ؎

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد
بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

انجام کار جب تحقیقات واقعات کی ہوتی ہے۔ تو اصلیت کھل جاتی ہے۔ تب اُن لوگوں کا مُنہ کالا ہوتا ہے۔ اور جو عارضی وقعت انہیں حاصل ہوتی ہے۔ وہ مبدل بہ ذلت ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنا سا مُنہ لیکر رہجاتے ہیں لیکن جبکہ واقعی ایک جماعت رعایا فی الواقع یاوہ گو ہوجاوے۔ اور متانت ہاتھ سے چھوڑ دے تو چغلخوروں کا بول بالا ہو جاتا ہے +

خدائی انتظام بے عیب اور بے نقص ہو تو ہو۔ انسانی انتظام تو کسی حالت میں ایسا مکمل نہیں ہو سکتا۔ کہ کوئی گنجایش اصلاح کی نہ ہووے۔ پس انگریزوں کا انتظام بھی کہیں کہیں کسی نہ کسی پہلو میں ناقص ثابت ہوگا۔ اِس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے۔ کہ سارا انتظام خراب ہے۔ البتہ جہاں جہاں نقص ہے۔ اُس کو بیان کرنا چاہیئے۔ اور طرز بیان معقول اور اِس نیت سے ہونا چاہیئے۔ کہ فی الواقع اصلاح کی خواہش معلوم ہو +

یہ بھی ایک انسانی طبیعت کی کمزوری کا مشاہدہ ہے۔ کہ جہاں چند لوگ ایک مجمع میں تحسین کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ وہاں بولنے والے کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔ اور اُس وقت جوش میں آکر وہ ایسی باتیں کہنے لگتا ہے۔ جو وہ تنہا دوسری صورت میں زبان پر نہ لاتا۔ یہ ہی صورت ہمارے آج کل کے نیم تعلیم یافتہ ناتجربہ کار بولنے والوں کی ہے۔ جب وہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہوتے ہیں۔ انجام نیک و بد فراموش کر دیتے ہیں۔ اور اناپ شناپ جو منہ پر آیا بولتے ہیں۔ لہٰذا یہ مناسب ہے۔ کہ جو صاحب پبلک میں بولنے کھڑے ہوں۔ وہ پہلے اُس مضمون کے ہر پہلو کو سوچیں۔ سامان اور دلایل اور اعداد وغیرہ وغیرہ جمع کریں۔ اور اُس مضمون کے متعلق دوسروں کی رایوں پر غور کریں۔ چند کتب اُس کے متعلق پڑھیں۔ اور مضبوط دلائل اور موثر گفتگو سے سامعین پر مستقل اثر پیدا

کریں۔ تو ممکن نہیں۔ کہ اُن کی تقریر پر گورنمنٹ کی توجہ نہ ہو +

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اب پبلک تحریر اور تقریر میں سنگینی۔ وزن۔ سلاست متانت آنی چاہیئے۔ یاوہ گوئی۔ بدلگامی ترک کرنی چاہیئے۔ گورنمنٹ کے خلاف جھوٹے اہتمام لگانے سے نہ کچھ حاصل ہؤا نہ ہوگا۔ آخر وہ ایک مضبوط اور مہذب گورنمنٹ ایسی خاص ساخت کی ہے۔ جس کی نظیر زمانہ ماضی میں کوئی نہیں ملتی۔ یعنی ایشیائی طریق حکومت پر مغربی طرز حکومت کا پیوند چڑھایا گیا ہے۔ کسی ایک فرقہ یا جماعت کا یہ سمجھنا غلطی ہے۔ کہ اُس کے حقوق پائمال ہونگے۔ یا اُس کے لیئے خاص رعایت ہوگی۔ البتہ حکمران قوم کو ہمیشہ سے قومیت چلی آئی ہے۔ اور بعض امور میں اُسے تاابد کچھ نہ کچھ کم وبیش فوقیت حاصل رہیگی۔ اور بعض کمزور یا کم تعداد قوموں کے لیئے ترقی کی سہولتیں بھی ملیں گی۔ جس کی شکایت بیجا ہے۔ کیونکہ حکمران پر ہر ایک جماعت کے حقوق کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ ملک کے خیرخواہوں کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ہم البتہ چغلخوروں کو یہ شعر حسن کا یاد دلاتے ہیں۔ ؎

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ سب کا خدا عالم الغیب ہے

شمیم

جو شخص جس قوم میں پیدا ہؤا ہے۔ اگر اس کی خدمت اپنا فرض اول نہیں سمجھتا۔ تو اس سے کہدو۔ کہ اگرچہ جامۂ انسانیت اس نے پہنا ہے۔ مگر انسانیت کا مرتبہ ابھی اسے حاصل نہیں ہوا +

لاجپت رائے

حسرتِ چمن

عندلیبِ قفس کی زبانی

از منشی دوارکا پرشاد اُفقؔ لکھنوی

چمن میں چھیڑ کوئی مطربا چمن کا راگ دکھلائے دیس کی دھن میں وہ چمن کا راگ
سنا ترانۂ محبت کا گا چمن کا راگ لبھائے دل کو وطن نوا چمن کا راگ
کہ دل یہ کنجِ قفس میں نہیں بہلتا ہے
وطن کی یاد میں آنسو نہیں نکلتا ہے

خوشا وہ دل ہو تمنا وطن کی جس دل میں خوشا وہ دل کہ ہوا ہو چمن کی جس دل میں
وہ دل کہ بہتری ہو انجمن کی جس دل میں کہ بو ہو نافۂ مشکِ ختن کی جس دل میں
وہی ہے دل جو وطن پر نثار ہو جائے
جو داغ دل پہ ہو باغ و بہار ہو جائے

وطن کی خاک کے ذروں کا نور دل میں ہے وطن کے جلوے سے شرمندہ حور دل میں ہے
وطن کے ذکر سے عیش و سرور دل میں ہے وطن کی یاد خوشی کا ظہور دل میں ہے
جھلک نشاط کی ہر ذرہ میں ہویدا ہے
خوشا وہ دل جو وطن پہ شیدا ہے

ہے دلفریب دلا فزا عجب ادائے وطن ہے بھینی بھینی خوش آیند کیا ہوائے وطن
یہ گونجتی بہرے کانوں میں ہے صدائے وطن ہے خوش نصیب وہی جو کہ ہے فدائے وطن
خوشا وہ دل کہ جو حبِ وطن کا طالب ہے
کہ دل میں حبِ وطن ایک جان و قالب ہے

مجھے ہے جان سے بڑھکر میرا وطن پیارا — وطن کی خاک وطن کا مجھے کفن پیارا
میں عندلیب چمن ہوں مجھے چمن پیارا — چمن کا اپنے ہے نسرین و نسترن پیارا
گرے جو آنکھ سے آنسو چمن کی حسرت میں
کنول شگفتہ ہو دل کا وطن کی اُلفت میں

ریاض دہر میں جو ہے جلا وطن لوگو — وطن کا درد ذرا اُس کے دل سے پوچھو تو
دکھلا کے یاد وطن سبز باغ آنکھوں کو — لہو رولاتی ہے کہہ کہہ کے پیارے ہموطنو
جدا کسی کا کسی سے کبھی حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

میں کیا بیاں کروں افسوس اپنی بربادی — کہ آہ چھن گئی بے جرم میری آزادی
کہاں تھا قید قفس کا یہ میرا دل عادی — غضب یہ طائر بے بال و پر پہ جلادی
تڑپ کے رونے سے صیاد اب خدا کے لئے
زباں نہ روک میری عرض مدعا کے لئے

وہ آہ بلبل بے پر و بینوا ہوں میں — قفس نصیب ہوں گلزار سے جدا ہوں میں
وطن سے دور دلِ دردآشنا ہوں میں — کہ آہ سرد ہوں مظلوم کی صدا ہوں میں
کہاں وطن سے جدا ہو کے بے خبر نکلے
کھُلی تھیں دام میں آنکھیں قفس میں پر نکلے

نہ بند کر میری فریاد پر زباں صیاد — سنانا جرم ہے کیا غم کی داستاں صیاد
سُنی جو تو نے نہ مظلوم کی فغاں صیاد — ہے ڈر نہ ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد
جو دانت طائر بے پر پہ کٹکٹائے گا
خدا کو حشر میں کیا جا کے منہ دکھائیگا

تڑپ تڑپ کے قفس میں ہوں میں گھٹا جاتا — لبوں تک آ کے ہے دم خود بخود رکا جاتا

پروں کو کھولدے صیاد ہوں مُوا جاتا قفس کو لیکے میں ظالم نہیں اُڑا جاتا
کہاں ہے طاقتِ پروا نیش و پس میں ہوں
رہا کر اب مجھے صیاد تیرے بس میں ہوں
چھوڑائے غم سے قضا آہ یہ کہاں اُمید جو پہنچے آہ رسا آہ یہ کہاں اُمید
رہوں وطن سے جُدا آہ یہ کہاں اُمید میں ہوں قفس سے رہا آہ یہ کہاں اُمید
غرض دوگونہ عذابست جان مجنوں را
بلائے دشت نوردی و فرقتِ لیلےٰ
رولا رہا ہے مجھے اشک خوں نفاقِ وطن دکھا رہا ہے زمانے کا غم فراق وطن
کہاں وہ صحبتِ احباب خوش مذاق وطن نہ پوچھو دل سے میرے جوش اشتیاق وطن
وطن کے ہجر میں اُف دل کا داغ جلتا ہے
شب فراق قفس میں چراغ جلتا ہے
رہی گر یوں ہی کچھ دن چمن سے بیخبری تو شاخ نخل تمنا کبھی نہ ہوگی ہری
قفس میں کہتی ہے رو رو کے بلبل سحری صبا بگلشن اہلِ وطن اگر گذری
سلام ما برساں ہر گلِ گلستاں را
پیام ما برساں سنبلِ پریشاں را
کہ ہیں چمن کے نظارے کو بیقرار آنکھیں دکھا رہی ہیں رہائی کا انتظار آنکھیں
ہوں کاش بلبل و گل کی چمن میں چار آنکھیں دکھائیں قوم نے گلزار کی بہار آنکھیں
ترقیات کی جا ہے نہیں نزیب تن کیا کیا
رفیق حبِ وطن ہیں ہیں نغمہ زن کیا کیا
جو بلبلیں تھیں مرے چہچہوں کی دیوانی وہ اب بھی کرتی ہیں گلزار میں غزل خوانی
مری جدائی پہ کی کس نے اشک افشانی بہایا کس نے میرے بعد سیل طغیانی

ہوئے ہوں کاش میرے غم میں اشکبار درخت
جھکے ہوں باد مخالف سے ہونہار درخت

میں کیوں چمن سے اُڑایا گیا نہیں معلوم
وطن سے آہ چھوڑایا گیا نہیں معلوم
قفس میں رہنے کو لایا گیا نہیں معلوم
یہ سبز باغ دکھایا گیا نہیں معلوم
میں کس کے دل میں کھٹکنے کو نوک پیکاں تھا
مگر کبھی کسی حاسد کے دل کا ارماں تھا

چمن کا پھول تھا بلبل تھا میں بہار میں
نظر میں چبھنے کو گلچیں کے آہ خار تھا میں
وطن کا اپنے بھی خواہ جاں نثار تھا میں
میں باغبان کا ہمدم وفا شعار تھا میں
حریص تھا وہ جو کہتا مجھے دماغی تھا
غلط ہے جو کہے بلبل چمن سے باغی تھا

جو اپنے دل میں دے انصاف کو جگہ صیاد
دعا ہے اہل چمن کے ہو پھر چمن آباد
عجب نہیں کہ ہوں قیدِ قفس سے جلد آزاد
گلے سے بلبلیں مل مل کے دیں مبارکباد
عجب بہار عجب لطف او چمن پھر ہو
ہزار داستاں گلشن میں نغمہ زن پھر ہو

گہر لکھنوی



خدا آپکی ہمت میں برکت دے توسیع اشاعت کے متعلق میری التجاؤں پر اگرچہ خریداران آزاد نے کافی توجہ نہیں کی۔ مگر مندرجہ ذیل احباب نے اپنا فرض ادا کرکے مثال ضرور قائم کی ہے۔ کاش باقی احباب بھی اپنا فرض سمجھیں اور خدا اِن کی ہمت میں برکت دے ✦

لالہ دینا ناتھ صاحب۔ لالہ کرم چند بھل۔ سردار مول سنگھ صاحب۔ جناب۔ ڈی۔ آر۔ نظامی۔ لالہ رام چند صاحب و رملپنڈت کشن پرشاد کول۔ منشی دوارکا پرشاد گہر۔ لالہ مول چند صاحب آفیسر منشی۔ منشی عثمان محمد مخمور ✦

مسرت آزادی

ترجمہ نظم انگریزی

از منشی پتمبر پرشاد اختر اجمیری

۱۔ وہی شاد آزاد ہے اس جہاں میں — نہیں ہر کسی کا بھی جو زیر فرماں
خیالات نیک اسکے حافظ ہیں ہر دم — صداقت کے جوہر ہیں جس میں نمایاں

۲۔ نہیں جس پہ کچھ خواہش نفس غالب — نہیں موت سے اپنی جو کچھ ہراساں
نہیں جو اسیر ہوا و ہوس کچھ — نہ شہرت کا طالب نہ شوکت کا خواہاں

۳۔ نہیں جس کو رشک ترقی کسی کا — نہیں جو کسی کے تنزل پہ خنداں
بہی خواہی قوم کی دھن میں جس کو — کبھی کچھ نہیں خوف افتاد دوراں

۴۔ نہ مطلب کسی کی بھلی اور بری سے — نہ آب معاصی سے تر جس کا داماں
نہ اہل خوشامد کو کچھ فیض جس سے — نہ غماز و بدگو سے کچھ جسکا نقصاں

۵۔ جو اپنے دل و جاں سے کرتا ہے دایم — کبھی حمد یزداں کبھی شکر یزداں
کبھی محو درس روایات مذہب — کبھی وصل احباب سے ہے جو خنداں

۶۔ غلامی کی زنجیر سے وہ رہا ہے — نہ پستی سے محزوں نہ رفعت سے شاداں
نہیں گو وہ کچھ پھر غنیمت ہے اختر — کہ مختار ہے آپ اپنا وہ انساں

پتمبر پرشاد اختر

بہار آئی کھلے ہیں غنچے بہار پہ ہے چمن ہمارا — غریب بلبل شکستہ پر ہیں ہے دور ہم سے وطن ہمارا
دیس نکالا ایک کیا لاکھ کوئی دکھ دے — جا کے من میں میل نہ وا کو کیا سندیسے

سچی قربانی اور آزادی

"از جہانگیر"

دنیا میں کوئی کام بغیر قربانی کے نہیں ہو سکتا۔ جتنا بڑا کوئی کام ہوگا۔ اتنی ہی بڑی قربانی کی اس کے لئے ضرورت ہوگی۔ ایک شخص نے لکھا ہے۔ کہ تہذیب اور شایستگی حقیقت میں بہت چھوٹے چھوٹے کاموں میں اپنی غرض اور فائدوں کو دوسروں کی خاطر قربان کر دینا ہے +

خودغرضی قربانی کی ضد ہے۔ جہاں کچھ بھی اپنی غرض پنہاں ہوگی۔ وہاں سچی قربانی کا ہونا معلوم +

ہر قوم اور ہر ملک میں کم و بیش ایسی قربانیاں ہوتی رہی ہیں جن کے ذریعہ لوگوں کو کسی نہ کسی مصیبت سے نجات ملی ہے +

سچی قربانی کے لئے دل میں سچے جوش اور سچی بہادری کی بھی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ خالی باتوں سے کچھ کام نہیں نکلتا۔ سچا جوش اور سچی بہادری دل میں جبھی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب سچے پریم۔ سچی محبت کا دریا دل میں موج زن ہو۔ جب تک ایک انسان اپنے آپ کو محبت کی آگ پر کباب کی طرح سوخت نہ کر ڈالے کسی دوسرے کو لذت نہیں مل سکتی +

دنیا میں کوئی شے بغیر کسی صورت میں اس کی قیمت ادا کئے نہیں ملتی۔ تکلیفوں سے رہائی کی بھی ضرور کوئی قیمت ہونی چاہیئے۔ اور وہ قیمت قربانی ہے۔ جتنی بڑی مصیبت ہے۔ اتنی ہی بڑی اس کے لئے قربانی ہو تو کام بنے +

امریکہ والوں نے کیا کیا سختیاں اُٹھائیں۔ کیا کیا آفتیں جھیلیں۔ جبتک سینکڑوں

کیا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں قربانیاں نہ ہولیں آزاد نہ ہوئے +

اورنگ زیب کے عہد میں ہندوؤں کے مذہب پر آن بنی۔ بیچارے غریب برہمن سب کچھ ہی دیوتاؤں کے سامنے آہ وزاری کر چکے۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ زبانی طوطے مینا بنانے سے کیا ہوتا ہے۔ مذہب کوئی کھلونا نہ تھا۔ جب تک گورو تیغ بہادر اور ان کی اولاد نے سچی بہادری کے جوہر دکھا کر اپنے آپکو قربان نہ کر دیا۔ کچھ نہ ہوا +

جب کبھی کوئی نیا مذہب دنیا میں جاری ہوا۔ اُس سے پہلے رائج الوقت مذاہب کے ہاتھوں سے جب تک سختیاں نہ اُٹھائیں۔ بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنی سچائی کو ظاہر نہ کیا۔ سرسبزی حاصل نہ ہوئی۔ سکہ نہ جما +

جاپانی اگر اپنے میں سچی بہادری۔ سچی قربانی اور سچی آزادی کا مادہ پیدا نہ کر چکے ہوتے۔ تو روس کے مقابلہ میں فتح بھی اِن کو ضرور نصیب ہو جاتی ؟

جاپان سے شکست کھا کر چینیوں کو بھی افیون نوشی کی پینک سے ہوش آیا۔ اور بی چُنیا بیگم سے پیچھا چھڑانے کی سوجھی۔ حکومت کے لحاظ سے ایک آزاد قوم ہے۔ کیا عجب ہے۔ کہ کچھ کر دکھائے +

خدا کا خوف علم اور عقل کا آغاز ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے ہندستان کی سرحد پر روس اور انگریزوں کی کبھی لڑائی ہونے کا خیال پیش نظر رہتا تھا۔ امیر کابل نے سوچا۔ کہیں چنوں کے ساتھ گھن بھی نہ پِس جائے۔ آہستہ آہستہ اپنی فکر تو کر لو۔ پھر جو ہوگا دیکھ لیں گے۔ دل کو جو لگی تھی۔ چپکے چپکے لگی رہی۔ آخر دولت خداداد بنا ہی لی۔ ہمت کا حامی خدا ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ خدا اِن کی مدد کرتا ہے +

اور سنو! ع

ینڈ کی کو بھی ر کام ہوا

شعر

دیکھا دیکھی جو شوق چرّایا
شیخ صاحب بھی دل لگا بیٹھے

صدیوں کی غلامی نے تمام آزادی کے جوہر نیست و نابود کر دیئے۔ صحت نہیں۔ طاقت نہیں۔ مال نہیں۔ دولت نہیں۔ علم نہیں۔ عقل نہیں۔ زبان نہیں۔ دل نہیں۔ ہمت نہیں۔ شجاعت نہیں۔ نفع نقصان کی تمیز نہیں۔ اتفاق عزیز نہیں۔ غرض جو خوبیاں ضروری ہیں۔ ایک بھی نہیں۔ مگر بقول شخصے ع

ہم بھی تم پر مرتے ہیں

مرتے ہو تو مرو۔ جہنم میں پڑو۔ ایسی محبت کو آگ لگے +

وصل ممکن ہے تو کیونکر سے

جِہ کر جِہ پر سَت سنیہو
سو تِہ ملت نہ کچھ سندیہو } (تلسی داس)[1]

مگر وہ سچا سنیہا وہ سچی محبت۔ وہ طلب صادق پہلے اپنے دل میں پیدا تو کرو۔ خالی باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ کچھ کر کے بھی تو دکھاؤ۔ ورنہ جاؤ۔ ناحق شور مت مچاؤ۔ رہی سہی سے بھی جاتے رہو گے +

الٰہی! یہ کوئی مضمون ہے یا کسی مجذوب کی بڑ! سے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جہانگیر

---

[1] جس کو جس سے سچی محبت ہوتی ہے۔ وہ اُس کو ملتا ہے۔ اس میں بالکل شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔ ۱۲

نظامِ ملّت

۱ خارجی نظام ملت

بعض وقت ملت سے مراد ایک خاص فرقہ مذہبی یا صرف مذہب ہی لیتے ہیں۔ یہ ایک محدود و تعریف یا محدود معانی ہیں۔ ملت کا اطلاق دراصل ایک جماعت ہو سکتا ہے۔ عام اس سے کہ کوئی جماعت ہو اور کوئی سے مشن رکھتی ہو۔ ملت کے مرادی معانی یا سرزدی مفہوم +

"ایک ایسا گروہ ہے۔ جو باعتبار اپنے منتشر افراد کے بہ حیثیت مجموعی ایک جماعت متفقہ کا حکم رکھتا ہو۔ اور گو افراد بہ حیثیت افراد ہونے کے آپس میں منفرد ہوں۔ مگر بہ حیثیت ایک ملت کے اُس جماعت میں شامل ہوں۔ اور وہ جماعت ایسے ہی افراد سے تربیت دی گئی ہو" +

قوم اور ملت میں فرق ہے +

"ایک قوم صرف اُن امور کی حامی ہوتی ہے جو قوام قومیت کی منضبط اور حائل ہوتی ہیں۔ اور جن سے شیرازہ قومیت باقی یا قایم رہ سکتا ہے۔ ملت قوم یا ایک مجموعہ اقوام سے ترتیب پاتی ہے۔ لیکن قومیت کے پایہ سے اُس کا پایہ اعلےٰ اور مضبوط ہوتا ہے +

قومیت صرف قوم کے افراد جمع کرتی اور اُن میں انفرادی قوتوں کے زور سے ایک ہی قوم کی روح پھونکتی ہے۔ یا ایک قوم کے سلسلہ میں اُن کا اظہار کرتی اور اُنہیں منضبط دکھاتی ہے۔ لیکن ملت قوم کے قومی افراد اور گروہوں کو ایک خاص سلسلہ سے ملاتی۔ اور اُن میں اغراض مشترکہ کی حیثیت سے محبت اور

خلوص کی بنیاد ڈالتی ہے - جب کبھی یہ کہا جاتا ہے" - کہ

"نظام قومی" -

"اور نظام ملتی" -

در پیش ہو تو صرف نظام قومی کا وجود باقی رہتا ہے اور نظام ملت" پیش ہو - تو ان دونوں کا مفہوم ہمیشہ جداگانہ ہوتا ہے +

جب کبھی نظام قومی باقی نہیں رہتا - تو صرف اُس کے افراد منتشر ہو جاتے ہیں - اور اُن افراد کا ذاتی نظم ونسق یا عزاز واحترام فرداً فرداً باقی رہتا ہے لیکن جب کبھی نظام ملت میں فتور واقعہ ہوتا اور ضعف آتا ہے - تو اُس وقت قومی اور افرادی نظام میں بھی گڑبڑ مچ جاتی ہے - اور بالخصوص افراد قومی میں ایسی ابتری پیدا ہوتی ہے - کہ ہر فرد بجائے خود ایک قوم اور ایک ملت ہوتا ہے - اور شخصی شیرازہ قومی شیرازہ کے قائم مقام ہو کر ہر طرف سے ادبار لاتا - اور دن بدن نحوست کا موجب ثابت ہوتا ہے +

بعض وقت لوگ یہ خیال کرتے ہیں - کہ

"قومیں محض کثرت افراد کی وجہ" -

"یا ثروت افرادی کی جہت سے -

قوم بنتی ہے - یا نظام ملت کی بنیاد پڑتی ہے - یہ درست نہیں - کوئی قوم محض کثرت افراد اور کثرت ثروت سے قوم نہیں بنتی کسی قوم کی قومیت صرف افراد قوم کے اجتماع سے باقی رہ سکتی ہے لیکن اُس کا زور یا احترام قائم نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ اُس کا پشت پناہ روحانی نظام ملت نہ ہو +

جب نظام ملت باقی رہتا ہے - اور اُس میں ضعف پیدا ہوتا ہے تو ایک قوم یا کئی قومیں قائم اور باقی رہ سکتی ہیں - کیونکہ نظام ملت میں نظام قومیت بھی

شامل ہے اور خلاف اسکے نظام قومیت میں نظام ملت شامل نہیں +

ایک فرد یا چند افراد ایک قوم میں بہ حیثیت اُس میں شامل ہونیکے بیشک داخل ہیں۔ لیکن اگر اُن میں خلوص اور یک جہتی نہیں۔ اور ایک فرد دوسرے کے واسطے ایک کشش نہیں رکھتا۔ تو ایسی حالت میں یہ کبھی نہیں کہا جاویگا۔ کہ

ایسی حالت میں یا ایسے افراد میں نظام ملت بھی موجود ہے۔ قومیت ہمیشہ ایک قوم کی تابع ہوتی ہے اور اُس کی وسعت کسی حالت میں اُس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ جب کبھی وہ کوئی اور وسیع دائرہ اختیار کرتی ہے تو افراد قوم اُسی میں سے نکلنے شروع ہوتے ہیں +

لیکن ایک نظام ملت کا دائرہ قومیت کے دائرہ سے کہیں وسیع ہے۔ ایک نظام ملت میں کبھی کبھی چند قومیں جو ایک ہی خطہ یا ایک ہی ملک میں رہتی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ اور اُس میں بوجہ ملکی ضروریات کے بہ حیثیت اغراض مشترکہ اقوام مختلفہ کا شمول لازمی ہوتا ہے۔ اور اس دائرہ میں ہر ایک قوم کی قومیت بھی باقی یا قائم رہتی یا قائم رہ سکتی ہے +

بعض اوقات ملکی اغراض کے ماتحت قومیت توڑنی پڑتی ہے اور مختلف قومیں ایک قومیت میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی اُن کا ملتی دائرہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور سب کی سب ایک ہی غرض مشترکہ کے ماتحت ہوجاتی ہیں تاریخ بتلا رہی ہے۔ کہ

"جب کبھی چند قوموں میں سے مذہب اور رسم و رواج کی پابندیاں اُٹھ جاتی ہیں۔ تو عموماً مختلف قوموں کی قومیت ایک ہی ہوجاتی ہے" +

"ملت کبھی بوجہ اشتراک مذہب ہوتی ہے" +

"کبھی بوجہ اشتراک ملک کے +

"کبھی بوجہ اغراض مشترکہ کے" +

جو ملت بوجہ اشتراک مذہب کے ہوتی ہے۔ وہ صرف مذہبی امور سے ہی متعلق ہوتی ہے۔ ملکی اغراض کا اُس میں براہ راست دخل نہیں ہوتا۔ لیکن باقی دو قسمیں مشترکہ کل اقوام کی ہوتی ہیں۔ جب کبھی ہم ملک یا خطہ مالوفہ سے باہر ہوتے ہیں۔ تو اُس حالت میں مذہبی پابندیاں اِس قدر شد و مد سے تعاقب نہیں کرتی ہیں۔ جس قدر اُن کا شور و غوغا اپنے ملک میں ہوتا ہے +

چین میں جب ایک ہندوستانی کوئی دوسرا ہندوستانی دیکھ پاتا ہے۔ تو وہ سب فروعی اختلاف بھول کر صدق دل اور خوشی سے اُس کا خیر مقدم کرتا ہے اور ایسی حالت میں تمام خطہ چین میں اُس کا دوست اور بازو صرف وہی ہوتا ہے۔ دونوں کا ایسا خلط ملط ہو جاتا ہے کہ گویا ماں جائے ہیں +

جب کبھی دو مختلف ملکوں یا قوموں کے باشندے کسی جنگلی درندے کے مقابلہ میں آتے ہیں۔ تو وہ دونوں ملکر اُسی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسی حالت میں اُن کی ایک ہی غرض ہوتی ہے۔ اور اُس حالت میں اِن دونوں کی ملت مشترکہ صرف انسانیت ہی ہوتی ہے +

ایسے وقت میں نہ تو ایک سے دوسرا مذہب اور دھرم کا سوال کرتا ہے اور نہ کوئی یہ سوچتا ہے۔ کہ تمہاری قومیت کیا ہے۔ اور کس فرقہ کے نام لیوا ہو +

یہ حالات ہمیں سکھاتے ہیں۔ کہ اغراض مشترکہ کا سوال یا ضرورت ہمیں کبھی نہ کبھی ایک بنا سکتی ہے۔ اگر ہم سب بالائی یا جزوی خیالات چھوڑ کر یہ تسلیم کر لیں۔ کہ

| "کل انسان ایک ہیں" + |

"اور بہ حیثیت سلسلہ انسانیت کے ایک دوسرے کے بھائی ہیں" +

تو دنیا میں ایک بھی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ اور آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ

اغراض مشترکہ کا وجود موجود ہے۔ اور تمام معاملات میں یہ سوال کیسا حل ہوتا ہے۔ اور کیا اس کے فائدے ظہور میں آتے ہیں جب سلسلہ نظام ملت پر غور کرتے ہوئے لوگ ہمیشہ قوم قوم کہتے۔ اور اس پر بحث کرتے ہیں۔ اور ایک قوم دوسری قوم سے جدا رہکر منزل پر پہنچنا چاہتی ہے۔ لیکن نہیں پہنچا جاتا ۔ در اصل انتہائی ضروریات کے لئے مقام کوئی شے نہیں ہے۔ انتہائی ضروریات کے واسطے ہمیشہ نظام ملت کام دیتا ہے۔ کیونکہ ایک قوم صرف اپنی قومیت کی ہی حمایت کرتی ہے۔ لیکن ایک نظام ملت قوموں ۔ اور ملک دونوں کی حمایت کرتا ہے +

"بعضوں نے کہا ہے" ۔ کہ

"قومیں حکومت اور دولت سے ترقی پاتی ہیں" +

"یہ دونوں اسباب قوموں کے عروج اور اقبال یا شہرت کا باعث ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ دونوں اسباب بھی عارضی ہیں۔ جب تک ان کے ساتھ اسباب لازمیہ نظام ملت نہ ہوں۔ تب تک قومیں اصلی ترقی کی مالک یا وارث نہیں ہوسکتیں۔ اگر ایک قوم یا چند قومیں خوش قسمتی سے دولت اور حکومت رکھتی ہیں ۔ اور اُن میں نظام ملت نہیں تو اُن کی ایسی حکومت یا دولت کوئی وقعت نہیں رکھ سکتی ۔ کیونکہ ایسی حکومت یا دولت کے قیام کے اصلی اسباب مفقود ہیں۔ قوم بمنزلہ ایک وجود کے ہے۔ انسان بوجہ اپنے قد و قامت اور ڈھانچہ کے انسان نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ اِس وجہ سے اُس کی کوئی قدر و منزلت ہو سکتی

ہے۔ کیونکہ دنیا میں اِس کے مقابلہ میں اور بھی چند در چند صدہا وجود پائے جاتے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ تر اُن کا قد و قامت ہے۔ انسان صرف اُن صفات کی حیثیت سے انسان ہے۔ جو اُسے اور خلقت سے جدا کرتے اور تمیز دیتے ہیں۔ ایک قوم اور اُس قوم کے افراد مختلفہ بے شک ایک قوم ہیں لیکن جب تک اُس قوم میں نظام ملت کی سچی قوت نہ ہو۔ تب تک یہ نہیں کہا جا سکتا +

"اُس میں حقیقی قومیت کا جوش بھی موجود ہے" +

"یا چند قوموں کو یہ حیثیت اسکے کہ وہ ایک ملک میں رہتی ہیں۔ یہ درجہ حاصل ہو چکا ہے" +

تاریخ ہمیں اِس مرحلہ پر آسانی سے لے جاتی ہے۔ کہ جن قوموں کو حکومت اور دولت حاصل تھی۔ اور اُن کا اقبال روز افزوں ترقی پر تھا۔ جب اُن میں نظام ملت کا زور نہ رہا۔ اور شیرازہ ٹوٹ گیا۔ تو نہ حکومت نے اُن کی کوئی امداد کی۔ اور نہ دولت نے کوئی سہارا دیا۔ قوموں میں اُن کی عزت جاتی رہی۔ اور خود اپنی حد میں بھی اُن کی کوئی وقعت نہ رہی +

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ نری حکومت اور دولت سے ہی قوموں کی عزت ہوتی ہے۔ اور حکومتوں کے ملنے سے ہی اُن کے حقوق کا تصفیہ ہوتا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ یہ سب اُس وقت تک محض خوش کن سہارے ہیں۔ جبتک نظام ملت کا وجود نہ ہو +

اگر ایک قوم یا چند قومیں مفلوک الحالت ہیں۔ اور اُن میں دولت اور حکومت نہیں۔ لیکن نظام ملت موجود ہے۔ اور اُن سب کا سلسلہ اُس کے ماتحت چلا آتا ہے۔ تو وہ ایک قوم یا قومیں ہیں اور اُنہیں دنیا میں ایک احترام اور ایک عزت

حامل ہے۔ دوسری قومیں اُن کا اعتبار کرتی۔ اور اُن پر بھروسہ رکھتی ہیں۔ اور اُنہیں اُن کا سکہ بیٹھا ہُوا ہے۔ دنیا میں بعض قومیں ایسی بھی ہیں۔ جو علم و دولت میں اپنی ہمسایہ قوموں کا کسی صورت میں مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ مگر چونکہ اُن میں نظام ملت کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ اِس واسطے اُن کی بے قدری نہیں ہوتی +

جب تک کوئی قوم اپنا وقر آپ نہیں کرتی۔ اور اپنے اندرونی افراد میں وہ خود معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ تب تک نہ تو دولت اور نہ حکومت اُس کے وقر کا موجب ہوتی ہیں۔ اور نہ دوسری قومیں اُسے قدر کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ اور خود بھی وہ اپنی نگاہوں میں حقیر ہوتی ہے۔ کسی قوم کا وقر اور احترام دوسری قوموں کی نگاہوں میں کب قایم ہوتا ہے۔ جب اُس میں نظام ملت کا سلسلہ موجود ہو +

نظام ملت کیا ہے +

"ایک ملک میں رہنے کی حیثیت سے چند قوموں یا ایک قوم کے مختلف افراد کا آپس میں خلوص اور محبت سے تعلقات قایم رکھنا" +

"جب کبھی ایسے تعلقات میں فتور آئے تو اُس کا خاص کوشش سے مکرر قایم کرنا" +

"اُن اغراض مشترکہ کا محفوظ رکھنا۔ جن پر ایسے نظام ملت کی بنیادیں قایم ہوتی ہیں" +

"قومی احترام کے لئے ملک اور اُس سرزمین کی عزت کرنا جس میں ایسی قوم یا قومیں رہتی ہیں" +

جس قوم یا جن قوموں میں یہ اعتبارات نہیں ہیں۔ اُس میں نظام ملت کی روح نہیں ہو گی۔ اور وہ کبھی اصلی ترقی کی وارث نہیں کہی جا سکتی۔ جو قومیں گری ہوئی ہیں۔ اور جن میں تنزل کا زور ہے۔ اُنہیں سب سے پہلے نظام ملت کے

قوانین کا اتباع لازمی ہے۔ جب تک نظام ملت کے ماتحت ہو کر وہ کام نہیں کریں گی۔ تب تک اُنہیں اور قوموں کے سامنے کوئی درجہ حاصل نہیں ہو سکتا +
یہ ملتی اعتبارات کب حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب قوموں میں سے تفرقی اعتبارات کی نفی کی جاوے۔ اور اُن ابتدائی خرخشوں سے خلاصی ہو۔ جو ہمیشہ اس راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ جب قوموں کے اندر مذہبی اعتبارات متفرق اور ہر مرحلہ پر مذہب رخنہ اندازی کرتا ہو۔ تو نظام ملت دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے ایسی حالت میں +

"یا تو مذہب معاشرتی مرحلوں سے بالکل الگ رکھا جاوے" +

"اور یا مذاہب میں اشتراک کی حتے الامکان سبیل نکالی جاوے" +

اسی طرح رسم ورواج میں بھی ترمیم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بعض اوقات رسم رواج مذہب کی پابندیوں سے بھی زیادہ حارج ہوتے ہیں دنیا کی اکثر قومیں اس وقت کیوں دن بدن گرتی جاتی ہیں۔ صرف اس واسطے کہ اُن میں اسی قسم کے حاجات زور سے کام کر رہے ہیں +

بہت لوگ یہ کہنے کے عادی ہیں۔ کہ

ایسی پابندیاں صرف قومی اقبال۔ سے ہی ٹوٹ سکتی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ جب تک ایسی پابندیاں ہوتی ہیں۔ اقبال ہوتا ہی نہیں۔ یا صرف برائے نام اقبال کی بنیاد اُسی صورت میں پڑتی ہے۔ جب نظام ملت کے ماتحت ایسی پابندیوں کی قربانی کی جاتی ہے +

کیا ہم یہ سوال کر سکتے ہیں۔ کہ

ایشیائی قوموں میں کوئی نظام ملت ہے +

جواب اس کا یہی ہو سکتا ہے۔ کہ نام کو بھی نہیں ہوتا۔ کیا نظام ملت کی

تعریف سے بھی اُنہیں خبر اور آگاہی نہیں۔ اگر کوئی کوئی قوم قومیت کے دائرہ سے واقف ہے۔ تو وہ بھی صرف رسمی طور پر نہ کہ حقیقتاً ایشیا کی کونسی قوم یہ کہنے کا حق رکھتی ہے۔ کہ وہ بہ حیثیت ایک قوم کے دنیا میں رہتی ہے۔ یا اُس میں قومیّت کا واقعی مادہ موجود ہے۔ ایک قوم بھی ایسا دعوےٰ کرنے کا حق نہیں رکھتی +

یورپین قوموں میں ایسی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ وہی اِس کے اہل بھی ہیں۔ اُن میں نظام ملت اِس خوش اسلوبی سے پایا جاتا ہے۔ اور وہ اُس کی حفاظت اسی خوش اسلوبی سے کر رہے ہیں۔ کہ دنیا بھر میں اُسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اِن قوموں نے پہلے قومیّت کا مسئلہ حل کیا۔ اور پھر قومیت کو نظام ملت کے ماتحت لاکر اُس کا استحکام قرار واقعی کر دکھایا۔ جو ایشیائی قوم اِس مرحلہ میں کسی یورپین قوم کا مقابلہ کرتی ہے۔ وہ اپنے تئیں ایک مغالطہ میں ڈالتی ہے۔ اور اُن راہوں سے ہٹتی جاتی ہے۔ جو اِس منزل پر پہنچنے کی ہیں +

کوئی ایشیائی قوم اِن راہوں میں یورپین قوموں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اُن قوموں کے لئے مدت سے ایک شاہ راہ تیار ہے۔ اور اُس پر زور شور سے آمد و رفت ہو رہی ہے۔ اور ایشیائی قوموں نے شاہ راہ تو کیا اپنے لئے ایک پگ ڈنڈی بھی تیار نہیں کی۔ یورپ میں جب کوئی معاملہ زیر بحث ہوتا ہے۔ تو اُس پر سب قومیں بلا لحاظ مذہب و فرقہ کے غور اور بحث کرنیکے عادی ہیں۔ ایشیا کے کل ملکوں میں اِس کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ ہر قوم مذہب کی لین ڈوری کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ اور رسم و رواج کو اپنا رہبر یا رہنما بناتی ہے ایک قوم دوسری قوم کی سد راہ ہے۔ اور دوسری قوم تیسری قوم کے لئے ایک

سخت ٹھوکر +

اِن حالات میں یہ کبھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ایشیائی قوموں میں یورپین قوموں کے مقابلہ کی سکت ہے ع

این خیال است و محال است و جنوں

بجائے اس کے کہ ایشیائی قومیں اَور مشاغل میں مشغول اور مصروف ہوں اُن کا فرض ہے۔ کہ بہ طریقۂ اقوام یورپین نظام ملت کی بنیاد رکھیں اور یورپین قوموں سے سبق لیں +

اُن رسموں اور اُن رواجوں کا کھنڈن کریں جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتے ہیں۔ اور جو اس راہ میں بُری طرح سے حارج ہیں۔ چونکہ مذاہب کا دلوں سے زیادہ تر تعلق ہے۔ اِس لئے دنیوی اور ملکی معاملات میں اُس درجہ تک اُن کا دخل رہنا چاہئے۔ جہاں تک عاقبت سے واسطہ ہے +

جب ایشیائی قومیں اِس درجہ تک پہنچ جاویں گی۔ تو اُس وقت یہ کہا جاویگا کہ اُن میں بھی کوئی نظام ملت ہے۔ جب تک یہ درجہ نہ حاصل ہو۔ تب تک ہر ایک قسم کی ملکی و قومی کوشش بے سود ہی ثابت ہوگی +

اگر یہ رسم و رواج قومیت کے خاصے ہیں۔ تو اُنہیں قوم کی خاطر اور ملک کے واسطے اُس حد تک باقی رکھا جاوے۔ جہاں تک کہ وہ قوم کے موجودہ حالات کے موافق مناسب ہوں۔ لوگ یہ تو چاہتے ہیں۔ کہ ہم یہ ہوں اور وہ ہوں۔ لیکن اِس طرف جاتے ہی نہیں۔ کہ

"اُنہیں کون سے موانعات اصلی ترقی سے روکتے ہیں" +

"اور دراصل اُنہیں کن باتوں کی ضرورت ہے" +

یہ کہنا کہ اور قومیں ہماری ترقی کی حارج ہیں۔ درست نہیں۔ ہم خود اپنی

ترقی کے حارج ہیں۔ہم خود اُس کے راستہ میں روڑے اٹکاتے ہیں +

لوگ کہتے ہیں۔کہ

قوموں میں اتفاق کیسے ہو اور کس طرح مختلف مذاہب کی قومیں ایک ہی سٹیج پر آجاویں۔لیکن کبھی یہ بھی بحث کی گئی ہے۔کہ ایسی مختلف قومیں ایک ہی پلیٹ فارم پر کس طرح رہ سکتی ہیں۔موجودہ مذہبی مناقشے ہمیشہ ایک قوم کو دوسری قوم سے دور ہی دور رکھتے ہیں۔اور اُن میں آشتی کی روح پھنکتے پھنکتے رہ جاتی ہے۔سب سے اول یہ لازمی ہے۔کہ لوگ ایک دوسرے کے مذہب کا ادب کریں۔اور جو بحثیں ہوں۔وہ ایک سلیقہ سے کی جاویں۔اور اُنہیں ملکی اغراض سے دور رہنے دیا جاوے +

بے شک مذاہب نظام ملت کے مانع نہیں ہیں۔مگر اُس میں حارج ضرور ہیں۔ہماری بڑی کوشش یہی ہے۔کہ ہم اِس وجہ سے محفوظ رہنے کی عملی تجویزیں سوچیں جب تک اُن راہوں سے منزل طے نہ ہو۔تب تک کسی فلاح کی اُمید نہیں کرنا چاہیئے +

بعض لوگوں کی یہ رائے بھی ہے کہ جب تک قومیں آپس میں ناطہ و نسبت نہ کریں۔اور اُن کا خورد و نوش کھلے طور پر نہ ہو جائے تب تک نظام ملت قائم ہی نہیں ہو سکتا۔یہ بھی کسی قدر درست ہے۔اور اُس سے زیادہ تر یہ کہ سب کا مذہب ہی ایک ہو جاوے۔لیکن اول اول یہ لازمی ہے۔کہ

اُن میں اغراض کا مشترکہ قانون پایا جاوے۔اور وہ باوجود اِن سب اختلافات کے بھی اُن کے حامی ہوں۔یہی اصلی نظام ملت ہے +

حاجی نظام ملت

شریمان سوامی وویکانندجی

از مسٹر شانتی نارائن رائے زادہ

مبارک ہیں وہ انسان کہ مرہوانساں کر اتے ۔ جو بہبودی کا اپنے ملک کی بیڑا اُٹھاتے ہیں
زباں پہ ہر کس و ناکس کی ان کا نام ہوتا ہے ۔ ہر اک مجمع میں ان کے کارنامے گائے جاتے ہیں

گذشتہ صدی میں بدقسمت آریہ ورت کو اس کی گری ہوئی حالت سے اُٹھانے خفتہ بخت آریہ جاتی کو خواب غفلت سے جگانے ۔ بدنصیب رشی تپروں کو چاہِ ذلالت سے نکالنے اور اگیان وجہالت کے اندھیرے غار میں گرتی ہوئی ہندو جاتی کو سنبھالنے کا پاک مشن جن پوتر آتماؤں نے اپنے سر پر لیا ۔ ان میں سے شریمان سوامی وویکانندجی بھی ایک ہیں ۔ آپ نے بھارت ادھار کے متعلق جو کام سرانجام دیا ہے ۔ وہ تقریباً سب کا سب پنجاب سے باہر ہوا ہے ۔ اس لئے پنجاب میں عوام آپ کے نیک نام اور پوتر کام سے بہت ہی کم واقف ہیں ۔ اور اسی وجہ سے ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ اہل پنجاب کو آپ کی ملکی خدمات سے قدرے واقفیت دلائی جائے اور بتلایا جائے ۔ کہ آپ کے پوتر ہردے میں دھرم بنی نوع انسان اور تمام کائنات عالم کا پریم ہوتے ہوئے بھی اپنی پوتر ماترِی بھومی کا پریم کیسا زبردست تھا اور کس طرح پر آپ اپنی پیاری ویر جننی ماترِی بھومی کی گری ہوئی حالت پر آنسو بہاتے تھے ۔ کس طرح آپ نے خود اپنی پیاری بھارت ماتا کی سیوا کی ۔ اور کس طرح ہمیشہ جب تک جئے آپ اپنے متروں اور دوستوں کو اس پوتر کام کے لئے اکساتے رہے ۔

رسالہ آزاد میں اتنی گنجائش تو کہاں ۔ کہ آپ کی زندگی کے پورے واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے ۔ اور اُن سے کارآمد نتائج نکالے جائیں ۔ لیکن ہاں اس قدر

ممکن ہوسکتا ہے۔ کہ جب تک آپ کی کوئی سوانحعمری طیار ہو۔ جو کہ اس کمی کو پورا کر سکے آپ کی زندگانی کا ایک آدھ واقعہ لے کر اس سے کچھ نتیجہ اخذ کر کے ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور کسی دوسری کتاب کی عدم موجودگی میں یہ بھی جو کچھ ہو گا غنیمت ہو گا +

آپ کا جنم ۹ رجنوری ۱۸۶۲ء میں ایک نہایت ذی حیثیت کائستھ خاندان میں ہوا۔ جو کہ سمونیا کاوت خاندان کہلاتا تھا۔ اور آپ کا نام نریندرو ناتھ دت رکھا گیا۔ آپ اپنے داداجی کے بہت ہمشکل تھے۔ یہ مہاتما بھی زندگی کے آخیر حصہ میں سنیاسی ہو گئے تھے۔ آپ کے پتاجی کا نام وشوناتھ دت تھا۔ اور وہ کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک مشہور اٹارنی تھے +

آپکی والدہ ماجدہ نہایت عاقلہ اور دوراندیش تھیں۔ اِن کا حافظہ بلا کا تیز تھا۔ جس بھجن کو ایک مرتبہ سُن لیتی تھیں۔ وہ اِن کی نوک زبان ہو جاتا تھا۔ یہ دیوی اب تک حیات ہیں۔ اِن میں پرماتما بھگتی کے ساتھ ساتھ دیش بھگتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے حال ہی میں جبکہ اِس دیوی کے چھوٹے سپوت کو جن کا نام نامی شری یت بھوپندرو ناتھ دت ہے۔ اخبار یگانتر کی ایڈیٹری کرتے ہوئے اپنے پیارے وطن کی خدمت ادا کرنے کے جرم میں دو سال کی قید سخت کی سزا ہوئی۔ اور یہ خبر اِس دیوی کو پہنچائی گئی۔ تو اُنھوں نے رنج وغم ظاہر کرنے کی بجائے اپنی سپوت کی عزت افزائی پر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور نہایت دلی مسرت کے ساتھ کہا۔ کہ پرماتما کا ہزار ہزار شکر ہے جو میری اولاد اِس طرح اپنی ماتری بھومی کی خدمت میں اذیت اُٹھا رہی ہے لیکن اپنے پاک فرض کی ادائیگی سے نہیں ٹلتی۔ یہ در اصل اِسی ویر جننی ماتا کی تعلیم کا اثر ہے۔ جس سے اثر پذیر ہو کر شری یت نریندروناتھ المعروف سوامی وویکانندجی اور شری یت بھوپندروناتھ اِس طرح پر اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے قربان

ہوئے۔ مبارک ہیں وہ پوتر ماتائیں جو اپنی اولاد کو اس طرح ملکی اور قومی مفاد پر قربان کرنے کے لئے ہردم طیار رہیں۔ جب تک ہندوستان کے اندر ایسی ایسی ماتائیں موجود ہیں۔ تب تک دنیا کی کوئی انسانی یا شیطانی طاقت بھارت کو نیست و نابود نہیں کر سکتی +

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوامی جی مہاراج بچپن ہی سے نہایت ہونہار اور راستی پسند تھے۔ کیونکہ ایسی پاک دیوی کے بطن میں کب کوئی ایسی روح قیام کر سکتی ہے جو کہ ایسی نہ ہو۔ جوانی میں آپ کی غور و خوض اور نکتہ چینی کی یہ حالت تھی۔ کہ آپ نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں دنیا کے مایہ ناز ہربرٹ سپنسر جیسے استاد زمانہ فلاسفر کے فلسفہ پر بھی نکتہ چینی شروع کر دی۔ فقط یہی نہیں۔ کہ اپنے ہم جماعت طلبا یا احباب میں ہی اس فلاطون وقت کے اصولوں پر آپنے رائے زنی کی ہو۔ بلکہ آپنے نہایت جرأت اور دلیری سے خود ہربرٹ سپنسر صاحب کے پاس بھی اس کے فلسفہ کی نسبت اپنی رائے لکھ بھیجی۔ رشی سپنسر اس نوجوان کی جولانی طبع اور فہم رسا کے کمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اس تحریر کا نہایت حوصلہ افزا جواب دیا۔ اور آخر میں نصیحت کی کہ ہمیشہ راستی اور سچائی کی تحقیقات میں اسی طرح لگے رہو۔ کیونکہ

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

ایام طالب علمی میں مغربی فلسفہ کا مطالعہ یہ رنگ لایا۔ کہ آپ دہریے اور ناستک بن گئے بعد ازاں کالج سے نکلکر آپ برہم سماجیوں میں شامل ہوئے اور انکے فیض صحبت کی بدولت دہریہ پن سے چھوٹے۔ مگر بعد میں برہم سماج کی تعلیم بھی آپ کے دلی اطمینان کے لئے ناکافی ثابت ہوئی۔ اور اس لئے آپ نے جلد ہی اسے بھی خیرباد کہا۔ اور کسی بہتر راستہ کی تلاش میں مصروف ہوئے +

مثل مشہور ہے - جویندہ یابندہ - آخرکار بعد سرگردانیٔ بسیار آپ کو اپنے ایک رشتہ دار کی بدولت پرم ہنس مہرشی رام کرشن جی کا دیدار نصیب ہؤا اُس وقت آپ اپنے دلی بیقراری سے بہت تنگ آئے ہوئے تھے - اور ہر طرف سے مایوس ہو چکے تھے - مہرشی کے درشنوں نے ہی آپ پر وہ اثر کیا کہ گورو نانک دیو جی کا بچن ع

بسر گیا میرے من کا سنشی جب تیرو درشن پایو رام

آپ پر بالکل صادق آیا - رشی بھی آپ کو دیکھتے ہی جان گئے - کہ

آ گئے جن کی انتظاری تھی +

رشی نے پوچھا کہو بچہ کچھ گانا جانتے ہو - آپ نے جواب دیا " ہاں مہاراج اپنا چت پرسن کر لیتا ہوں " رشی نے کہا " تو اچھا ہمارا چت بھی پرسن کرو "

یہ سن کر نوجوان نریندر نے اپنی سریلی اور دلکش آواز سے بھگتی اور پریم رس میں بھرے ہوئے دو تین بھجن گائے - پرم ہنس جی پر انکے سنتے ہی حالت راقبہ طاری ہو گئی - کچھ عرصہ بعد جب سمادھی ٹوٹی - نریندر اِن سے رخصت ہؤا - رخصت ہوتے ہوئے پرم ہنس جی نے کہا کبھی اکیلے آنا +

نریندر کا پرم ہنس جی کے پاس آنا جانا شروع ہؤا - جس کا نتیجہ یہ ہؤا - کہ چند ہی روز کے بعد وہ اِن کا چیلا ہو گیا - اِس کے سارے شکوک دور ہو گئے مرشد کامل نے طالب حقیقت کو وہ راز معرفت بتائے کہ اس کا مقصد دلی حاصل ہؤا +

کچھ عرصہ بعد پرم ہنس جی کا چولا چھوٹا - نریندر ناتھ جو کہ مدت سے ودیک (غور و خوض) میں آنند (خوشی) پانے والا ودیکانند ہوتے تھے - کنج تنہائی میں ریاضت کے مزے لوٹنے کے لیئے ہمالہ کی چوٹیوں پر جا چڑھے - اور کچھ عرصہ تک عبادت اور ریاضت میں مصروف رہے - اور خلق خدا کی خدمت کے لیئے اپنے اندر طاقت پیدا کرتے رہے - بعد ازاں اپنی کُٹی سے نکلے - اور اپنے متبرک مشن

میں لگ گئے +

آپ مدراس میں اپنے پوتر مشن میں مصروف تھے۔ کہ چکاگو کی مذہبی کانفرنس کی دھوم مچی۔ اہل مدراس نے آپ کو ہندو دھرم کا وکیل بنا کر امریکہ بھیجنا چاہا۔ آپ کو کب انکار تھا۔ فوراً طیار ہو گئے۔ وہاں پہنچکر آپ نے وہ دھوآں دھار لیکچر دیئے۔ کہ ہر شخص کی زبان سے بے تحاشہ تحسین و آفرین کے کلمے نکل پڑے اخبارات میں آپ کی لیاقت اور قابلیت کا ڈنکا بجنے لگا۔ سارے امریکہ میں آپکی دھوم مچ گئی۔ نیویارک ہیرلڈ نے لکھا۔ کہ "اس میں بالکل شک وشبہ کی کسی کو گنجایش نہیں۔ کہ ساری کانفرنس میں سوامی وویکانندجی سب سے زیادہ قابل تعظیم شخص ہیں۔ آپ کی عالمانہ تقریر سن کر ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس عالم قوم کی اصلاح کے لئے جس میں ایسے ایسے عالم و فاضل آدمی موجود ہیں۔ عیسائی مشنری بھیجنا کیسا فضول ہے" +

شہر شہر کے باشندوں نے آپ سے تشریف آوری کی درخواست کی۔ اور آپ نے اپنے امرت اپدیشوں سے اُن کی صداقت کی پیاس کو بجھایا۔ کئی ایک آدمیوں نے نہایت دلی عقیدت سے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ امریکہ سے آپ انگلستان تشریف لے گئے۔ انگلستان میں آپ سے پہلے ہی آپ کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ وہاں بھی آپنے اپنے اصولوں کا خوب پرچار کیا۔ وہاں سے آپ فرانس ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔ ہندوستان میں آکر آپ نے اپنے تجربہ سے لوگوں کو فیض یاب کرنا شروع کیا۔ اور کئی سال تک جنوبی ہندوستان میں لگاتار کام کیا۔ جس کا اثر آپ کی صحت پر بہت خراب ہوا۔ اور آپ کو ڈاکٹروں نے بھی امریکہ وغیرہ جانے کا مشورہ دیا۔ اور آپ دوبارہ امریکہ تشریف لے گئے۔ سمندر کے سفر نے آپ کی صحت پر حیرت انگیز اثر کیا۔ اور جلد ہی آپ پھر تندرست

ہو گئے۔ اور آپ نے اپنا کام شروع کیا +

اِس اثنا میں پیرس میں مذہبی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ آپ کو نوید آیا۔ یہاں کسے انکار تھا۔ بقولیکہ ع

کوئی آتا ہے پیروں سے ہم آئیں اپنی آنکھوں سے

فوراً وہاں پہنچے۔ اور وہ نام پایا۔ کہ باید و شاید۔ فرانس میں آپ کو بہت محنت سے کام لینا پڑا۔ پھر صحت خراب ہو گئی۔ اور آپ ہندوستان سے جیسے گئے تھے اِس سے بھی خراب صحت لیکر واپس آئے +

مگر اس بیماری نے آپ کے کام کرنے کے شوق کو اور بھی تیز کیا۔ اور آپ نے غالباً اِس خیال سے کہ زندگی کے جو کچھ تھوڑے سے دن باقی ہیں۔ اِن میں جتنا کچھ بھی ہو سکے اپنے پیارے ملک کی خدمت کر لی جائے۔ بیماری کی طرف سے بیفکر ہو کر کام کرنا شروع کیا۔ اِس عرصہ میں آپ کی خدمت میں جاپانیوں کا ایک ڈیپوٹیشن حاضر ہوا۔ جس نے آپ سے جاپان تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ مگر آپ نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے اِن سے معافی مانگی۔ اِس طرح آخر وقت تک اپنا پوتر کام کرتے ہوئے اور اپنے امرت اپدیشوں سے طالبانِ حقیقی کی پیاس بجھاتے ہوئے آپ ۴ جولائی ۱۹۰۲ء کو پرلوک سدھارے +

آپ قومی بیماریوں کی شناخت میں حکیم حاذق کا رتبہ رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ آپ نے یورپ اور امریکہ کے مادہ پرستوں کو جو تعلیم دی۔ چھوٹے ویراگ میں پھنسے ہوئے ہندوستانیوں کے لئے وہ تعلیم غیر ضروری سمجھ کر انہیں اور تعلیم دی۔ آپ نے یورپ کو بتلایا۔ کہ دنیا میں صرف مادہ ہی مادہ نہیں۔ بلکہ اِس سے بھی لطیف تر طاقت ایک اور بھی ہے جس کی دریافت اور تسخیر کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ وہ طاقت "روح" ہے اور اب مادی دنیا کی تسخیر کر کے روحانی

دنیا کی تسخیر کی فکر کرنا چاہیئے +

مگر ہندوستانیوں کو آپ کی تلقین یہ تھی - کہ تم ابھی جیو اور برہم کی خصوصیت کے لیئے ہاتھ پر مت مارو - تمہاری یہ کوشش فضول ہے - مادہ جیو اور برہم یہ تین سیڑھیاں ہیں - برہم سب سے اونچی سیڑھی ہے - جب تک مادہ اور ازاں بعد جیو کی طاقتوں کا پورا پورا علم نہ ہو جائیگا - برہم گیان اگر ناممکن نہیں - تو سب سے زیادہ مشکل تو ضرور ہی ہے - تمہارے لیئے یہی ضروری ہے کہ تم برہم پراپتی کے لیئے اور مادے کی سیڑھی طے کرو - ازاں بعد جیو کی ازاں بعد کہیں - برہم کی پہچان نصیب ہوگی - برہم کی پہچان اور اس کی قربت تمہارا معراج ہے - اسے ہرگز نظر انداز نہ کرو - مگر مادے اور جیو کی طاقتوں پر حکومت حاصل کرنا برہم پراپتی کے سہل سادھن ہیں - ان کے ذریعہ سے تم بہت آسانی سے برہم تک پہنچ سکتے ہو +

آپ ہندوستانیوں کے لیئے سب سے پہلا کام روٹی کا پیدا کرنا خیال کرتے تھے - کیونکہ آپ کا یہ خیال تھا - کہ بھوکا انسان اور کوئی کام نہیں کر سکتا - اسلیئے آپ نے اپنے ایک خط میں یہ تحریر کیا تھا :-

"ہم مادی شایستگی کے برخلاف بیہودہ تقریریں کرتے ہیں - اگر اس بیہودگی کو صحیح تسلیم بھی کر لیں - تو بتاؤ تمہارے ملک میں کتنے ہزار مرد و عورات ہیں جو روحانی کہے جا سکتے ہیں - اب کہو - کیا ان کے روحانی بنانے کے لیئے ضروری ہو کہ تیس کروڑ آدمی وحشی - جاہل اور فاقہ کش بنائے جاویں - آخر وہ کیوں کتوں کی موت مریں - اگر یہ روحانی ڈھکوسلہ نہ ہوتا - تو کیا مسلمان ہندوؤں کو فتح کر سکتے - دوستو یہ صرف مادی تہذیب کی ناواقفیت تھی - جس نے تمہاری گردنوں میں غلامی کا طوق پہنایا مادی ترقی کی ضرورت اور بھی ہے - تاکہ غریب محتاج - مفلس - تلاش اور محتاجوں کیلئے عمدہ روزگار پیدا کیا جائے +

روٹی - روٹی - میں اس ایشور پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا - جو مجھے اس دنیا میں روٹی نہیں دیتا - اور عقبےٰ میں جاودانی راحت عطا کرنے کی امید دلاتا ہے - واہ - کیا کہتا ہے - میرے بچو - تمہیں ہندوستان کو اٹھانا - اس کے محتاج بچوں کو روٹی دینا - تعلیم پھیلانا - اور پجاریوں کے ناپاک اور غلیظ نک کو پاؤں سے کچل ڈالنا ہے - پوجاری پن کی ضرورت نہیں - سوشیل غلامی کی ضرورت نہیں - ضرورت ہے صرف روٹیوں کی - ہر شخص کو ترقی کا موقعہ ملنا چاہیئے - وہ مرد کبھی آزادی کا مستحق نہیں - جو اوروں کو آزادی دینے کے لئے طیار نہیں ہے" +

پیارے ناظرین - گنجایش نہیں - کہ سوامی جی مہاراج کی تعلیم و تلقین مفصل آپ کے سامنے پیش کی جائے - اِن چند سطور پر غور کیجئے - اور ایک ایک لفظ میں دیکھئے کہ کتنے سبق ہیں - مہاتماؤں کی زندگیاں ہمیں کامیابی کا راستہ دکھلاتی ہیں - پرماتما ہمیں بل دیں - کہ ہم سوامی جی کی تعلیم سے متاثر ہو کر ہندوستان کے اُٹھانے کے متبرک کام کو اپنے سروں پر لیں - اور اِس کے محتاج بچوں کے لئے روٹی بہم پہنچانا اپنا فرض سمجھیں - پرماتما ہمیں طاقت دیں - کہ ہم گورنمنٹ کی وفادار رعایا بنکر غلامی سے اپنے بھائیوں کو آزادی دلانے میں کامیاب ہوں - کسی شخص کی آزادی کے راستہ میں سدراہ نہ بنیں - تاکہ ہم بھی ایک دن غلامی سے آزادی پاسکیں +

شانتی نارائن

زندہ جاوید رام

از مسٹر ہرگوبند پرشاد نگم ایم۔ اے دہلوی

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

ہمارا محسن شفیق۔ ہمارا محب رفیق پیارا رام جس کی ایک الفت بھری نگاہ دلوں کو موہ لیتی تھی۔ اور جس کا ایک نعرۂ "اوم" ہزارہا مردہ دلوں میں راستی اور نیکی کا بیج بو دیتا تھا۔ جس کے درشن سے انسان نیک بنتے تھے اور جس کی صحبت آدمی کے چال و چلن کو ٹکسالی اور مثالی بنا دیتی تھی۔ ہم سے قریب قریب ایک سال کے ہوا ہے روپوش ہوگیا۔ دس مہینے سے زیادہ ہو گئے۔ کہ اُس بلبل ہزار داستان کی میٹھی میٹھی آواز مشتاق کانوں میں نہیں پڑی اور نرگس وار دارہ کو ہای منتظر آنکھوں نے اُس بدر کامل کے نورانی چہرہ کا جلوہ نہیں دیکھا۔ جس کی شعاعیں گذشتہ ماتمی دس ماہ کے قبل ہزاروں آنکھوں کو نورانی بناتی تھیں اُس گلِ رعنا کی خوشبو خوش گوار نے اس عالم اسفل کو مدت ہوئی معطر کرنا چھوڑ دیا +

اس بلبل خوش گو نے ابھی اس چمن سے پرواز کیا ہی تھا۔ کہ تمام "نیچر" نے ماتمی لباس خزاں زیب تن کیا۔ اور کوہ و دامن اشجار و انہار سے یہ وحشت انگیز صدائیں آنے لگیں۔ کہ ہمارا عاشق زار ہمارا دلدادہ و شیفتہ ہم پہ مرنیوالا آج ہم سے جدا ہوگیا۔ مدت سے جسکے وصل کے واسطے تڑپتے تھے۔ آیا اور دو روزہ خوشی بخشکر پھر چلتا پھرتا نظر آیا۔ تیری جدائی نے ہمارے شگفتہ دلوں پر وہ چوٹ لگائی ہے۔ کہ ناگفتہ بہ۔ اِس سے تو بہتر تھا۔ کہ وصل کے انتظار ہی میں رہتے۔ تاکہ جدائی کے صدمے سے تو محفوظ ہوتے ہائے وصل کے مزہ کو بھی اچھی طرح سے محسوس نہ کیا تھا۔ کہ ہجر کا صدمۂ جانکاہ ہماری جان

کے واسطے موجود ہو گیا۔ خیر معشوقوں کا ماتم بین و بکا تو عارضی ہوتا ہی ہے۔ سنگین دل نیچر نے تو چار ماہ ہی کے بعد اپنی ماتمی پوشاک کو پھاڑ کر پھر اپنا لباس بہار زیب تن کیا۔ وہی سُرخ سُرخ پھول ہرے ہرے پتے اور لہلہاتی ہوئی سبزی کے پردوں میں چھپ چھپ کر اپنی چھب دکھانے لگی اور عاشقوں کے دلوں میں جوش جنوں پیدا کرنے لگی۔ مگر رام پیارے رام تو ہی تو بتا۔ کہ اُن دلوں کی خزاں کو کونسی بہار دور کر سکتی ہے۔ جو جانتے ہیں۔ کہ تیرا وجود تیرے ملک کی ملکی و دینی خزاں کیواسطے بہار تھا۔ کاش کہ موجودہ وحشت انگیز ملکی واقعات پر تیری دوربین اور وسیع نظر پڑتی تو ہمارے مخزن اور مردہ دلوں کو اپنی ذاتی خوش نفسی سے مسیحا وار تازہ روح بخشتا۔ اور ہم کو اپنی خرزہ پیشانی سے ادم گا کر بتلاتا۔ کہ ع

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

کچھ امیدیں پیدا ہوتیں۔ کچھ طبیعتیں ٹھٹھتیں۔ ادھر تیری زندہ مثال خود ایثاری نفس کشی اور محبت عالم کا سبق ہر روز تازہ پڑھا کر مایوسی سے بچاتی اور کہتی۔ ؎

گلگیر صفت جو سر تراشیں گے عدو
نام اپنا بھی مثال شمع روشن ہوگا

رام کی جدائی کا صدمہ اُس کی صحبت پاک اور تلقین ابھی سے جو دنیا کو فیض پہنچ رہا تھا۔ اُس کا رنج۔ اپنے ملک کی ملکی حالت اور موجودہ تکالیف اور بدبختی جس نے بڑے بڑے لایق مدبروں کے دلوں کو سیاہ اور بڑے بڑے انصاف پسندوں کو۔ غافلوں کو بیوقوف اور غیر انصاف پسند بنا دیا۔ اور غرض ایسے ہی بہت سے آلام کے خیالات پریشان کتی میں محوط تھا۔ کہ عالم خواب میں گذر ہو گیا۔ تو کچھ نئے عقدے کھلنے شروع ہوتے۔ اور دیکھا۔ کہ ایک چمن وسیع میں سیر کر رہا ہوں۔ اس پھول کو دیکھتا ہوں۔ اُس پھول کو دیکھتا ہوں۔ مگر طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ کہ یکایک سامنے

نظر اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہی مسکراتا ہوا چہرہ۔ وہی اوم گاتے ہوئے لب۔ وہی محبت بھری نگاہیں۔ وہی ملے ہوئے ہاتھ جو ہر کس و ناکس کو اتحاد اور یک جہتی اور وحدہٗ لاشریک کا سبق پڑھاتے ہیں۔ کثرت میں وحدت دکھاتے ہیں۔ وہی سنہری چشمہ صاف رنگ جس میں سے رام سب کے وجود اصلی کو دیکھتا تھا۔ تخت نور پر جلوہ کناں سامنے موجود ہے۔ سر تسلیم خم ہو گیا۔ پاک قدموں کو بوسہ دیکر اپنی زندگی کو پاک کیا۔ اور چشم زدن میں اپنے آپ کو پیارے رام کے آغوش میں پایا۔ ایک حس۔ ایک مسکراہٹ۔ ایک لب کے اشارہ سے تمام کلفتیں دور ہو گئیں اور تمام آلام خیرباد کہہ گئے۔ امید کا خوش رو چہرہ سامنے نظر آنے لگا۔ کیونکہ رام نے اپنے دہن مبارک سے فرمایا ؛

"کیوں جی موت کی چاہت کو اتنی جلدی بھول گئے۔ رام کو کون مار سکتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ نہیں تم میں موجود ہوں۔ پورن و نارائن و ہری وغیرہ سب میرے ہی تو وجود ہیں۔ مایوسی کو ہرگز جگہ نہ دو۔ تکالیف کو مردانہ وار برداشت کرنا انسان کو بزرگ بناتا ہے۔ اور جس قوم میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے لئے وہ باعث افتخار رہتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد سوامی رام فارسی کی مفصلہ ذیل غزل کے اشعار مست ہو ہو کر پڑھنے لگے ؛

تا شانہ صفت سر ننہی در تہ ارہ — ہرگز بہ سر زلف نگارے نرسی
تا ہمچو در سُفتہ نگردی با تار — ہرگز بہ بناگوش نگارے نرسی
تا خاک ترا کوزہ نسازند کُلالاں — ہرگز بہ لب لعل نگارے نرسی
تا ہمچو قلم سر ننہی در تہِ کارد — ہرگز بہ سر انگشت نگارے نرسی
تا ہمچو حنا سودہ نگردی تہِ سنگ — ہرگز بہ کفِ پائے نگارے نرسی
؎ خاک در چشمے کہ او نشناخت حسن خویش را — مردہ آں دل کو باگرداں نشد درویش را

اور میں بھی کچھ ایسا بیخود ہو گیا۔ کہ دنیا و ما فیہا کی مطلق خبر نہ رہی۔ طبیعت کو شانتی نصیب ہوئی۔ دل کی تمام وحشت دور ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو خیر وہ دل خوش کن منظر تو پیش نظر نہ تھا۔ نہ وہ موہنی صورت سامنے تھی۔ مگر دل بیقرار کو قرار تھا۔ کہ رام میرے پاس میری ہر وقت رہنمائی کرنے کو موجود ہے۔ اور یہ کہ ہم میں ہی پاک اخلاق یقین خود داری و خود ایثاری کی کمی ہے۔ جس روز یہ باتیں ہم میں ہوئیں۔ تو ہم بھی مثال دیگر اقوام کے دنیا کی افضل قوموں میں تصور کئے جانے لگینگے اور آزادی ہاتھ باندھ کر زر خرید لونڈی کی طرح ہمارے روبرو کھڑی ہوگی +

رام کا مبارک ذکر احباب سے آیا۔ معلوم ہوا۔ کہ زندہ جاوید سوامی کا خاص گاؤں جس میں اس بزرگ منش کی ولادت ہوئی تھی۔ اور ان کے والد ماجد جو ابھی حیات ہیں۔ یہاں سے بالکل قریب ہیں۔ جنم اشٹمی کا یوم سعید بالکل قریب تھا مصمم ارادہ کیا۔ کہ اس پاکیزہ روح کی جنم بھومی اور اس پاک نفس کے دنیاوی جنم داتا کے درشن کرنا سعادت ہے۔ چلو جنم اشٹمی جو سری کرشن چندر مہاراج کی ولادت کا یوم ہمایوں ہے۔ اس سے بہتر اور کونسا دن ہوگا۔ جو رام کی جنم بھومی کو دیکھیں اور جنم اشٹمی کے واسطے اور اس سے بہتر کیا مشغلہ ہوگا۔ کہ موجودہ صدی کے سب سے بڑے آدمی کی جنم بھومی کے درشن کریں۔ میرے دوست مجھ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ کہ میں نے اس پاک استھان کے درشن کئے۔ اور اس امر کا افسوس کرتے ہیں۔ کہ وہ اس سعادت سے بوجہ دوری کے معذور رہے +

جنم اشٹمی کا روز ہے۔ آخری شب میں چاندنی کھل رہی ہے۔ مشتاقان کو بےچینی ہے۔ کہ الٰہی کب صبح ہو۔ اور کب کوئے جاناں کی طرف "لاونڈہ" کی ٹھہرے بار بار کروٹیں بدل رہی ہیں۔ اور ہر کروٹ پر آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور چاندنی کے پھیکے پن سے صبح کا گمان ہوتا ہے۔ تکیہ کے نیچے سے گھڑی کو اٹھا کر دیکھا۔ دو

بجکر ۲۵ منٹ "خیر قہر درویش برجان درویش" پھر آنکھیں بند کیں۔ سونے کا ارادہ کیا۔ مگر نیند کہاں۔ پھر کروٹ لی۔ گھڑی کو ملاحظہ کیا۔ ابھی دو بجکر ۳۲ ہی منٹ ہوئے۔ گھڑی کو کان سے لگایا۔ کہ شاید بند ہو گئی ہو۔ غرض کشاں کشاں ساڑھے تین پر ظالم سوئی پہنچی۔ پھر تاب کجا۔ چادر پھینک نشت نیم کا بندوبست کیا۔ چار بجے ساڑھے چار بجے اخبار صادق ول کی آمد کا انتظار رہے۔ ادھر کوئے یار کا خیال باربار ہے۔ زندہ جاوید سوامی کی انگریزی کتاب Balanced Reformer سامنے ہے۔ چند اخبار آ گئے ہیں۔ مضامین نفیسہ کا بیان ہے۔ بحث ہے۔ تفہیم و تحصیل کا خیال ہے۔ غرض خدا خدا کر کے تمام مجمع جمع ہوا۔ اور سفر کی ٹھن گئی ؎

علی الصباح چو مردم بکار روند
بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند

صبح کا سہانا سماں رام کا ذکر ۸ میل کا راستہ چشم زدن میں طے ہوا۔ اور "مراری والا" (کیونکہ یہی سوامی رام کے گاؤں کا نام ہے) پہنچ گئے۔ تمازت آفتاب نے بولا دیا تھا۔ لالہ سکھدیال سنگھ صاحب وکیل کے باغ میں استراحت کی ٹھہری۔ کنواں چل رہا تھا۔ جل بھی ٹھنڈا تھا۔ اشنانوں کا لگا لگ گیا۔ لالہ صاحب موصوف کے گاؤں اور آدمی کیسے ہوا کرتے ہیں۔ ایک بزرگ عمر رسیدہ اہل اسلام صاحب کہ کنوئیں پر نہانے کے واسطے تشریف لائے تھے یوں ہم کلام ہوئے +

عمر رسیدہ۔ آپ سب صاحب سیاح معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے جب آپکے مجمع کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو خیال کیا۔ کہ آپ سیاح ضرور ہیں۔ مگر کسی کے توسّل سے آئے ہونگے۔ مگر آپکے یہاں مقیم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

کسی کے مہمان نہیں ہیں۔ لہذا اگر قصور معاف ہو۔ اور دعوت کو رد نہ کیا جائے تو خادم کو اپنی میزبانی کا فخر بخشیں۔ اللہ اللہ یہ اخلاق۔ یہ حلم او عجز شان ایزدی نظر آتی ہے۔ کہ کیسے کیسے بندے تو نے پیدا کیئے ہیں۔ پشت وست درد ہا ل ششدر و حیران تھے۔ اور فقرے عذر کر رہے تھے۔ کہ نہیں جناب آپ کے تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم پندرہ بیس آدمی ہیں۔ آپ کو بیجا تکلیف ہو گی +

عمر رسیدہ۔ جناب یہ کیا فرمایا۔ اگر دو سو ہوں۔ تو کیا پرواہ ہے۔ ایک روز کے واسطے آپ آئیں۔ اور اتنی بڑی بستی میں آپ کو خرید کر کھانا کھانا پڑے۔ یہ ممکن نہیں +

خیر۔ میں آپ سے صرف یہ دریافت کرتا ہوں۔ کہ آپ کے اُس ملازم کا کیا نام ہے جو سامان لینے گیا ہے +

ہم نے اور زیادہ عذر کیا۔ کہ صاحب معاف ہی فرمایئے۔ اور نام ملازم بتانے میں ذرا تامل کیا۔ تو آپ نے ہنسکر فرمایا۔ جناب میں اس سے سامان چھین لونگا۔ نہیں نام بتائے حرج ہی کیا ہے۔ خیر نام بتایا گیا۔ اور صاحب موصوف نے اپنے دو ہندو دوستوں کو ہر اک طرح کا بندوبست کرنے کے واسطے فرما دیا۔ کہ اتنے ہی میں ہمارے ہمراہیوں میں سے ایک صاحب کے ایک ہم جماعت اِن کو مل گئے۔ اور تشریف لائے تو نہایت خفا۔ نوجوان آدمی شریف طبع۔ شریف صورت آتے ہی آپ نے شور مچایا۔ "کیا مجھ کو مردہ یا محتاج تصور کر لیا تھا۔ کہ میں آپ کو ایک روز "ٹکڑ" نہیں کھلا سکتا۔ چلئے مکان ہی پر آرام فرمایئے۔ اور دال روٹی روکھی سوکھی کھا پی کر سوامی جی کے دالان کے درشن ٹھنڈے وقت کیجئے گا۔ اتنے ہی میں آپ کے ملازم [illegible]

صاحب سے ہوئی۔ تو ہم تو سب چپ۔ مگر آپس میں ہونے لگی۔ اہل اسلام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ واللہ یہ لوگ میری دعوت قبول کر چکے ہیں۔ تمہارے مہمان کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ غریب کہتا ہے۔ کہ جناب جب میں تمام انتظام بہت آسانی سے کر سکتا ہوں۔ تو آپ کے تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ غرض بہت کش مکش کے بعد ہمارے تیزطبع دوست صاحب سن وسال پر سبقت لے گئے۔ اِن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ مسلمان صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس تھے۔ اب پنشن پاتے ہیں۔ اور ایک لطیفہ یہ ہوا۔ کہ ہمارے نوجوان دوست عنقریب محکمہ پولیس کے مدرسہ تعلیم قواعد میں جانے والے تھے۔ اور سب انسپکٹری کے اُمیدوار۔ اب فرمایئے آپ کیونکر یہ کلیہ نتیجہ نبنع کر سکتے ہیں۔ کہ تمام پولیس والے بدذات ہوتے ہیں۔ درحالیکہ ایسے ایسے شریف اُس محکمہ میں ہو چکے ہیں۔ اور ایسے ایسے شریف اور شریک ہونے کو ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ چند بدنام کنندگان نیکوں کو بھی اپنے ساتھ بدنام کر دیتے ہیں +

غرض کہاں تک وہاں کے آدمیوں کی تعریف کی جائے۔ ایک سے ایک بڑھکر وجیہ۔ کوئی سوامی جاوید کے ساتھ کا کھیلا ہوا۔ کسی کی گودوں میں سوامی کھیلا ہوا۔ اور کوئی اِن کی گودوں میں کھلا ہوا۔ اگر یہ سب لوگ اچھے نہ ہوں۔ تو سوامی کی عظمت کا سکہ کیونکر ہمارے دل میں بیٹھے۔ خیر دس بجے سے لیکر چار بجے تک خوب لطف صحبت گرم رہا۔ اور سوامی جی کے قصص جوانی و بچپن لوگوں کی زبانی سنتے رہے۔ شام کے پانچ بجے کے قریب سوامی جی کے والد بزرگوار کے درشنوں کو گئے۔ خاص اُس مکان کو بھی دیکھا۔ جس میں سوامی جی کی ولادت ہوئی تھی۔ ان کے دیوتا صورت

والد کی نورانی صورت کے درشن کیئے۔ اس عالم پیری میں ایسے صدمات عظیم کے بعد بھی چہرہ پر مسکراہٹ دائی اور بات بات پر خندہ۔ سوامی کے بھائیوں اور بھتیجوں نے شربت وغیرہ کی تواضع کی۔ اور سچ تو یوں ہے۔ کہ ہر ایک شخص کے ہر ایک فعل و قول سے محبت ٹپکتی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم کسی ایسی سرزمین میں ہیں۔ جہاں محبت اور مودت قانون ہے۔ اور خود غرضی اور نفس پرستی جرائم کبیرہ جس کو دیکھو عجز اور انکساری کے زیور سے آراستہ۔ جس پر نظر ڈالو محبت اور صدق دلی کا پتلا۔ سوامی جی کے ہر دو اطفال باہر تھے۔ بڑے صاحب جن کا نام مدن موہن گوسوامی ہے پونا ... کے پاس ڈیرہ دون میں مقیم تھے۔ اور عنقریب راجہ ٹیڑھی کے اخراجات سے ولایت تکمیل تعلیم کے واسطے جانے والے ہیں۔ چھوٹے صاحب جن کا نام برہمانند گوسوامی ہے۔ ایبٹ آباد کے گروکل میں تعلیم کی غرض سے تھے۔ سوامی جی کے والد ماجد کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ عزیز برہمانند کے افعال اور طریقے ابھی سے باپ کے سے ہیں۔ اور تیز یہ کہ یہ اُس زمانہ کی پیدائش ہیں۔ جبکہ سوامی پر ویدانت کا پورا پورا رنگ چڑھ چکا تھا۔ بلکہ اس بچہ کی عمر چند ہی ماہ کی تھی۔ کہ دستار پروفیسری کو پھینک جامۂ درویشی زیب تن کیا۔ گوسوامی ہیرانند جی (سوامی جی کے والد صاحب کا نام ہے) کی زبانی یہ معلوم کرکے تعلق ہوا۔ کہ ان ہر دو اطفال کی والدہ ماجدہ نے بھی اس عالم فانی سے اپنی پتی کے انتقال کے بعد سفر کیا۔ مگر ساتھ ہی ان کے پتی ورت ... دھرم کا سکہ دل پر اور بھی زبردست جم گیا۔ گوسوامی جی مذکور کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ سوامی رام میں بچپن ہی سے خاص آثار نمودار تھے ان کو ۱۸ ماہ کا چھوڑ کر ان کی حقیقی والدہ فوت ہوگئیں۔ مگر ان کی دوسری ماں

اِن کو سب بچوں سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں - اور یہ بھی اِن سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے - اور اِن کی بہت زیادہ عزت +

واں کی جو عمدہ عمدہ چیزیں بھی آتی تھیں تو نہ کھاتے تھے - بلکہ زمانہ ہوش میں والد صاحب کو بھی منع کرتے تھے - کہ ان دہان مت کھاؤ - شادی آٹھ برس کی عمر میں ہو گئی - دو سال بعد بہت معترض ہوئے - اور والد سے عرض کیا - کہ مجھے کیوں آپ نے جال میں پھنسایا - سوامی جی کو بچپن ہی سے دودھ پینے اور پلانے کا شوق تھا - اور اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر کئی میل تک دوڑتے ہوئے چلے جاتے تھے - قدرتی منظروں کو دیکھ کر محو ہو جاتے تھے - اور اِس کم عمری کے زمانے میں بھی شان ایزدی کو خود بھی یاد کرتے تھے - اور اوروں کو بھی یاد دلایا کرتے تھے - اُن کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہم عمر اِس امر کے شاہد ہیں - اور زمانۂ تعلیم کالج اور زمانۂ پروفیسری میں تو خاص تلقین ہی کی غرض سے تمام گانوں کے لڑکوں اور نوجوانوں کو ہمراہ لے جاتے تھے - اور موقعہ اور وقت اور طبیعت کا رجحان دیکھ کر ہر طرح کی اخلاقی - دینی و دنیوی تعلیم و تلقین کیا کرتے تھے - اِس گانوں کے قریب سب بچے تیرنا جانتے ہیں - اور سوامی جی کو بھی تیرنا بہت اچھا آتا تھا - چنانچہ ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء میں بھی آپ پوری چڑھی ہوئی گنگا کو تیر کر ہردوار کے مقام پر پار کر گئے تھے - مگر یہ کس کو معلوم تھا کہ ۱۷ - نومبر سنہ ۱۹۰۶ء کو وہ نحس روز آئے گا کہ یہ غواص کامل اور پیراک عاقل ایک روئی دریا کے جھکولے برداشت نہ کر سکے گا - اور اپنے ہمراہیوں اور معتقدوں سے یک لخت جدا ہو جائے گا - اِن کی موت کا جتنا رنج ہم لوگوں کو ہے - اُتنا ہی اِنکے

امریکن وجاپانی ومصری معتقدوں کو ہے۔ چنانچہ ایک لیڈی صاحبہ امریکہ سے فقط اِس غرض سے تشریف لائیں۔ کہ اِس عجیب مرد کامل کی خاص ولادت کی جگہ کو دیکھیں۔ چنانچہ آپ نے خاص اُس دالان میں ایک شب قیام کیا۔ جہاں سوامی جی پیدا ہوئے تھے۔ اور جب کہا گیا۔ کہ یہ ایک غلیظ سا مکان ہے۔ آپ اِس قسم کے مکانات میں رہنے کی عادی نہیں ہیں۔ آپ کے واسطے لالہ سکھدیال سنگھ صاحب کی کوٹھی آراستہ موجود ہے وہاں آرام کیجئے۔ فرمایا جو تمنا مجھ کو امریکہ سے یہاں لائی ہے۔ اُس کو پورا کرنے دو۔ کوٹھیاں تو ہزاروں ہیں۔ مگر اتنی چھتیں کہاں ہیں۔ جن کے نیچے رام جیسے بادشاہ کی ولادت ہوئی ہو +

ہمارا خیال ہے۔ اور اُس میں شک نہیں کہ یہ درست خیال ہے کہ آفتاب کے قریب ہونے سے ہم چوندھیا جاتے ہیں اور اس میں جس قدر روشنی ہو اُس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ رام بیشک دنیا کے اُن چند مہان پرشوں میں سے ہے جنکے ذمہ دنیا کی بہبودی اور بہتری کا اہم کام لگایا جاتا ہے عظمت کا اندازہ اِسکے گانوں والے بہت کم اور اِس کے ملک والے کسی قدر۔ اور غیر ممالک والے بہت کچھ زیادہ کرسکتے ہیں۔ مگر رام کی پوری پوری عظمت کئی صدیوں کے بعد معلوم ہوگی جس وقت آیندگان کو معلوم ہوگا۔ کہ اس کی مثال صدیوں سے پیدا نہیں ہوئی۔ اور اُس کی تعلیم وتلقین جو موجودہ زمانہ سے کئی صدی آگے ہے۔ سب سے افضل اور بہتر ہے۔ اور حصول انسانات دنیا کی وہ حالت ہے۔ جس سے بہتر وہم وخیال میں نہ آسکے +

آئی ڈیل سوسائٹی کا سچا اور اکیلا ذریعہ +

ہرگوبند نگم

المعذور مجبور

آزاد کی اشاعت میں ایک عرصہ سے بیقاعدگی ہو رہی ہے اور اس سے معزز معاونین کی خفگی ہر طرح بجا ہے۔ مگر میری مجبوریوں کا صحیح اندازہ کرنا ذرا دشوار ہے اگر آپ میری مجبوریوں کو اصلیت سے نصف بھی سمجھ سکتے تو مجھے یقین ہے کہ آپکی خفگی ہمدردی میں تبدیل ہو جاتی۔ ان تکالیف کے علاوہ جن کا روز اشاعت کو باقاعدہ بنانے کے لئے مجھے مقابلہ کرنا پڑتا ہے مجھے معزز احباب کی شکایات سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ جو لوگ مطبع کی تکالیف سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا کی کاروباری مصیبتوں میں ... پریس کے انتظام کا ہے۔ اس مصیبت کے علاوہ آزاد کیلئے تصاویر کی مصیبت ہے جو لاہور میں تیار کرائی جاتی ہیں۔ اور ان کی تیاری کے لئے بہت سا وقت ضروری ہے۔ لاجپت نمبر کے لئے تصاویر حاصل کرنے کی کوشش میں تصاویر کی تیاری میں بھی ایک گونہ بیقاعدگی ہو گئی تھی۔ اور یہ کام چونکہ اپنے بس کا نہیں۔ اس لئے اس کی وجہ سے اشاعت میں زیادہ بے قاعدگی ہو گئی۔ بصد مشکل یہ منزل طے ہوئی ہے۔ اور اب امید کی جاتی ہے کہ آیندہ اس قسم کی تاخیر نہ ہو گی۔ اگست نمبر حاضر ہوتا ہے۔ ستمبر اور اکتوبر کے پرچے ۱۵ ماہ نومبر تک حاضر ہو جائیں گے اور آیندہ ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں آزاد شایع ہو جایا کریگا۔ آزاد کی اشاعت میں میں اپنی سی کوشش کر رہا ہوں مگر آپکی امداد بغیر بالکل بے سود ہے۔ تعداد اشاعت بڑھا کر میرا ہاتھ بٹائیے تاکہ مالی فکروں سے آزاد ہو کر آزاد کی خدمت زیادہ مستعدی سے کی جا سکے +

دعاگو

بشن سہائے آزاد مالک و ایڈیٹر

لاکھ روپیہ کی جان کے واسطے

صرف چار آنے خرچنا بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا اور ساتھ ہی جگہ بہ جگہ ہیضہ ہوتا بھی ممکن ہے اس لیئے وقت رہتے کیوں نہیں ایک شیشی عرق کافور گھر میں ڈال رکھتے۔ یہ ڈاکٹر ایس کے برمن کا تیار کردہ

اصلی عرق کافور

۲۲ برس سے تمام ہندوستان میں لاکھوں بار کا آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے سنہ ۱۹ء میں جا بجا بھی میں تھا۔ ہیضہ پھیلا تھا تب اِسی عرق کافور سے ہزاروں اشخاصوں کی جان بچی تھی۔ اور تین مہینہ میں ایک لاکھ شیشیاں فروخت ہوئی تھیں بلکہ ہزاروں سارٹیفکٹ اسکے موجود ہیں منگا کر دل بھر دیکھیے۔ نقلی عرق سے ہوشیار قیمت ۴/ چار آنہ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک ۵/ +

امتحاناً بلا قیمت دیا جاتا ہے۔

ضرور آزمایئے۔ اگر آپ بلا قیمت اِس عرق کافور کو آزمانا چاہیں تو صرف محصولڈاک کے واسطے دو پیسہ کا ٹکٹ چھٹہ لفافہ میں بھیجیے۔ اور اسی خط میں دس خواندہ اور رغبیوں کے نام پتہ صاف صاف دیکر بھیجیے پتہ لکھنے میں مقام ڈاکخانہ وضلع لکھیے گا +

المشتہر ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مستورات کی پکار

رسالہ

صحت النسا

جو کہ ایک عالم نے ہندوستان کی عورتوں کی حالت درست کرنے کے لیئے ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے صرف مفت پبلک میں مفت تقسیم کرنے کے لیئے گیارہ لاکھ کی تعداد میں چھپوا کر تیار کرایا ہے اسلئے نوٹس ہذا کا مطالعہ کرتے ہی جتنی جلدی مناسب سمجھیں پتہ ذیل مفت منگا کر (جس پر محصولڈاک بھی فنڈ کی طرف سے ہوگا) ہی خواندہ آدمی ایک کتاب بالکل مفت تقسیم کر کے دونوں جہانوں میں ثواب حاصل کریں +

از جنرل منیجر لائبریری بک ایجنسی اینڈ یاجگا دھری ضلع انبالہ (پنجاب)

ڈاکٹر باٹلی والا کا ایکیو کیور

جملہ اقسام کی تپ انفلوئنزا وغیرہ کا شرطیہ علاج۔ قیمت ایک روپیہ فی بوتل۔ سرجن منیجر جیک لکھتے ہیں +

ہمنے اس کو قابل اعتبار دوا پایا۔ ڈاکٹر ایچ باٹلی والا دادر بمبئی کے پتہ سے ملیگا +

درخواست کے وقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

گھڑیاں ! گھڑیاں !! گھڑیاں !!!

مہربان من - اگر آپ کو گھڑی گھنٹہ - ٹائم پیس کی ضرورت ہے تو آپ ہمارا تمام دوکانداروں کے اسباب سے مقابلہ کیجئیگا - پھر آپکو معلوم ہوگا کہ ہم کس قدر ارزاں اور کم قیمت پر فروخت کرتے ہیں ہم ہمیشہ مال امریکہ - انگلینڈ - سوئیٹزرلینڈ - جرمنی وغیرہ سے تھوک منگا کر کم قیمت پر فروخت کرتے ہیں جنہوں نے ایک دفعہ منگایا ہے وہ پھر آرڈر ارسال کرتے ہیں - ہر قسم کا سامان - اسٹیشنری - کاغذ و سامان لباطہانہ و کتب ہائے درسیہ وغیرہ ہمارے اسٹاف میں تھوک موجود رہتے ہیں - ایک دفعہ منگا کر ملاحظہ فرمایئے گا - بطور نمونہ چند کی قیمتیں حسب ذیل درج کی جاتی ہیں جن سے آپ کو حال معلوم ہو جاویگا ✚

راسکوپ ٹائم سٹیٹ اعلی ۔۔۔ گارنٹی ۱ برس	ہر روز کی چابی والی عہ گارنٹی ۱۰ برس
ریلوے ریگولیٹر للعہ ۔۔ ۳ ۔۔	جیبی گھڑی لعہ ۔۔ ۲۵ ۔۔
کلائی پر باندھنے کی للعہ ۔۔ ۳ ۔۔	**ملنے کا پتہ**

ایل - ڈی گپتہ اینڈ کو - بڑا بازار کلکتہ اور غازی آباد

اشتہار دینے والوں کو مژدہ

نولکشور پریس سے یکم ماہ جنوری ۱۹۰۶ء سے ریلوے گائڈ شائع ہوگا جو ہر ماہ نکلا کریگا - اور کل ریلوے اسٹیشنوں اور نیز ڈاکخانوں سے فروخت کیا جائیگا - اس کی اشاعت بہت زبردست ہونے کی توقع ہے - کیونکہ اب تک کوئی رہنما مسافران نہیں چھپا - امید کی جاتی ہے - کہ اس کو آپ ہر ایک مسافر کے ہاتھ میں دیکھیں گے - مفصل حالات آئندہ درج ہوں گے - اشتہار جلد دیکر فائدہ اٹھایئے ✚

خط و کتابت

بنام منیجر نولکشور پریس لکھنؤ صیغہ ریلوے گائڈ ہونی چاہیئے

درخواست کیوقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

آزاد رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل

آزاد

مرتبہ بشن سہائے آزاد

نمبر ۹ و ۱۰	ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۰ء	جلد ۲

فہرست مضامین

تصاویر — سوامی وویکانند جی

قیمت سالانہ قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible] قسم سوم (بلا تصویر) [illegible] علاوہ محصول ڈاک

آزاد پریس لاہور میں چھپکر مالک کے اہتمام سے شائع ہوا

قیمت فی کاپی قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible] قسم سوم [illegible]

ہیرے کا سرمہ

پانچ ہزار روپیہ انعام

تحقیق شدہ سرکاری

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں الیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم دھند جالا پڑوال غبار پھولا سل سرخی ابتدائی موتیابند پانی جانا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم صاحبان دوا دیتے آنکھوں کے مریضوں کو ایسی سرمہ کا استعمال کراتے ہیں چند روز کے بعد بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہیں رہتی قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ دو روپے ہیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ [illegible] خاص ہیرہ فی ماشہ مبلغ بیس روپیہ علاوہ سرمہ فی تولہ محصول ڈاک بذمہ خریدار

المشتہر پروفیسر میا سنگھ الہو والیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

اس سے بڑھکر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے

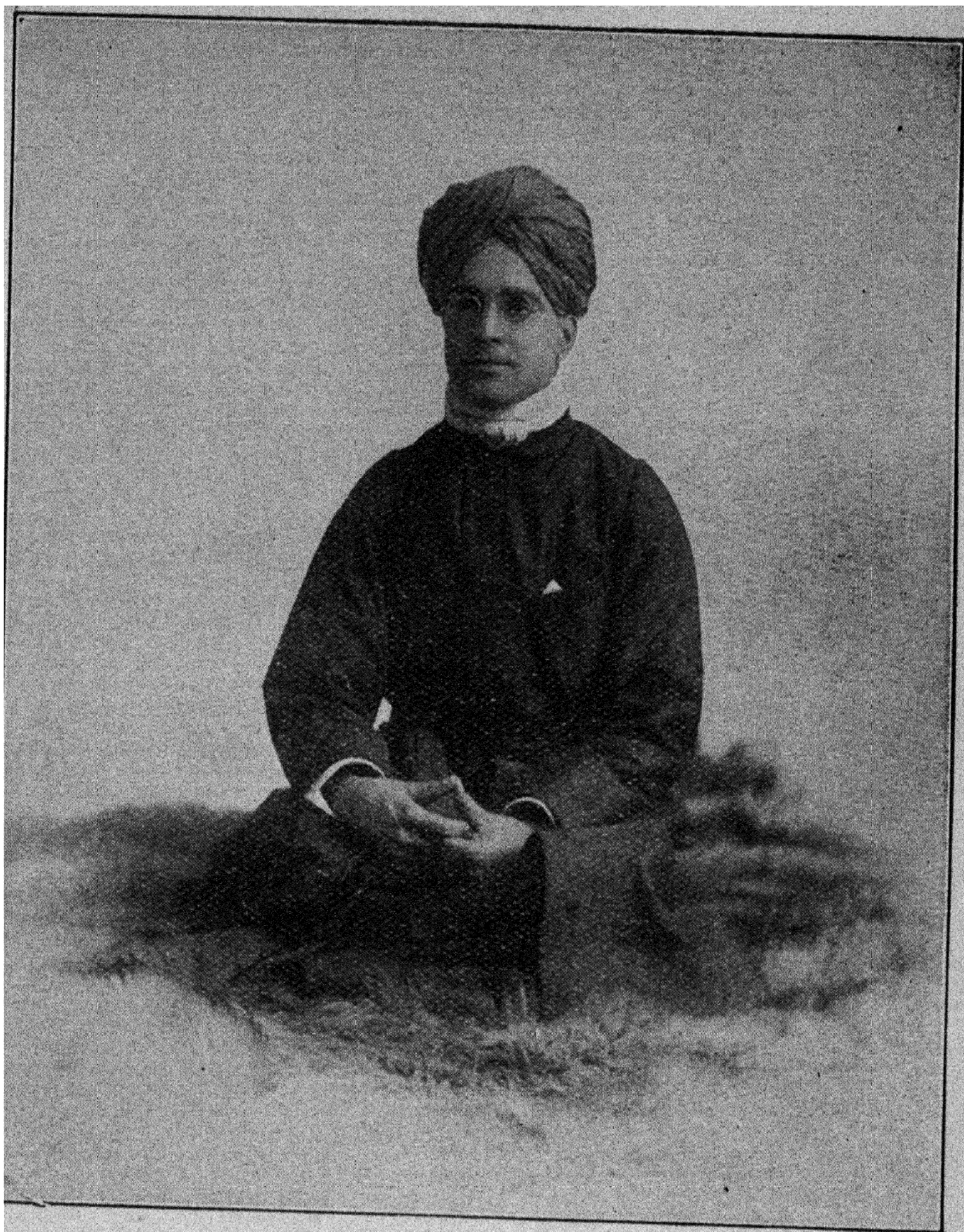
(۱) میں نے اور بہت متعلقین نے ہیرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ الہو والیہ نے تیار کیا ہے استعمال کیا نہایت مفید پایا آنکھوں کی بیماریوں کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے آنکھوں کو تر و تازہ رکھتا ہے اور بینائی کو طاقت بخشتا ہے حقیقت میں بینائی کو قائم رکھنے کیلئے نہایت مفید ہے اور زود اثر ہے جہانتک کبھی کوئی دوا اس سے بہتر فائدہ بخش نہیں دیکھی۔
دستخط نواب تجمل حسین خان بہادر سی ایس ڈی آئی ایس سابق ڈویژنل و سیشن جج قسمت جالندھر [illegible]

(۲) میں نے ہیرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے ان بعض مریضوں پر جن کی آنکھیں بہت کمزور ہو گئی تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا [illegible] کیا ہے جن کی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند غبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔
دستخط ڈاکٹر [illegible] ایل ایم ایس سابق پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال [illegible]

انعام پانچ ہزار روپیہ

اگر کوئی صاحب ہیرے کی سندات میں سے جو کہ تعداد میں ہزاروں ہیں ایک بھی جعلی ثابت کر دے تو اس کو پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا جو اخبار [illegible] میں اسی مطلب کیلئے بابت سنہ ۱۹۰۱ء جمع کیا گیا

درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں



Swami Ramatirtha.

C. S. P.



स्वामी विवेकानंद.

शि. शा. प्रेस, पुणें

آزاد

ہندوستان کا معدنی خزانہ

از حکیم برہم

قدیم تاریخ کا ذکر کرتا ہے کہ کس طرح یہاں فن کان کنی کو عروج تھا۔ تحصیل حاصل ہے۔ اس لئے کہ وہ پرانی دنیا کا زمانہ تھا۔ موجودہ حال کی ترقیات کے وسائل اُس وقت موجود نہ تھے۔ لیکن ضرورت ابھی باعث ہے اس کام کو یہاں زوال نہیں ہوا۔ بلکہ اور وجوہ بھی ہیں +

یہ مثال کے تانبے کے بیان سے اچھی وضاحت ہو سکتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں غیر ممالک سے یہاں ایک کروڑ روپیہ کا تانبا آیا۔ مگر سنہ ۱۹۰۲ء سے محض اس باعث کہ تار برقی کے لئے تانبے کے تار کی ضرورت بڑھتی گئی۔ اس کی درآمد دو کروڑ کے قریب ہونے لگی۔ بکثرت تانبا آنے کی وجہ سے قدرتاً ہماری توجہ اس حالت پر رجوع ہوتی ہے۔ جب کسی زمانے میں یہ خود یہاں افراط سے نکالا جاتا تھا۔ یہاں بھی تانبے کے خام مادے ہیں۔ اور ممالک کی طرح تانبا اور گندھک مخلوط برآمد ہوتے ہیں۔ اور جہاں کہیں

کام ہوتا ہے۔ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ نکالی جاتی ہیں۔ اِس لئے محض یہ واقفیت کہ ہمارے ملک میں بھی تانبے کی کانیں ہی کافی نہیں ہیں۔ جبتک کہ تانبے کے ساتھ ساتھ گندھک کا کام بھی نہ کیا جائے۔ گندھک کو کام میں لانے کے لئے گندھک کے تیزاب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اتنی مقدار میں ہونا چاہئے۔ کہ تانبے کو پگھلا کر علیحدہ کرسکے۔ اسکے علاوہ گندھک کے تیزاب کے استعمال اور فروخت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسی کے متعلق اور طرح کے کیمیائی کام بھی شروع کر دیئے جائیں۔ ایسی صورت میں البتہ اُمید ہوسکتی ہے۔ کہ باہر کی آمدرد کی جاسکے۔ اور اس سے معتدبہ فائدہ حاصل ہو۔

اِس طرح کے مختلف کام جن کا انحصار ایک دوسرے پر ہے ہندستان میں باقاعدہ نہیں کئے جاتے۔ مگر یورپ میں معدنیات کے خاندان مشترکہ کی ترقی بہت وسعت کے ساتھ ہو رہی ہے۔ بہت سے خام فلزوٹ ایسے ہیں کہ تانبے کی طرح اور اجزا بھی ان میں مخلوط اور مرکب ہیں۔ اور دوسرے اجزا بھی اسی کے ساتھ نکالے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے دستکاروں اور معدنیات کا کام کرنیوالوں نے ہندوستان کے معدنی کاروبار کو نیست و نابود کر دیا۔ معدنی پیداوار کا کوئی جزو وہاں بیکار نہیں جاتا۔ بلکہ اجزا الگ الگ کرکے سیدھے بازار میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اور یہاں یہ حالت ہے کہ کان سے جو دھات نکالنا مقصود ہے۔ اُسے تو الگ کر لیتے ہیں۔ مگر اُس کے متعلق جو قیمتی اور کارآمد اشیاء ہوتی ہیں۔ برباد ہو جاتی ہیں۔ تمثیلاً یہ ہے کہ اگر انگلستان میں یہ طریقہ کار نہ ہوتا۔ تو آج بازار میں ٹن پر فروخت ہونیوالی چیزیں فی ٹن ... کو نہ بک سکتیں۔ اور اُس کا کیمیائی ماحصل

سوڈا ایش ۱۴ فی صد سے گھٹ کر ۲ فیصد قیمت کا نہ ہو سکتا۔ یہی حال اُس کے اور اجزا کا ہے۔ ایسی چیزوں کی درآمد ہندوستان کا یہ حال ہے۔ کہ جب سے نہر سویز جاری ہوئی ہے۔ شرح کرایہ گھٹ کر پانچواں حصہ رہ گئی۔ یورپ کے کیمسٹ اپنی اشیا کو کیمیائی طریق اور اصول سے علٰحدہ کر کے ہندوستان روانہ کرتے ہیں۔ اور جو چیزیں یہاں ردی سمجھی جاتی ہیں۔ اُن سے لاکھوں روپیہ پیدا کرتے ہیں +

ہندوستان میں ریل نے باربرداری کا ارزاں ذریعہ مہیا کر دیا ہے برقی قوت اور اسٹیم نے پیداوار کی لاگت کو بھی خفیف کر دیا ہے۔ روئی سن اور کاغذ وغیرہ کے کاموں نے معدنی اور کیمیائی اشیا کی مانگ پیدا کر دی ہے۔ پس اگر یہ کام شروع کیے جائیں۔ معدنیات کا ماحصل۔ اور دوسری کیمیائی اشیا جب یہاں خرچ ہونے لگیں گی۔ تو غیر ممالک سے اس طرح کی چیزوں کی درآمد بند ہو جائے گی۔ جن پر غیر ممالک کی محنت۔ وسیلہ منافع۔ کرایہ جہاز اور محصول پرمٹ کا بہت بڑا بار رہتا ہے +

حال میں اس جانب جو کچھ توجہ ہوئی ہے۔ اُس کا باعث یوروپین سرمایہ اور یوروپین اولوالعزمی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ منافع کی تمام رقم غیر ملک کو چلی گئی۔ اور اس ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا +

معدنیات کا کام جو اِس ملک میں یوروپین کے سرمائے سے ہو رہا ہے۔ یا آیندہ ہو۔ اُس کے یہ معنے ہیں۔ کہ یہاں کے باشندے کان کی کھدائی پر قلیوں کا کام کر کے قلیل اُجرت اور مزدوری پر قناعت کریں لیکن جو سیم و زر نکلے۔ وہ بغیر کسی معاوضہ یا بدل کے بجنسہٖ غیر ملک کو چلا جائے — ایک ایک چھٹانک سونا جو اِس ملک سے باہر جاتا ہے۔ اپنے بدلے کچھ

نہیں چھوڑ جاتا ہے۔ پیدا وار غلہ میں تو خیر اُس کے بدلے کچھ روپیہ آ رہتا ہے۔ یہ کیسا عظیم نقصان ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اہل ملک کی ادھر توجہ ہی نہیں +

چین و جاپان میں ایسا قاعدہ ہے۔ کہ یوروپین سرمایہ دار بغیر چینیوں جاپانیوں کی شرکت کے اِس طرح کا کام نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔ کہ یوروپین سرمایہ دار تنہا بغیر شرکت ہندوستانیوں کے معدنیات کا کام کرنے سے روکے جا سکیں۔ چین میں یہ ضابطہ ہے۔ کہ نصف حصہ دار ملکی اور نصف غیر ملکی ہوں۔ اِس پر بھی غیر ممالک والے مجبور ہیں۔ کہ اپنی آمدنی کا ۳۰ فی صدی اُسی ملک میں رکھیں۔ لیکن ہندوستان میں اس قسم کی اُمید کرنی۔ ایسی ہی ہے۔ جیسے طلوع آفتاب کی مغرب سے +

یہ ٹھیک ہے۔ کہ جب تک خود اِس ملک سے کام جاری کرنے کے لئے روپیہ نہ بہم پہنچ سکے۔ غیر ممالک سے قرضہ لیا جائے۔ اور گورنمنٹ اُس کی ادائی کی ضمانت کرے۔ نیز گورنمنٹ وسیع مراعات کے ساتھ ہندوستانی کمپنیوں کو کان کھودنے کے لائسنس عطا کرے +

ان امورات کے متعلق معلومات کا ذخیرہ سررشتہ پیمایش طبقات الارض ہند کے دفتر میں موجود ہے۔ صرف اُس تعلیم کی ضرورت ہے۔ جس سے کام کی اُمید ہو سکے۔ حال میں ایک " مائنگ اینڈ جیالوجیکل انسٹیٹیوٹ " (انجمن کان کنی و طبقات الارض) کی بنیاد پڑی ہے۔ ممکن ہے کہ آیندہ اِس سے مفید نتائج پیدا ہوں۔ اور سب پور کے انجنیرنگ کالج میں معدنیات کا جو ایک کلاس کھولا گیا ہے۔ اس سے بھی کافی استعداد حاصل ہو سکتی ہے۔ غیر ممالک کی

اشیا کے خلاف صرف اظہار جوش سے کام نہیں چل سکتا۔ جب تک اُس کی پیداوار میں مقابلہ کر کے ارزاں چیز نہ پیش کی جائے +

اس کام کے لئے حب الوطنی کی چنداں ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسے شخص مطلوب ہیں۔ جو لٹریچر۔ فلسفہ اور قانون کی باریکیوں کو چھوڑ کر اوزار ہاتھ میں لیں۔ اور معدنیات کے ساتھ اُن کے مخلوط اجزا کو کارآمد بنا سکیں۔ نیز ملک کے صاحب سرمایہ لوگ ایسے منفعت خیز کاموں میں اپنا روپیہ لگا کر خود فائدہ اُٹھائیں۔ اور ملک کی خوشحالی بڑھائیں +

ہندوستان اب اس حالت کو پہنچ گیا ہے۔ کہ اس کی ضرورتیں یہاں سے پوری کی جائیں۔ جس کے ذرائع موجود ہیں۔ اور باہر سے معدنی چیزیں نہ منگوانی پڑیں +

اگر کوئلہ کی حرفت کو اسی رفتار سے ترقی ہوتی گئی۔ تو وہ زمانہ قریب ہے کہ جس قدر اب جاپان و انگلستان سے آتا ہے۔ اُس کی آمد بھی بند ہو جائے۔ یہاں کوئلہ کی پیداوار ۱۸۹۵ء میں ۳۵ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن تھی۔ جو بڑھ کر ۱۹۰۲ء میں ۷۴ لاکھ ۴ ہزار ۵۰۰ ٹن ہو گئی۔ اور اس وقت قریباً ایک کروڑ ٹن ہے وسایل آمد و رفت اور باربرداری کی سہولت اگر بڑھتی گئی۔ تو ہندوستان کا کوئلہ جو فی الحال بنگال۔ آسام۔ ممالکِ متوسط۔ حیدرآباد اور وسط ہند میں بہ نسبت اِس وقت کے بہت وسیع ترقی کے ساتھ استعمال ہوگا +

سونا زیادہ تر کولار (میسور) کے کانوں سے نکلتا ہے۔ سال گذشتہ میں اس کی تعداد ۵ لاکھ ۷۱ ہزار ۹۲۵ اونس تھی۔ جس کی مالیت ۲۰ لاکھ پونڈ ہوئی +

برہما اور آسام سے ۱۹۰۳ء میں ۵ کروڑ ۷۰ لاکھ گیلن مٹی کا تیل برآمد

کیا گیا۔ یہ بہت ترقی خیز حرفت ہے۔ مگر اس ملک کو جس قدر تیل کی ضرورت ہے عرصہ دراز تک ان مقامات کی برآورد سے پوری نہ ہو سکے گی۔ یہ بات یوں ثابت ہوتی ہے۔ کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ۸ کروڑ ۱۰ لاکھ گیلن مٹی کا تیل امریکہ اور روس سے یہاں آیا تھا +

لوہا مختلف حصص ہند میں بمقدار کثیر پایا جاتا ہے۔ لیکن سوائے رانی گنج اور جہاں کہیں ہے۔ کوئلے کے کانوں سے دور ہے یہ ظاہر ہے کہ معدنیات آہنی کا کام بغیر کوئلے کے نہیں ہو سکتا۔ اور زیادہ فاصلے سے لانے میں خرچ زیادہ پڑ جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں صرف ۸۰ ہزار ۶۶۹ ٹن لوہا نکالا گیا +

گریفایٹ میگنیسی خام حالت میں ہے۔ ٹین بھی یہاں ہے۔ مگر مالی امور کے لحاظ سے چنداں ضروری نہیں ہے۔ دنیا کے جن ملکوں میں میگنیسی پیدا ہوتی ہے۔ اُس کے اعتبار سے ہندوستان کا نمبر دوسرا بلکہ تیسرا ہے صوبہ متوسط میں یہ خام چیز اعلےٰ درجہ کی نکلتی ہے۔ اور یورپ اور امریکہ کے بازاروں میں معقول قیمت کو فروخت ہوتی ہے +

مسٹر ہولینڈ نے طبقات الارض کی پیمایش سنہ ۱۸۹۸ء سے سنہ ۱۹۰۳ء تک بڑی جانفشانی اور قابلیت سے کی ہے۔ سنہ ۱۸۹۸ء کی رپورٹ میں معدنی پیداوار کی ترقی بقدر ۳۵ لاکھ درج ہے۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں پچاس لاکھ کا اضافہ ہوا +

معدنی پیداوار میں کوئلہ۔ سونا۔ مٹی کا تیل۔ قیمتی پتھر اور نمک داخل ہیں۔ سوہاگہ۔ شورہ وغیرہ دوسری معدنی چیزیں بھی برآمد ہوتی ہیں۔ یہ اشیا کیمیائی کاموں میں زیادہ صرف ہوتی ہیں۔ لیکن کس قدر افسوسناک

امر ہے۔ کہ صرف ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں معدنی اشیاء کی درآمد اور برآمد دونوں پر محصول مقرر ہے +

یہاں کوئلہ کی بہت بڑی تعداد زیر زمین موجود ہے۔ مگر اس کے حالات سے صرف انگریزوں نے واقفیت پیدا کی۔ اس کے قبل نہ کسی کو اس کا حال معلوم تھا۔ نہ اس کے استعمال وحقیقت سے آگاہ تھا۔ ہندوستان کا کوئلہ بہ نسبت اسٹریلیا اور کینڈا کے بہتر قسم کا ہے۔ جب تک یہاں کوئلہ نہیں برآمد ہوا تھا۔ اسٹریلیا اور کینڈا سے گران قیمت پر آکر ریلوے اور دوسرے انجنوں پر خرچ ہوتا تھا۔ مگر جب سے یہاں نکلنے لگا۔ اس کا خرچ بڑھ گیا ہے +

بنگال کی معدنیات آہنی سے بہت کم لوہا نکلتا ہے۔ مقام براکر میں اس کا بہت بڑا کارخانہ یوروپین سرمایہ واہتمام سے چلتا ہے +

میگنیسی (جو سرخی مایل سفید رنگ کی ایک چیز ہے) ۱۵ سال قبل سوائے روس اور ہندوستان کے کہیں نہیں پیدا ہوتی تھی۔ مگر اب اسٹریلیا اور کینڈا میں بھی نکلنے لگی ہے۔ لیکن وسط ہند میں زیادہ نکلتی ہے۔ کچھ دنوں سے بمبئی سے بھی دستیاب ہونے لگی ہے +

ان معدنیات کے بعد سب سے زیادہ مٹی کے تیل کی تجارت ہندوستان میں بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کی تجارت اور آمدنی دونوں میں اضافہ ہو رہا ہے +

۱۸۹۷ء میں ایک کروڑ ۹۰ لاکھ گیلن نکالا گیا۔ اور ۱۹۰۳ء میں ۸ کروڑ ۸۰ لاکھ گیلن برآمد ہوا۔ اس کے علاوہ بہت بڑی تعداد موم کی بھی باہر گئی تھی۔ لیکن برہما اور آسام کا تیل اس قدر صاف نہیں ہوتا جس قدر

غیر ممالک کا۔ اس لئے ہندی تاجروں کو چاہئے۔ کہ یہاں کے تیل کو خوب صاف کریں۔ تاکہ زیادہ قیمت بکے +

دنیا کی چیزوں میں لوہے سے زیادہ اور کوئی چیز کار آمد نہیں ہے۔ اور اس میں اس قدر گنجائش ہے۔ کہ اس کی ساختہ اشیا سونے سے کئی گونہ زیادہ قیمت حاصل کر سکتی ہیں۔ کسی ملک کی صنعتی بیداری اُس کے آہنی وسایل کی ترقی پر موقوف ہے۔ صلح یا جنگ۔ تری یا خشکی ہر جگہ اور ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔ ایک سوئی سے لیکر جہازی لنگر تک انسان اس کا محتاج ہے۔ اور روز بروز اس کی ضرورت ہر ایک شاخ زندگی میں اس طرح بڑھتی جاتی ہے۔ کہ اس سے بے نیازی نہیں ہو سکتی +

یہاں قدرتی طور پر لوہے سے کانیں لبریز ہیں۔ لیکن تجارتی اعتبار سے یہ ملک لوہے کی صنعت سے معرا ہے۔ ماہرین علم معدنیات کا بیان ہے چند معلوم کانوں کے علاوہ دریا کی گذرگاہوں۔ چٹانوں اور دکن کے کچے پہاڑوں میں خام لوہا نہایت کثرت سے موجود ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان کا کوئی ضلع ایسا نہیں ہے۔ جہاں کسی نہ کسی صورت میں خام لوہا موجود نہ ہو +

گذشتہ ایام میں ہندی ساخت کی آہنی اشیا باعتبار پائداری او نفاست کے تمام دنیا میں مشہور تھیں۔ دہلی کی مشہور لوہے کی لاٹھ (جس میں شاید کچھ اور دھات بھی شامل ہے) جو پندرہ سو برس سے قایم ہے۔ کھلے ہوئے لوہے کی حیرت انگیز نشانی ہے۔ اہل الرائے تسلیم کرتے ہیں۔ کہ کوئی آہنی کارخانہ بمشکل ایسی لاٹھ ڈھال سکتا ہے۔ آسام میں توپیں ڈھالی جاتی ہیں۔ جن کے مُنہ کا قطر اور نالی بہت بڑی ہوا کرتی تھی۔ تلوار مشہور تھی

دمشق کی۔ مگر بنائی جاتی تھی ہندی لوہے سے۔ ایرانی سوداگر ہندوستان کی برآمد آہن سے بہت بڑا فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور یہاں سے ایشیاء کوچک میں لے جاتے تھے۔ عرصہ گذرا کہ خود انگلستان میں فولاد کی بہت بڑی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ سو دو ہزار برس ہوئے۔ کہ ہند میں فولاد اور کمائے ہوئے لوہے کی تجارت و صنعت بہت ترقی پر تھی۔ لیکن اب حالت دگرگون ہے۔ رفتہ رفتہ اس کام کو زوال ہوتا گیا۔ اور ہند میں کارخانے بند ہو گئے۔ اگر یہی حالت رہی۔ تو کچھ دنوں میں یہ صنعت نابود ہو جائے گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندی لوہے کی تجارت کے تنزل کے ساتھ کچھ عرصہ سے اس کی مانگ بڑھ گئی ہے اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ سنہ ۴-۱۹۰۳ء میں ۷۰ لاکھ ہنڈرڈ ویٹ۔ (ہنڈرڈ ویٹ = ایک من ۱۶ اسیر) لوہے کی چیزیں یہاں آئی تھیں۔ جن کی قیمت ۲½ کروڑ تھی۔ اسی سال ۵ لاکھ ہنڈرڈ ویٹ فولاد آیا جس کی قیمت ۵۰ لاکھ روپیہ تھی۔ چاقو اور چھریاں ایک کروڑ روپے کی آئیں۔ لوہے کے شہتیر اور ریلوے کا سامان ۲½ کروڑ کا آیا۔ کلیں اور آلات بھی ساتھ ہی تین کروڑ کے تھے۔ صرف گورنمنٹ نے اپنی ضروری اشیا ساختہ آہن ½ ۱ کروڑ کی خریدیں [illegible] تین چار برس پیشتر صرف ½ ۲ کروڑ کی آہنی اشیا آئی تھی۔ بمقابلہ ان کے دونوں زمانوں کے فرق عظیم سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ہندی اشیا آہن کی تجارت [illegible] برباد ہوئی ہے۔

یہاں کی صنعت آہن کو بمقابلہ ممالک غیر۔ اس کے علاوہ ایندھن کی قلت سے بھی سخت نقصان پہنچا۔ ایک ٹن لوہے کی تیاری میں ۱۴ ٹن کوئلہ صرف ہوتا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پرانے طریق پر لوہا تیار کرنا محال ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ لکڑی کا کوئلہ بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ پچھ

لوہے کی کانیں تمام ملک میں ہیں - مگر کوئلے کی کانیں محدود ہیں - اس وجہ سے لوہے کے تیار کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے - وارد ھا - گوداوری سون اور اس کے مددگار دریا - ورمود اور اس کی معاون ندیوں کی وادیوں میں کوئلہ کی کانیں پائی جاتی ہیں - سلسلہ کوہ ہمالہ اور بندھیاچل کے دامن میں بھی کوئلہ کی کانیں ہیں - سستے ایندھن کے علاوہ لائم اسٹون یعنی پتھر کے چونہ کی بھی صنعت آہن میں ضرورت ہوتی ہے - جس سے لوہا صاف کیا اور پگھلایا جاتا ہے - بہرحال لوہے کا کام کرنے میں سمندر کا قرب - کوئلہ اور پتھر کا چونہ نہایت ضروری چیزیں ہیں +

کہا جاتا ہے - کہ اگر لوہا بنانے کے مغربی طریقوں پر عمل کیا جائے - تو رانی گنج میں اعلےٰ درجہ کا فولاد تیار ہو سکیگا - اور خرچ بھی کم ہوگا - اور ولایتی فولاد سے سستا پڑے گا - پالامئو ضلع ہزاری باغ میں بھی یہی حالت ہے چاندہ میں اگر مغربی طریق پر لوہا تیار کیا جائے - تو ملک متوسط اور بمبئی کی ضرورت بھی پوری ہو سکتی ہے - وردی نربدا اور بالائی آسام کی نسبت بھی یہی اندازہ کیا جا سکتا ہے - ہزاری باغ کے کانوں سے بہت عمدہ کوئلہ نکلتا ہے - جس کا مقابلہ وارد ھا اور رانی گنج کا کوئلہ نہیں کر سکتا - ہندوستان میں سب سے بڑی لوہے کی کان سیلم واقع مدراس پریسیڈنسی میں ہے - مگر اس کے قریب عمدہ قسم کا کوئلہ نہیں ملتا - اس لیے لوہے کے کام کو وہاں فروغ نہیں ہو سکتا +

اگر لوہے کی کان کے قریب وسیع جنگل ہوں - تو معدنی کوئلہ کی محتاجی نہ ہوگی - اس لئے ضرورت ہے - کہ ایسے مقامات کے قریب جہاں تک کہ ہو سکے [illegible] - بڑے بڑے ببول کے جنگل قائم کر دیئے جائیں

اس طرح چند برسوں میں اس کام میں بہت بڑی ترقی ہوگی +

مسٹر جی۔ مولسورتھ کی رائے ہے۔ کہ لکڑی کے کوئلے سے تیار کیا ہوا لوہا ولایتی فولاد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ کسی قدر صحیح ہو +

انگلستان میں ایک میل ریلوے پٹڑی کی قیمت دو ہزار پونڈ (۳۰ ہزار روپیہ) دینی پڑتی ہے۔ مگر یہاں اس کی قیمت ۲۱ سو پونڈ ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک سو پونڈ محصول جنگی اور جہاز وریل کا کرایہ ہے۔ اگر یہاں لوہے کی صنعت ہوتی تو کم از کم فی میل ایک سو پونڈ کی بچت اور تیاری کا خرچ نہیں رہتا۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ گزشتہ ۲۵ برس میں ڈیڑھ ارب کا لوہا اس ملک میں داخل ہوا۔ اس کے لئے قریباً پچاس کروڑ روپیہ کرایہ اور محصول جنگی پر خرچ ہو گیا +

جس وقت ابتداءً ریلوے جاری ہوئی ہے۔ اس وقت اگر گورنمنٹ اپنی ریلوے جاری کرنے میں حق بجانب ہوتی۔ تو لوہے کا کارخانہ جاری کرنے میں بھی حق بجانب ہوتی۔ اور اس سے بے انتہا فائدہ ہوتا۔ اس لئے کہ نمک۔ اور افیون کے اجاروں کی نسبت حق بجانب سمجھی جاتی ہے۔ اگر گورنمنٹ اپنے کارخانہ آہن کو ہی دیتی۔ تو ملک کا بھی سارا روپیہ ملک ہی میں رہتا۔ اور لاکھوں آدمیوں کے معاش کی صورت نکل آتی +

تاہم اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ گورنمنٹ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے تمام تر بے خبر نہیں رہی۔ اس نے محکمہ طبقات الارض کے ذریعہ سے ان علاقوں کی تحقیقات کرائی۔ جہاں خام لوہا بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ نے وقتاً فوقتاً تجربات کے لئے بھی معقول رقمیں صرف کی ہیں۔ اور جو کمپنیاں لوہا صاف کرنے کا کام کرتی ہیں۔ انہیں معقول رعایتیں عطا کر رکھی ہیں۔ اور مختلف محکموں کو ہدایت کی ہے۔ کہ مقامی ضرورت کے لئے ہندوستانی

لوہا اور اُس کی چیزیں خرید کر کارخانوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔ البتہ گورنمنٹ کی پالیسی ایک امر میں قابل شکایت و اعتراض ہے۔ کہ جو امداد وہ دیتی ہے۔ اُس میں کافی توجہ نہیں پائی جاتی ہے۔ یعنی کبھی بہت زیادہ مدد دیتی ہے اور کبھی بالکل نہیں۔ اس کا یہ انجام ہوا۔ کہ کئی کمپنیوں کے دیوالے نکل گئے +

مسٹر ہینہ نے ۱۸۳۰ء میں گورنمنٹ سے اجارہ حاصل کیا۔ اور ۱۸۳۳ء میں انڈین اسٹیل اینڈ آیرن کمپنی قایم کی۔ کمپنی کو چار اضلاع یعنی جنوبی ارکاٹ کوئمبا تور۔ مالابار اور جنوبی ساحل کا لایسنس دیا گیا تھا۔ اُس نے تین کارخانے پورٹو نوو (جنوبی ارکاٹ) جے پور (مالابار) اور پالپتی (ضلع سیلم) میں قائم کئے جو فولاد ان کارخانوں میں تیار ہوتا تھا۔ اُس کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ لیکن کمپنی کو ایک مشکل کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ یہ کہ ۲۵ میل سے لکڑی کا کوئلہ لانا پڑتا تھا۔ ایک اور مجبوری ہوئی۔ کہ لائم اسٹون کے عوض سمندر کے گھونگوں کو جلاکر چونہ بنانا پڑا۔ اور یہ دونوں لازمی چیزیں دور فاصلے سے لانی پڑتی ہیں۔ باوجود ان وقتوں کے جو لوہا یہاں تیار ہوتا تھا۔ جب اس کا شیفیلڈ میں امتحان کیا گیا تو انگلستان اور سویڈن کے لوہے سے اعلےٰ قرار دیا گیا۔ اُس وقت ہندی لوہا ساڑھے چھ پونڈ فی ٹن کے حساب سے وہاں فروخت ہوتا تھا۔ مقام آنیا اور بریٹانیہ کے پل اسی لوہے سے تیار کئے گئے تھے +

دوسری مشکل اُس وقت یہ تھی۔ کہ جہازوں کی آمد و رفت کا کافی انتظام نہ تھا جس سے یہاں کا لوہا ولایت بھیجا جاتا۔ بہت سستی کے ساتھ بھی چار مہینے میں جس قدر کام ہوتا تھا۔ اُس سے لوہے کا عظیم ذخیرہ جمع ہو جاتا۔ اس طرح نکاسی کی بے قاعدگی کے باعث انگلستان کی منڈیوں پر مستقل قبضہ رکھنا محال ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انتظام کا خرچ بڑھ گیا۔ اور حصہ داروں کو منافع تقسیم

ہوسکا۔ اور یہ پیشگوئی۔ کہ

"ہندوستان شیفیلڈ کے لئے لوہا بہم پہنچائیگا" +

اب تک تو پوری نہ ہوئی۔ آیندہ خدا جانے۔ اِس نوبت پر کارخانہ پورٹونوو بند ہوگیا۔ اِس کمپنی کا کارخانہ جو ۱۸۳۳ء میں بمقام جے پور قایم ہوا تھا۔ اِس کے لوہے کی نسبت سرکاری گن کیرج ڈپارٹمنٹ نے رائے دی تھی۔ کہ بہت اچھا ہے۔ اِس لئے کہ توپوں کی پھرھیوں کے لئے بہت موزوں تھا مگر ایندھن کی قلت اور سڑکوں کی خرابی کے باعث بیلوں سے ایندھن لانا پڑتا تھا۔ جرمنی کاریگروں نے ۱۸۵۹ء میں علاحدگی اختیار کی اور ۱۸۶۱ء میں اگرچہ لوہا تیار کرنے کے نئے طریقے اختیار کئے گئے۔ پھر بھی آخرکار کام بند ہوگیا +

مگر اب بہت سی ریلوے لائنیں تیار ہوگئی ہیں جس سے وسایل آمدورفت میں بہت سہولت ہوگئی ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے۔ کہ لوہا صاف کرنے کا کارخانہ بہت وسیع پیمانے پر ہر ایک مناسب مقام پر قایم کیا جائے۔ اور اِس تجویز میں مسٹر جے۔ سی۔ ٹاٹا آنجہانی کی اسکیم سے مدد لی جائے گورنمنٹ سرمایہ کی خاص طور پر حوصلہ افزائی کرے۔ جس اصول پر گورنمنٹ نے ریلوے کمپنیوں کی امداد کی ہے۔ اِسی طرح لوہے کے کارخانہ داروں کی دستگیری کرے +

بنگال کے اضلاع بیربھوم۔ ہزاری باغ اور رانی گنج میں عمدہ قسم کے لوہے کی کانیں کوئلہ کی کانوں کے قریب ہیں ۱۸۵۵ء میں ایک ہندوستانی سرمایہ دار نے ضلع بیربھوم کے لوہے کی کانوں کا اجارہ حاصل کرنا چاہا۔ وہ پانچ ہزار محصول ادا کرنے پر راضی تھا۔ مگر نہیں معلوم کیوں لائسنس نہیں حاصل کیا گیا +

سنہ ۱۸۷۴ء میں میسرز سمر اینڈ ہٹلی نے بردوان کے مغربی حصہ میں اجارہ حاصل کیا۔ اور ضلع بیربھوم کا بھی ٹھیکہ لیا۔ گورنمنٹ کے لئے گولوں کے ڈھالنے کا بھی کمپنی نے ٹھیکہ لیا۔ جس کے لئے ولایتی ساخت کے گولے سے ۱/۴ تخفیف قیمت پر فروخت کرنے کا معاہدہ ہوا۔ گورنمنٹ نے بھی ۱۵ ہزار پیشگی دیدیا تاکہ ضروری کلیں منگا کر کام جاری کیا جاسکے۔ یہ کارخانہ سنہ ۱۸۷۹ء سے سنہ ۱۸۸۹ء تک باقاعدہ کام کرتا رہا۔ لیکن فوجی ضرورت کی بہم رسانی سے انکار کیا گیا۔ آخرکار سنہ ۱۸۹۵ء میں اجارہ کی میعاد ختم ہوگئی۔ یہ کمپنی تیار لوہا ۵ روپیہ فی من بیچتی تھی۔ حالانکہ اُسی طرح کا ولایتی لوہا کلکتہ میں دس روپیہ فی من فروخت ہوتا تھا +

سنہ ۱۸۵۲ء میں عدالت ڈائرکٹران نے ڈاکٹر اولڈم کو بیربھوم کی کانہاء آہن کی تحقیقات پر مقرر کیا۔ اُنہوں نے خلاف رائے دی۔ اور کہا۔ کہ سستی لکڑی حاصل کرنے میں بڑی دقت ہے۔ باوجود اس کے مسٹر میکے نے ایک کمپنی کلکتہ میں قائم کردی۔ اس کا نام بیربھوم آیرن ورکس کمپنی رکھا گیا اس کارخانہ سے دو ٹن روزانہ لوہا تیار ہوتا تھا۔ اور ۷۰ روپیہ فی ٹن کے حساب سے بکتا تھا۔ مگر کام میں وقفہ ہوتا رہا +

سنہ ۱۸۶۰ء میں رپورٹ کی گئی۔ کہ کمپنی نے نقصان اُٹھا کر کارخانہ جاری رکھا ہے۔ لیکن اگر سرمایہ بڑھا دیا جائے۔ تو معقول منافع ہو سکتا ہے۔ باوجود کئی سہولتوں کے بھی آخرکار کمپنی نے اپنا کام بند کردیا۔ اور اس کی جگہ مسٹر برن نے کمپنی کھڑی کردی۔ جس نے سنہ ۱۸۷۵ء میں اپنا کام شروع کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد معلوم ہوا۔ کہ کام بڑھانا مشکل ہے۔ لہذا کمپنی شکست کردی گئی۔ بیربھوم میں ناکامی کی وجہ صرف ایندھن کی دقت ہے

جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ حالانکہ وہاں رانی گنج سے بھی اعلےٰ قسم کا لوہا موجود ہے +

رانی گنج کی بنگال آیرن کمپنی ۹۰ء میں قایم کی گئی تھی۔ لیکن غلطی یہ ہوئی۔ کہ دس لاکھ کے سرمائے سے کام شروع کیا گیا۔ اور اسی میں سے ایک رقم قیمت و معاوضہ اراضی کے دی گئی۔ سرمایہ کی نسبت کمپنی نے گورنمنٹ سے درخواست کی۔ کہ لوگوں کو خریداری حصص پر آمادہ کرے۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی اس لئے سخت شرح سود پر قرضہ لینا پڑا۔ گورنمنٹ نے بھی فرمایش بھیجی۔ مگر مالی مشکلات کے باعث دیوالہ نکل گیا۔ اس کمپنی نے ۰۰ ۱۳۷ ٹن لوہا تیار کیا تھا +

راجہ صاحب سرسور (ناہن) نے ۱۸۸۰ء میں اپنی ریاست کے اندر لوہے کا ایک کارخانہ قایم کیا۔ جس میں کلوں سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں کے نیشکر سے رس نکالنے والے کولہو مشہور ہیں +

اس موقع پر وجوہ کی تصریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ جن سے لوہا نکالنے اور تیار کرنیوالی کمپنیوں کو ناکامی ہوئی +

(۱)۔ سرمایہ کم تھا۔ اور مالی وسایل وسیع نہ تھے +

(۲)۔ لکڑی کے کوئلے پر خرچ زیادہ پڑا اور ایندھن کم تھا +

(۳)۔ بعض لوہے کے مقامات سلسلہ ریلوے اور ساحل سمندر سے دور تھے +

(۴)۔ گورنمنٹ کی غیر مستقل پالیسی فوری نتایج کے حق میں اندیشہ ناک تھی +

(۵)۔ دیوالے کا باعث کمپنیوں کی قلت اور الکے موقع اور ہوشیاری

تھی +

مگر اب بہت سی دقتیں دور ہو گئی ہیں۔ ریلوے لائنوں کے جاری ہو جانے سے ساحل سمند بہت قریب ہو گیا ہے +

ضلع چاندہ میں لوہے کی نہایت عمدہ اور وسیع کانیں ہیں۔ یہاں کے خام لوہے میں گندھک کی آمیزش بھی نہیں ہے +

وادیٔ نربدا میں کرنل کیٹنگ نے گورنمنٹ کی اجازت سے ایک لوہے کا کارخانہ قایم کرنے کی کوشش کی۔ اور سویڈن لوہا تیار کرنے کی ترکیب سیکھنے گئے۔ اور آتے وقت سویڈن کے ایک انجنیر کو بھی ساتھ لیتے آئے۔ لوہا تیار کرنے میں لکڑی کا کوئلہ استعمال ہوتا تھا۔ قریب ہی چونہ بھی بکثرت تھا۔ اڑھائی لاکھ روپیہ صرف کر کے ضروری آلات منگائے گئے۔ بھٹیاں تیار ہوئیں۔ لیکن اس کے بعد گورنمنٹ نے زیادہ روپیہ صرف کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کارخانہ کو کوئی شخص ۷۰ ہزار پر بھی خریدنے والا نہ نکلا +

سنہ ۱۸۷۴ء میں بمقام براکر گورنمنٹ نے ایک جرمن ماہر کی نگرانی میں کارخانہ قایم کیا۔ سنہ ۱۸۷۹ء تک ۳۰ ہزار ٹن لوہا تیار ہوا۔ اور یہ انتظام کیا گیا۔ کہ ۱۵-۲۰ ہزار ٹن سالانہ لوہا تیار کیا جائے۔ نل۔ سلیپر۔ پل۔ آرائشی سامان۔ ریلوے گاڑیوں کا سامان اور آلات کشاورزی یہاں بکثرت تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کارخانہ کی کامیابی سے ثابت ہو گیا۔ کہ یہاں یوروپین اصول پر بکثرت لوہا تیار ہو سکتا ہے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں یہ کارخانہ ایک کمپنی کے حوالے کر دیا گیا +

تھوڑے عرصہ سے ایک کھدوائی کے جو ٹھیکے دیئے جاتے ہیں وہ مفید نہیں ثابت ہوئے۔ ٹھیکہ کی میعاد کم از کم پچاس سال ہونی چاہیئے۔

اور کافی سرمایہ دیکھ کر انتظام سے اطمینان کر کے گورنمنٹ کو منافع کی ضمانت کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ ریلوے کمپنیوں کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے۔ جبتک مستقل و معقول منافع نہ شروع ہو۔ کمپنی پر کسی ٹیکس کا بار نہ ڈالنا چاہیئے۔ حتے الامکان بین مفت دلانی چاہیئے۔ انتظام فروخت میں بھی گورنمنٹ کا ہاتھ ہونا چاہیئے۔ سرکاری صیغہ تجارت وصنعت کو اس کی سرپرستی کرنی چاہیئے۔ تب اُمید ہے۔ کہ کسی لوہے کی کمپنی کو ناکامی نہ ہوگی۔ گورنمنٹ نے جو جدید صیغہ تجارت و حرفت قایم کیا ہے۔ اس سے کافی اعانت مل سکتی ہے +

ایلومینیم کی صنعت کو بھی کچھ دنوں سے خوب فروغ ہو رہا ہے۔ مدراس کے اسکول آف آرٹس کی نگرانی میں اس صنعت کو گورنمنٹ نے جاری کیا تھا۔ سرکاری کارخانہ کی دیکھا دیکھی ایک لاکھ کے سرمایہ سے مدراس میں ایک اور کارخانہ قائم ہوا۔ اس لئے کہ سالانہ سوا لاکھ روپیہ کی فروخت ہونے لگی تھی۔ جب گورنمنٹ نے دیکھا۔ کہ نجی کارخانے کام کرنے کو تیار ہیں۔ اور جدید کارخانے کو کامیابی ہوئی۔ تو گورنمنٹ نے اس تجارت سے ہاتھ اُٹھالیا۔ یہ بہت ہلکی دھات ہے۔ اور جرمن سلور کے عوض ملک میں اس کے ظروف کا رواج بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ آب وتاب جرمن سلور کی طرح نہیں ہے۔ مگر پایداری اور سبکی کے باعث عوام بہت پسند کرتے ہیں۔ اس مرکب دھات کا استعمال اس وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔ کہ گورنمنٹ نے فوج میں اس کے برتن رائج کرنے کا حکم دیا ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ اس کے برتن میں چیزیں نہیں بگڑتیں +

جب ایلومینیم کی چیزوں کی ساخت ابتداءً شروع کی گئی تھی۔ تو خیال تھا۔ کہ آیندہ خود یہ دھات اسی ملک میں تیار کی جائے گی۔ اگرچہ اس وقت

اِس کا خرچ اِس قدر نہیں بڑھ گیا ہے۔ کہ دھات بھی یہیں بنائی جائے۔
مگر بہت جلد ایسا کارخانہ جاری ہونے کی امید ہے +

سنہ ۱۹۰۰ء میں دو لاکھ سے زیادہ کی ایلومینیم کی چیزیں فروخت ہوئیں۔ جو اس سے پہلے ۹ مہینے کی نسبت ساڑھے پانچ گونہ زیادہ تھی۔ آغز زمانہ میں آرٹ اسکول اور ایلومینیم کمپنی نے تیس ہزار ماہوار کا کام کیا۔ اور اشیا کی عمدگی میں برابر ترقی ہوتی گئی۔ اب یہ کارخانہ خوب فروغ پر ہے۔ بہت سی زاید کلیں منگائی گئی ہیں۔ اضافہ فروخت کی یہ وجہ تھی۔ کہ تیار شدہ مال کی قیمت ارزاں تھی۔ اور بہت سے کاریگر بڑھائے گئے تھے۔ جن بازاروں میں اس کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ اُن میں ترقی ہے۔ دیسی فوج کے علاوہ گورہ فوجوں میں بھی اس کے برتن زیادہ خرچ ہوتے ہیں۔ اس کارخانہ نے ایک اور نئی صورت میں بھی ترقی کی ہے۔ یعنی صنائی میونسپل میں جن چیزوں کا استعمال ہوتا ہے۔ وہ بھی یہاں بنائی جاتی ہیں۔ علاوہ مضبوطی کے اسکے برتن آسانی سے صاف ہو جاتے ہیں۔ ایلومینیم کے ڈول لوہے کے ڈول سے زیادہ چلتے ہیں۔ اس لئے زیادتی قیمت بیجا نہیں ہے۔ اب یہ ضرورت ہے۔ کہ ملک کے مختلف حصص میں اس کے کارخانے قایم کئے جائیں +

شیشہ گری ایک ایسا مفید کام ہے۔ کہ آرائشی چیزوں کے علاوہ روزانہ خرچ کی ہزاروں چیزوں میں اس کی کھپت ہوتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مناسب مقامات پر مشترکہ سرمایوں سے ایسے بھٹے جس میں ایک وقت میں چار ٹن شیشہ گلایا جا سکے۔ ابتدا قریب ایک سو آدمی کام پر لگائے جائیں اور رفتہ رفتہ اُسے ترقی دی جائے۔ تا آنکہ لوگ اس میں واقفیت حاصل کر کے ہوشیار ہو جائیں۔ سوڈا واٹر کی بوتلیں۔ ادویات کی شیشیاں۔ پانی پینے کے

گلاس۔ متفرق طور کے ظروف۔ لیمپوں کی چمنی اور گلوب۔ متفرق کام کے بوتل اور آرائشی چیزوں کا سانچہ بنا ناچنداں دقت طلب نہیں ہے۔ نہ اسکے لیئے اُستادی چاہیئے۔ آدمیوں کے بہم پہنچانے میں بھی زیادہ مشکل نہ ہوگی۔ اس لیئے کہ احمد آباد اور انبالہ کے جو کارخانے شکست ہوگئے ہیں۔ اُن کے کچھ پُرانے ملازم دستیاب ہوسکتے ہیں۔ خود بہت سے ہندوستانی بالخصوص چوڑیاں بنانے والے شیشے گری کے کام سے واقف ہیں۔ اور یوروپین طرز کے بھٹوں پر جلد کام کرنا سیکھ لینگے ✣

مگر سب سے ضروری یہ ہے۔ کہ پہلے اول درجہ کا بھٹہ بہم پہنچایا جائے۔ جس میں ۲۵ فیصدی ایندھن کی بچت ہوتی ہے۔ لیکن اگر بھٹہ اچھا نہ ہوا۔ اور شق ہوگیا۔ تو کارخانے کے تباہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ہندوستانی کوئلہ ایسا نہیں ہے۔ کہ جس سے بہت بڑی حرارت پیدا ہوسکے۔ اس لیئے ایسا بھٹہ بنانا چاہیئے۔ کہ جس میں ادنےٰ درجہ کے کوئلے سے گیس پیدا کر کے جلائی جاسکے۔ اِس صنعت کے لیئے کسی بڑے سرمائے کی ضرورت نہیں ہے۔ قریباً ایک لاکھ روپیہ کافی ہوگا۔ مغرب میں کسی کام کے شروع کرنے کے لیئے جس سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کے اعتبار سے یہ بہت کم ہے۔ چند ہندوستانی اگر علیحدہ علیحدہ نہیں تو شریک ہو کر ایسے کئی سرمائے بہم پہنچا سکتے ہیں۔ یہ مناسب ہوگا۔ کہ ابتدا کوئی یوروپین ماہر بھی رکھ لیا جائے ✣

چار سال کے قریب ہوئے ہیں۔ کہ مغربی پریسیڈنسی کے صاحب بوصلہ مسٹر واگلے نہایت مشکل اور سخت محنت سے یہ کام سیکھ کر ولایت سے واپس آئے ہیں۔ اُن سے مفید مشورے حاصل ہوسکتے ہیں۔ یا اُن کی نگرانی

میں کام جاری کیا جاسکتا ہے۔ اِس ملک میں جس قدر شیشہ کی اشیا کا خرچ ہے اُسی قدر اُس کی ساخت کے قدرتی وسایل بھی موجود ہیں۔ یہاں کی زمین میں شیشہ بنانے کی ریت۔ سجی۔ اور ریہ بافراط ہے +

مسٹر واگلے نے گذشتہ ایام میں اسی غرض سے ہندوستان کے بعض حصوں کا دورہ کیا تھا۔ اور پنجاب میں کئی جگہ کی ریت اُنہیں اِس کام کے لئے مناسب معلوم ہوئی +

اگر ہندوستانی اہل سرمایہ مشترکہ کاروبار کرنے کے فوائد سے آگاہ ہوجائیں۔ تو بہت جلد ایسے ہزاروں کارخانے قائم ہو سکتے ہیں۔ جس میں اِسی ملک کی اشیا سے چیزیں تیار ہوں۔ اِس طرح ملک کا بہت کچھ روپیہ باہر جانے سے بچایا جاسکتا ہے +

حکیم برہم

قطعہ

ہر کوئی یاں رہا ہے جوئندہ ۔۔۔ تا مزہ کس کو کیجے یابندہ
چرخ عالم سدا سے چلتا ہے ۔۔۔ اور رہیں مہر و ماہ تابندہ
کم حد زمان گر کیجے ۔۔۔ رہے قاصر رسائیِ بندہ
رات دن پر ہے وقت کی تقسیم ۔۔۔ ورنہ لایعنی حال و آیندہ
سوچتے سوچتے تھکے سیانے ۔۔۔ نہ کھلا راز آفرینندہ
کیوں رہیں مبتلائے رنج و الم ۔۔۔ سمجھیں ہر انقلاب فرخندہ

زندگی مختصر ہے کیوں نہ شمیم
رہے مصروف بازی و خندہ

کنارِ گنگا

از منشی تلوک چند محروم

کنارِ گنگا پہ ہم نے ساون میں خوب لوٹی بہار جا کر
ملا اگر لطف زندگانی جہاں میں تو ہردوار جا کر
وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے وہ دَل کے دَل سر پہ بادلوں کے
دکھانا وہ بجلیوں کا عشوے پہ پہلوئے کوہسار جا کر
چہکتے پھرتے ہیں بن کے پنچھی نہیں ہے پروا نہیں کسی کی
نہ کوئی ظالم نہ کوئی موذی جو کرے اِن کو شکار جا کر
وہ اونچے اونچے شوالے مندر اچھلتے پھرتے ہیں جن پہ بندر
ابھی تھے باہر ابھی ہیں اندر وہاں بھی ہیں بیقرار جا کر
ہیں اپنی ہی دھن میں مست سادھو کئی ہیں مست الست سادھو
کہ چھوڑ بیٹھے ہیں گرہست سادھو حضورِ پروردگار جا کر
انہی میں ہیں کچھ شکم کے بندے بچھائے بیٹھے ہیں لاکھوں پھندے
تمام دن پیٹ کے ہیں دھندے بنایا دوزخ کو غار جا کر
وہ گھاٹ اور وہ ہجوم خلقت وہ حسن بے پردہ شان عصمت
کہ یاد آئے خدا کی قدرت جو دیکھے وہ جلوہ زار جا کر
وہ آب شیریں خنک مقطّر کہ مات ہو جس سے آب کوثر
اگر ہو قرباں نبات اُس پر تو برف بھی ہو نثار جا کر
پہاڑیوں کے وہ سبز تودے وہ خوش گلو خوش نوا پرندے

جو شاخساروں پہ ہیں چمکتے قطار اندر قطار جا کر
جو دیکھ چکتی ہے یہ کنارا تو دیکھنے پار کا نظارا
عبور کرتی ہے پاٹ سارا نگہ ٹھہرتی ہے پار جا کر
جسے ہو فردوس کی تمنا رہے وہ جا کر کنار گنگا
بُرا کیا تو جو واپس آیا وہاں سے محروم زار جا کر

تلوک چند محروم

میرا وطن

مشہور ہند ہے جو دنیا کا ہے خلاصہ — جاری ہیں جس میں چشمے بہتے ہیں جس میں دریا
الماس لعل و گوہر ہوتے تھے جس میں پیدا — دنیا پکارتی تھی سونے کی جس کو چڑیا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

دنیا کے وحشیوں کو جس نے ادب سکھایا — تہذیب کا جہاں کو جس نے سبق پڑھایا
جاپانیوں نے جس کو اپنا حرم بنایا — جس جا سے اُٹھ کے بودھ مت جہاں پہ چھایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ارجن نے جس زمیں پہ تیر افگنی دکھائی — کی بھیم نے جہاں پر تھی جنگ آزمائی
جس جا پہ کرشن جی نے نَے بہت کی بجائی — بھیشم نے جس جگہ پر ایشور سے لو لگائی
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اڑتا رہا جہاں پہ اکبر کا شاہی پرچم — تھی خوں فشاں جہاں پر تھی جنگ آزمائی
پرتاپ نے دکھایا جس جا پہ اپنا دم خم — سیوا نے جس سے پایا القاب شیرِ عالم
ملک میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے ہندوستان

کانگرس

(از مسٹر راندی)

بعض کم فہم لوگ کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کانگرس کے اغراض و مقاصد سے ہمدردی نہیں۔ مگر یہ ایک ایسی غلطی ہے جیسا دن کو رات کہدیا جائے۔ مسلمان ایسے بیوقوف نہیں ہو سکتے کہ وہ اپنے حقوق کی محافظت فرمانبرداری سے کرنا ناپسند کرتے ہوں کیا وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکے اور ہندوؤں کے قومی اور ملکی اغراض ایک نہیں؟ یہ ممکن ہے کہ چند مسلمان کسی ذاتی غرض یا مصلحت وقت سے ظاہرا خود کو کانگرس سے علیحدہ رکھیں مگر ایسی مثالیں ہندوؤں میں بھی ہیں تو ہمارا یقین ہے کہ ہر ایک مسلمان کانگرس کے مقاصد سے دلی ہمدردی رکھتا ہے اور وہ اپنے پولٹیکل حقوق سے بےخبر نہیں ہے۔ ہمارے دوست حضرت شروانی نے ان غلط فہمیوں کو دور کرنیکی کوشش کی ہے جو گورنمنٹ کے دل میں صاحب موصوف کے خیال کے مطابق اینگلو انڈین فتنہ پرداز اخباروں کی عنایت سے پیدا ہو گئی ہیں مضمون ایک عرضداشت کی صورت میں لکھا گیا ہے اور چونکہ موصوف صاحب کی طرف سے جوابات ہے معاملے میں [illegible] ایڈورڈ ہفتم نے لالہ لاجپت رائے جی کو رہائی دیکر رعایا پروری کا ثبوت دیا ہے اسلئے انہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

اعلیٰ حضرت!! ہندوستان کی جو حالت اس وقت ہے۔ اور جو بےچینی کے آثار اُس میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ملک اور سلطنت کے ہر حقیقی بہی خواہ کے لئے موجب تشویش ہیں۔ عموماً تمام اشخاص اور خصوصاً اراکین سلطنت اِس بےچینی کے اسباب دریافت کرنے کی طرف مایل نظر آتے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق اِس کے وجوہات بیان کرتا ہے اور اِس طرح بہت سے وجوہات بیان کئے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کرنا بالکل غیر ضروری اور تحصیل لاحاصل ہے۔ اُن کے متعلق صرف اتنا بیان کر دینا کافی

معلوم ہے کہ ان میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں۔ اسی ضمن میں کانگرس بھی ہے۔ حضور والا کے بعض کوتاہ اندیش مشیران سلطنت کانگرس کو اس کی علت غائی قرار دیتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے دعوے میں یہاں تک غلو کرتے ہیں۔ کہ ان کی رائے میں تمام وہ اشخاص جو کانگرس کی ہمدردی کا اظہار کریں۔ قتل یا جلاوطن کر دیئے جائیں۔ اور جو ان سزاؤں سے باقی بچیں وہ جیلخانوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح بھر دیئے جائیں۔ اور اگر ممکن ہو تو دنیا سے ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ لیکن میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ مقاصد کانگرس میں قطعاً کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے اس لغو خیال کی تائید ہو سکے۔ میرے دعوے کا ثبوت اس کے لٹریچر سے جو کافی مقدار میں موجود ہے اور ملک میں دن بدن بڑھتا جاتا ہے ہو سکتا ہے ✤

میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں۔ کہ ہمارے حقوق کو تلف کرنے اور ہمارے Cause کا رکو تا بقدر امکان ناگوار طور سے دکھانے کے لئے اس طرح ان لوگوں نے جناب کے کان و دل کو ہماری طرف سے مذموم باتوں اور خیالات سے بھر دیا ہے۔ لیکن اگر یور میجسٹی ازراہ نوازش و الطاف خسروانہ اس امر پر خیال فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ تو آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ اگر تہمت اور الزام کا لگایا جانا کسی امر کی واجبیت و ناراستی ثابت کرنے کے لئے کافی ہو۔ یا یہ کہ اسے افعال کی جانچ کا معیار قرار دیا جائے۔ تو کوئی فعل بایں جا یا اور برحق نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی شخص نقصان پہنچانے اور کانگرس کی جانب سے خراب خیالات پھیلانے کی غرض سے یہ کہے کہ ایک فرقہ اور حکام نے اسے ہمیشہ مضر خیال کیا۔ اور مشتبہ نظروں سے دیکھا ہے۔ اور یہ کہ کانگریسی خیالات کے اشخاص روزانہ

عدالتوں سے (جن کا فیصلہ منصفانہ اور غیر طرفدارانہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔) سزایاب ہوتے رہتے ہیں۔ تو وہ یقیناً اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا۔ کہ اُس پر اُس کے مخالفوں نے نہایت زیادتی کے ساتھ اپنی قوت اور مفسدانہ خیالات کو کام میں لاکر جبر و ظلم کیا ہے۔ اور بعض اوقات نہایت کثرت سے اُسکے متعلق جھوٹ اور غلط باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جائز نکتہ چینی پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ نکتہ چینی اگر وہ جائز بھی نہ ہو۔ مگر نیک نیتی کے ساتھ ہو کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں ہے۔ لیکن کانگرس کے متعلق ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ بلکہ اُس پر نہایت فریب وعیاری سے حرف گیری کی گئی اور تہمت لگائی گئی ہے۔ جان کیلون کا قول ہے۔ کہ "جب تک کسی دعوے کے متعلق پوری واقفیت بہم نہ پہنچالی جائے۔ اُس کے خلاف رائے قایم کرکے اُس پر فیصلہ صادر کر دینا بیجا اور اُس کے اصول کے خلاف اُس پر سڈیشن اور اذیت رسانی کا الزام قایم کرنا بے انصافی ہے" کانگرس کے متعلق اس سچے مقولہ کا ایک ایک حرف صادق آتا ہے +

عالی جاہا!! بعض لوگ خیال کریں گے۔ کہ ہم اس طرح حضور والا کے گوش مبارک تک خود جناب کی گورنمنٹ کی شکایت کرنے میں غلطی پر ہیں لیکن اُن لوگوں کو یہ تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ ہم پر تہمت لگانے میں کس قدر دروغ گوئی اور دریدہ دہنی سے کام لیا جاتا ہے۔ کیا روزمرہ ہم لوگوں کو جناب کے سامنے یہ کہکر بدنام نہیں کیا جاتا۔ کہ ہم لوگ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینے ملک و سوسائٹی میں خلل انداز ہونے۔ قانون کی پابندی تباہ کر دینے۔ جائداد و خاندانی تفریق کے اُڑا دینے میں کوشاں رہتے ہیں؟ لیکن جناب والا الزامات کا حصہ جو آپ کے کان تک پہنچا ہے۔ وہ اُس کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔

جو عام طور سے اِن لوگوں نے پھیلا رکھے ہیں۔ یہ الزامات اگر صحیح ہوں۔ تو ایسے اصولوں کے اختیار کرنے والوں پر جو سختیاں لی جائیں۔ وہ بالکل حق بجانب ہونگی۔ جو نفرت عام طور ہماری طرف سے دلوں میں جاگزین ہو گئی ہے اُس پر ایسی صورت میں جبکہ بے بنیاد الزامات کو صحیح و درست خیال کیا جاتا ہے۔ کون شخص ہے جو متعجب ہو؟ حضور!! یہ اصل وجہ ہے۔ کہ اینگلو انڈین اور بعض مسلمان کیوں ہماری طرف سے بدظن اور ہمیں الزام دینے میں یک زبان و ہم آہنگ ہیں +

اِسی طرح وہ لوگ بھی جو عدالتوں میں اختیارات کو کام میں لاتے ہیں۔ محض اِسی قسم کے خیالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور اپنے فیصلوں میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ جن سے بچپن سے اُن کے دل و دماغ آشنا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر جج سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اگر کسی شخص کو جس پر جرم قانونی شہادت (جس کا ہندوستان میں مہیا کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اور وہ بھی پولیس کو) کی رو سے ثابت ہو چکا ہو۔ سزا دے دیں۔ تو وہ اپنے فرائض سے بخوبی سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ وہ کیا جرم ہے جس کے اثبات پر سزا دی جاتی ہے؟ وہ جرم یقیناً سوائے اِس کے دوسرا نہیں ہے۔ کہ کانگرس ہندوستان کی پولٹیکل ترقی کی خواہاں اور ہندوستانیوں کو ہندوستان کی گورنمنٹ میں معقول واجبی اور حصہ رسدی حصہ دلانے کی کوشاں ہے" جو لوگ اِس نیک مقصد کو جرم قرار دیں۔ اُنہیں خود غرض اور کوتاہ اندیش کے سوائے اور کیا کہا جا سکتا ہے +

گرامی قدر!! انصاف مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ میں حضور والا سے اِس معاملہ کی پوری اور مکمل تحقیقات کی جانے کے صدور حکم کی درخواست کروں۔

جناب والا! یہ عرض کر دینا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ کانگرس کے متعلق اِس وقت تک طرح طرح کی غلط افواہیں پھیلائی گئیں۔ اور اُس پر نہایت بیجا اور نامناسب الزامات واتہامات لگائے گئے ہیں۔ اُس کے حامیوں اور چلانیوالوں کے متعلق کارروائی کرنے میں بہ نسبت سنجیدگی کے جو ایک مہذب گورنمنٹ اور عدالت کی شان ہے۔ زیادہ تر تعصب اور معمولی الغضبی سے کام لیا گیا ہے۔ اور اِس کا انسداد سوائے اِس کے کہ جناب شاہی اختیارات کو کام میں لا کر تحقیقات کا حکم صادر فرمائیں۔ دوسری طرح ہوتا معلوم نہیں ہوتا +

جس مسئلہ کی طرف میں خدامات والا کی توجہ سامی منعطف کرانا چاہتا ہوں اُس سے نہ صرف تیس کروڑ رعایائے ہندوستان ہی کا تعلق ہے۔ بلکہ تمام سلطنت برطانیہ کی دوسری رعایا کا بھی ویسا ہی گہرا ہے۔ جیسا کہ خود اُن بدنصیبوں کا جو اُس سے فائدہ اُٹھانے کے مستحق ہیں۔ اِس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اِسی مسئلہ کے طے ہونے پر ہندوستان کی آیندہ قسمت کا فیصلہ منحصر ہے۔ اور ہندوستان کے ساتھ تمام برٹش امپائر کی قسمت وابستہ ہے۔ اگر خدانخواستہ اِس کے بخیر وخوبی انجام نہ پانے کی وجہ سے برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان میں کوئی صدمہ پہنچا تو سلطنت برطانیہ وہ سلطنت برطانیہ نہ رہیگی۔ جو اب تک تھی۔ اور دنیا کی باگ جو گذشتہ صدی سے انگریزوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ وہ اُن سے نکلکر کسی دوسرے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ لہذا ضرورت ہے کہ قبل اِس کے کہ کوئی اِس قسم کا خوفناک نتیجہ نکلے۔ اُس کا انتظام کر لیا جاوے۔ ورنہ جب اُس کا ظہور شروع ہو جائیگا۔ تو پھر کوئی تدبیر وعلاج کارآمد وسود مند نہ ہوگا +

پور سیحسبتی!! اجن خوف کا کانگرس دعوٰے کرتی ہے۔ اُن کی بابت بہت سی غلط فہمیوں کو پھیلایا گیا ہے۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن اِس پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ تمام ملک کے کونے کونے اور چپہ چپہ میں اُنہیں تمام معلومہ طریقوں سے پامال کیا گیا۔ اور اُنہیں قطعاً دبا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضور کی رعایا میں سے ہر ایک فرد کو یہ یقین واثق ہے کہ ایسا جناب کی اجازت یا مشورہ سے نہیں ہؤا۔ بلکہ یہ بعض خود مختار مطلق العنان اور جابر حکام کی اہلیانہ کارروائی ہے۔ جو خود اعلٰے حضرت کے اصول سلطنت۔ برٹش کانسٹیٹیوشن اور ملکہ معظمہ مرحومہ کے ۱۸۵۸ء کے شاہی اعلان کے بالکل منافی ہے۔ یہ دریافت کرنا کہ ایسا کس طرح کیا گیا بیفایدہ ہے۔ لیکن اِس امر کا کہ ایسا ہؤا ہے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جناب والا! آپ کے بعض شریر یوناہندیشن نائب یہاں تک غالب آگئے ہیں۔ کہ اگر "حق" بالکل جڑ سے اُکھاڑ کر نہیں پھینکدیا گیا۔ تو دبا تو ضرور دیا گیا ہے۔ اور اِس خطرہ کے زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا گویا کوئی وجود بھی نہیں۔ اُس کے حامی بعض جلاوطن کر دیئے گئے ہیں بعض جیلخانوں میں ہیں۔ اور بہت سے ظلم کے خوف سے دم مارتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اِس پر بھی اُس کے دشمنوں کو صبر نہیں۔ اور وہ اُسی غیر معمولی جوش اور جنون کے ساتھ اُس کی تباہی پر کمربستہ ہیں۔ اور جو تباہی کہ اُنہوں نے پھیلا رکھی ہے۔ اُسے اور مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس دیوار پر حملہ کر رہے ہیں جس میں پہلے ہی شگاف پڑ گیا ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا رحم دل منصف اور حق پسند نہیں۔ جو اِن زیادتیوں سے مظلوموں کو پناہ دے۔ جو شخص کہ بہت بڑا حق پسند خیال کیا جاتا ہے۔ وہ بھی صرف اتنا کہتا ہے۔ کہ "نادان آئومیوں کی غلطی اور خیرہ چشمی کو نظر انداز کرنا چاہیئے"۔ یہ نیک بخت اُس بات کو جسے وہ

حق الیقین کے درجہ پر جایز اور درست سمجھتے ہیں۔ "غلطی اور خیرہ چشمی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کو جنہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ "نادان آدمی" بتاتے ہیں۔" اس طرح تمام لوگ حق بات کہتے ہوئے شرماتے اور خوف کھاتے ہیں" +

عالی جاہا!! بحیثیت دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ ہونے اور خداوند تعالےٰ کی ایک چوتھائی مخلوق کے گلہ بان ہونے کے آپ کا یہ فرض ہے۔ کہ آپ اپنے کان اور دماغ ودل ایسی باتوں کی طرف سے جن کے نتائج ایسے اہم نکلنے والے ہوں بند نہ کریں۔ ہندوستانیوں کے حقوق کا مسئلہ ضرور حضور کی توجہ تامہ کا مستحق ہے۔ "ایک حقیقی اور سچے حکمران کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے۔ کہ وہ یہ تسلیم کرلے۔ کہ وہ خدا کی طرف سے اُس کی مخلوق اور اپنی رعایا کا محافظ اور خدمت گذار مقرر کیا گیا ہے۔ جو حکمران کہ اپنی حکومت کو خداوند تعالےٰ کی مرضی اور مخلوق کی بہبودی کا مطیع نہیں کردیتا۔ وہ بادشاہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے +

اِس کے علاوہ وہ آپ کو بھی اِس خیال سے دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ کہ اُس کی سلطنت ہمیشہ قایم رہیگی۔ جب پر وہ خدا اور اُس کی مخلوق اور خوف بازپرس کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی سلطنت جس میں احکام خداوندی کی پابندی نہ ہو۔ بہت عرصہ تک قایم نہیں رہ سکتی +

حضور والا!! ہماری ناچیزی اور بیقدری کے خیال کو اپنے دل پر اس قدر اثر نہ ڈالنے دیجئے۔ کہ وہ آپ کو اِس معاملہ کی تحقیقات سے باز رکھنے پر قادر ہو جائے۔ ہم اپنی غربت۔ لاچاری اور خستہ حالی سے پورے طور پر واقف ہیں۔ تمام مغربی دنیا ہمیں حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

خود سلطنت برطانیہ کی دوسری رعایا جو ہم سے زیادہ خوش قسمت ہے۔ ہم سے بچتی ہے۔ لیکن کیا اس امر سے کہ اُن کا اس درجہ پر ہونا ہندوستان ہی کا طفیل ہے۔ انکار کیا جا سکتا ہے؟ کوئی ایسی شے جس پر وہ فخر کر سکیں ہندوستانیوں کے پاس نہیں رہی۔ سلطنت۔ دولت۔ علم۔ صنعت و حرفت اور تجارت۔ غرضیکہ سب کچھ وہ اپنے حکمرانوں کی نذر کر چکے ہیں۔ البتہ جو کچھ اُن کے پاس باقی ہے۔ وہ صرف "راستی اور حق پرستی" ہے۔ بدقسمتی سے حاکم قوم کے بعض افراد اُنہیں اس سے بھی معرا ظاہر کرتے۔ اور تاکہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے نہ پڑیں۔ اُسے بھی اُن سے زائل کرنے کے درپے اور کوشاں رہتے ہیں +

جس شخص کو مقاصد کانگریس سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ وہ جان سکتا ہے۔ کہ اُس کے اصول کبھی مہذب گورنمنٹ کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ ہمارے مخالف نہایت زور شور کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ ہماری حق پرستی۔ حب الوطنی اور قومی بہبودی کا خیال محض ادعا ہی ادعا ہے۔ ورنہ ہم اُنکے بدترین دشمن ہیں۔ یہ نہ صرف بہتان عظیم ہی ہے۔ بلکہ ایسا کہنا انتہا درجہ کی بےحیائی اور بےشرمی بھی ہے۔ آپ اگر کانگریس کی باتیں سال بسال ملاحظہ فرمائیں گے۔ تو خود جناب بھی اسی فیصلہ پر پہنچیں گے۔ ہم جناب سے سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتے۔ کہ آپ ہمارے دعاوی کے تمام پہلوؤں پر سرسری طور سے نظر ڈالئے۔ اور اگر اس کے بعد جناب اس نتیجہ پر پہنچیں کہ "ہم لوگوں کو محض اس لئے ستایا جاتا۔ اور بُرا کہا جاتا ہے۔ کہ ہم اپنے جائز حقوق طلب کرتے ہیں" تو آپ جو فیصلہ ہم لوگوں کے متعلق صادر فرمائینگے اُس کے منظور کرنے میں یقیناً کسی کو کسی قسم کا عذر نہ ہوگا۔ چونکہ ہماری یہ

خواہش ہے۔ کہ ہندوستانی ترقی کریں اور ایک معقول حد تک اپنے ملک
کا انتظام خود کریں۔ اس لئے ہم میں سے اکثر حوالاتوں میں بہت سے جیلخانوں
میں اور بعض جلاوطنی کی حالت میں اپنی قیمتی زندگی کے اوقات بسر کر رہے
ہیں۔ اور بہت سے خاموش کر دیئے گئے ہیں۔ ہم سب ایک طرف سے
مصائب میں گرفتار ہیں۔ کیا کسی پر لعن طعن کرنا اور اس کی بدنامی کرنا بہت
بڑی مصیبتیں نہیں ہیں؟ اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ہم لوگوں سے نہایت
سخت برتاؤ کیا جاتا ہے +

اب ہمارے مخالفین (میرا مطلب مسلمانوں کے ایک خاص فرقہ اور
انگلو انڈین فرقہ سے ہے جو مسلمانوں کی آڑ میں اپنا مطلب نکالتا ہے۔)
کو لیجئے۔ اور غور فرمایئے۔ کہ اُن کے دل و دماغ کن خیالات اور جذبات سے
بھرے ہوئے ہیں۔ حق اور راستی کا ہر ایک شخص کو طرفدار ہونا چاہئے۔ وہ
لوگ اس کے برخلاف حق کو چھپاتے۔ اُس کے متعلق غلط بیانات شا
کرتے۔ اور اُن باتوں کو اُس سے منسوب کرتے ہیں۔ جو اصل م
بالکل متعلق نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ ایسا کیوا
جواب یہ ہے۔ کہ اُن کا مذہب اور اُن کا خدا۔ اُن کا
کرتے ہیں۔ کہ اگر انہوں نے اُس سے انحراف کا
خارج ہو جائیں گے۔ غرضیکہ اُن کا مقصد اِن
کا بھڑکا رکھنا ہے۔ ملک اور اہل ملک کی تبا
پروا نہیں۔ اُنہیں اس سے کیا غرض کہ م
اُنہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے
کان میں پتہ تک نہیں +

یہ لوگ ہمارے اصولوں پر حملہ کرنے کا کوئی موقعہ اور وقت خالی نہیں جانے دیتے۔ وہ اُسے مختلف طریقوں سے متہم اور بدنام کرنے میں دوسرو کی نظروں میں اُسے مشتبہ یا اُس سے اُن کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے لئے یہ اصول نئے ہیں۔ وہ عیب جوئی کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگوں کی نیتیں مشتبہ اور غیر معلوم ہیں۔ وہ (انگلو انڈینس) کہتے ہیں۔ کہ چھ کروڑ مسلمان باشندوں کی رضامندی کے خلاف اُن پر عمل درآمد کیا جانا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ بیان ہے۔ کیونکہ مسلمان کلیتاً من حیث المجموع کانگریس کے خلاف نہیں ہیں۔ اِس کے علاوہ وہ ایک عجیب منطق سے کام لیتے۔ اور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کہ یا تو ہمارے اصول غلط ہیں۔ یا یہ کہ گذشتہ غیر معلوم صدیوں سے گورنمنٹ بیجان تھی۔ جبکہ اِس قسم کی کوئی بات سننے میں نہیں آئی۔ اخیر میں وہ کہتے ہیں۔ کہ بحث کی کوئی ضرورت نہیں
اصلیت۔ اُن کے نتائج مثلاً ملک میں بیچینی۔ شورشیں اور آزاد
ہوتی ہے۔ لیکن اِس قسم کی باتیں جاہل سیدھے سادھے
ں کو بھی یاور کرائی جا سکتی ہیں۔ اور اُنہیں کو اِن سے
قف حال اور زمانہ شناسی لوگوں کے منافع اس قسم
تی +
سے جو مخالفین ہمارے متعلق جناب کو بدظن
سوائے بغاوت پھیلانے کے دوسرا نہیں
دل۔ ہم تفریق ڈالنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہمارا
اری طرف وہ خواہشیں منسوب کی جاتی

ہیں۔ جن کی طرف ہم نے کبھی ذرا سی بھی توجہ نہیں کی۔ ہم ہمیشہ سلطنت کے مطیع و فرمانبردار اور حقیقی بہی خواہ رہے ہے۔ اور اب تک ہیں۔ کانگریس نے اُن لوگوں کے ساتھ کبھی ہمدردی نہیں کی جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کو نقصان پہنچانا چاہا۔ اور اب جبکہ چاروں طرف کی مصیبتیں اور بلائیں ہمارا نرغہ کئے ہوئے ہیں۔ ہم حضور کی ذات کی سلامتی ملک کی سرسبزی اور سلطنت کی پائداری کے لئے دست بدعا ہیں +

اعلیٰ حضرت!! اس غرض سے کہ خدامات والا بہ سبب فطرتی نیک نیتی کے ہمارے دشمنوں کے بیانات کو جو وہ ہماری طرف سے بدظن کرنے کے لئے حضور کے سمع مبارک تک پہنچاتے ہیں۔ باور نہ کرلیں۔ اُن کی زہرآلودہ غلط بیانیاں جناب کے سامنے کافی تفصیل کے ساتھ پیش کردی گئی ہیں۔ بلکہ مجھے خوف ہے کہ اس عرضداشت کے زیادہ طویل ہوجانے کی وجہ سے وہ کافی سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ تاہم میں یہ عرض کردینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ اس سے میرا مطلب کسی قسم کی صفائی پیش کرنے کا نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ جناب کے خیالات کو آسودہ اور دل کو نرم کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ تاکہ جناب اس ضروری اور اہم مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرکے کوئی رائے قائم کرسکیں۔ اگر یور میجسٹی کانگرس کی ۲۲ سالہ کارروائیاں اور رپورٹیں ملاحظہ فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ تو میں امید کرتا ہوں۔ کہ جناب کے خیالات اگر کچھ کبیدہ بھی ہوگئے ہوں۔ تو ہماری طرف سے ضرور صاف ہوجائیں گے۔ لیکن اگر بدگویوں کی زبان نے جناب پر اتنا قابو پالیا ہے کہ آپ اس عظیم الشان انسٹیٹیوشن کے متعلق کچھ سننا گوارا نہ فرمائیں تو واقعی ہماری حالت قابل رحم ہوگی۔ اور ہم انتہائے قعر مذلت میں جا پڑیں گے۔

ایسی صورت میں ہم ہر ایک سختی اور تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اُسے صبر اور خندہ پیشانی کے ساتھ اُٹھائیں گے۔ یہاں تک کہ خداوند کریم کا زبردست ہاتھ مظلوموں کی دادرسی کے واسطے ظاہر ہو۔ وہ خدا جو غریبوں اور بیوہ عورتوں کو سختی سے رہائی دیتا ہے۔ وہ خدا جو ظالموں سے اُن کے افعال کی بازپرس کرتا اور سزا دیتا ہے۔ وہ خدا جو حقارت کرنے والوں کو نفرت اور جو حقارت سے دیکھے جائیں۔ اُنہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خدا جسے چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو چھوٹا کر دینے کی قدرت ہے۔ ہم بھی صرف اُسی سے انصاف چاہتے ہیں +

خداوند کریم جو تمام شاہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ یور میجسٹی کی سلطنت کو انصاف معدلت اور نیک نامی کے ساتھ ابدالآباد تک قایم رکھے۔ آمین۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

سوراجیہ۔ ہمارے دوست رائزادہ شانتی نرائن جو اخبار ہندوستان کے سلسلے میں رہے ہیں اور گذشتہ چند دنوں تک ایڈیٹر انچارج بھی رہے اور نہایت خوبی سے اپنے فرض کو انجام دیا۔ الہ آباد سے سوراجیہ نام ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا ہے۔ اہل پنجاب ہمارے دوست کے زور قلم سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لیے کسی مزید تعریف کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اخبار جس ڈھنگ سے نکالا گیا ہے۔ اس سے ترقی کی اُمید کی جاتی ہے۔
چندہ سالانہ ... ... عہ

غزل طالب

از منشی وناٹک پرشاد طالب

ہندوستان بھر کے سخن فہم حضرات ہمارے کرم فرما جناب طالب کے کلام کے مجموعہ اور دیوان کے نام نامی سے آشنا ہیں۔ ناظرین آزاد کو اکثر ان کا کلام پڑھنے کا موقع ملا ہے کیونکہ جناب طالب نے آزاد کی قلمی اعانت اپنے فرض قرار دے رکھا ہے۔ ذیل کی غزل مرزا بیدل جنہیں غدر کی بچی ہوئی یادگار کہا جاتا ہے کی طرح پر معرفت کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔ سبحان اللہ کیا طبیعت پائی ہے غزل کا بیہود انداز ملاحظہ ہو + ایڈیٹر

جو عذاب لذتِ دہر سے دلِ بوالہوس ہے خطا طلب
کوئی با خطا بھی نہ یوں ہوا کبھی اپنے حق میں سزا طلب
کرے دہر سے جو وفا طلب وہ ہے اپنے حق میں جفا طلب
یہ ہے ناسزا یہ ہے بے وفا ہے حق کی اس سے ہو کیا طلب؟
تری حرص ہے تری کاہشیں تری خصم ہے تری خواہشیں
بُتِ آرزو کو جو توڑ دے نہ ہو حق سے بھی وہ خدا طلب
جسے وصلِ یار کا شوق ہو جسے اُس سے ملنے کا ذوق ہو
کرے حق سے راہ فنا طلب کرے دل سے آہِ رسا طلب
تو بُتِ موہنی کا جو رام ہے قفسِ نفس میں مدام ہے
ترا مدعا ہے ضرر بھرا۔ تری ہر دعا ہے خطا طلب
یہی درد راحتِ جاں بھی ہے یہی غم جراحتِ جاں بھی ہے

لگے زخمِ عشق جو سینے میں نہ ہو چارہ گر سے دوا طلب
تری جا ہے منزلِ لامکاں ترا گھر ہے عشرتِ جاوداں
جو فساد نفسِ شریر سے نہ ہو معرضِ فتنہ فزا طلب
جو تو مرے اپنی حیات میں تو وہ زیستی ہے ثبات میں
جو ثبات قبلِ ممات ہے نہیں پھر وہ جورِ قضا طلب
دل کو اپنے جو کھول دے کوئی پردہ گر نہ ہو سامنے
تو شعاعِ مہرِ نگار خود ترے گھر میں آئے بلا طلب
رہِ جستجو میں ہو گم اگر تو ملے نہ اپنی تجھے خبر
ترے ہوش اڑنے کے واسطے کریں تجھ سے بالِ ہما طلب
گہرِ مرادِ مراقبت جو حصول ہو تجھے عاقبت
کریں خارزارِ جنوں سے پھر ترے اشک آبلہ پا طلب
ہے داماں اس پہ جو اے ضیا گہرِ قناعت و صبر کا
تو چراغِ خاطرِ بوالہوس نہ ہو یادِ حرص و ہوا طلب
خط و خالِ صورتِ یار کا تو دکھا مرقعۂ با صفا
کرے نامہ تیرے عمل کا جب کوئی تجھ سے روزِ جزا طلب
سرِ راہِ شرم سے دور ہو تو نگاہِ فسق و فجور ہو
کبھی نورِ غفلت و بے خودی نہ کرے گی چشمِ حیا طلب
کہاں طرزِ بیدلِ بے بدل کہاں فکرِ طالبِ پُر خلل
نہیں پر قصور قمر اگر کرے خود سے کسبِ ضیا طلب

طالب بنارسی

بلوچستان کی سیر

از میر کریم اللہ بن برق

برٹش سلطنت جس کے اوپر آفتاب عالمتاب رات دن کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر کبھی غروب ہونا بیان نہیں کیا جاتا۔ اس کے شائستہ ملکوں کے حالات تو ناظرین رسالہ ہذا نے کئی بار مختلف طریقوں میں دیکھے ہونگے مگر جو چشم دید حالات ہم نے شمال مشرقی برٹش بلوچستان کے اسی کے اندر رہکر اپنی چھ سالہ ملازمت میں جمع کئے تھے۔ وہ قابل غور ہیں۔ اس سلطنت میں جہاں شائستگی کا نمبر اول درجہ پر مانا جاتا ہے۔ وہاں جہالت کی حقیقت کا بھی کچھ نہ پوچھئے گا۔ جن لوگوں نے افریقہ کے ملک سے کے قرب وجوار کو دیکھا ہے۔ اور وہاں کے مادرزاد ننگے آدمیوں کو بچشم تبصرہ ملاحظہ کیا ہے۔ وہ تو کچھ حیرت میں نہ پڑیں گے۔ مگر جن لوگوں کو سمندروں سے پار تو درکنار اپنے گھروں سے باہر قدم رکھنے کی کبھی نہیں سوجھی۔ ان کو مشرقی بلوچستان کے حالات پڑھ کر ضرور ہی ایک قسم کی دلچسپی وحیرت ہو جاوے گی۔ اور وہ لوگ ان لوگوں کی طرز معاشرت اور اپنی رہائش کی صورت میں زمین آسمان کا فرق ضرور پائیں گے۔ یہ حصہ جس کے حالات ہم لکھنے لگے ہیں۔ کاکڑستان کے نام سے مشہور ہے۔ جنوبی حصہ اس کا ضلع سبی کے علاقہ ددکی سے ملتا ہے۔ اور شمالی حصہ فورٹ سنڈیمان تک چلا جاتا ہے۔ مشرق میں ڈیرہ غازیخان کے غربی علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور مغرب کی سمت بنوچمن تک چلا گیا ہے۔ یہاں کے لوگ سب کاکڑ افغان کہلاتے ہیں۔ مگر ان کی طرز تمدن افغانستان کی دیگر قوموں سے بالکل جدا ہے انکا لباس

لنڈا و بھدہ ہوتا ہے۔ کرتے لمبے لمبے اور بدتراش۔ شلوار ۴۰ یا ۵۰ گز کے چلتے ہوئے پائنچے پانچ پانچ فٹ آگے پیچھے پاؤں پر لٹکتے چلے جاتے ہیں۔ بال سر پر بڑے لمبے کندھوں سے نیچے تک لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ سر پر بے وضع پگڑی یا پٹکے۔ اُن کو نہانے دھونے کا خیال تو برسوں تک یاد نہیں پڑتا۔ سردیوں میں مکانوں کے اندر رہتے ہیں۔ جن کو دروازہ یا قفل بالکل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں میں ابھی تک چوری چکاری کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ نیچے نمدے بچھاتے ہیں۔ اور اوپر ایک بڑا لمبا سا ان فٹ جس کے نیچے سارا کنبہ لپٹ کر سو جاوے۔ چارپائی کا یہ لوگ ابھی تک نام بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ پندرہ سال سے کچھ اوپر یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ آئے ہوئے ہیں۔ مگر تہذیب کے اثر سے ابھی کوسوں دور ہیں۔ گرمیوں کے اندر یہ لوگ دیگر سرسبز علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں گھاس۔ پات۔ پانی کثرت موجود ہوتا ہے۔ اپنے چھپر جھگیاں ڈال کر گذارہ کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کی صحت بڑی اچھی ہوتی ہے۔ سرکار نے بعض مقامات پر سکول بھی ان کے لئے جاری کئے ہوئے ہیں مگر آج تک یہ لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے وہاں نہیں بھیجتے۔ وہ اپنے پرانے دقیانوسی خیالات پر ہی لٹو ہو رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ دنیا کی ہوا آج کل کدھر کو رخ کئے ہوئے ہے۔ کریما اور پنج گنج اور کچھ موٹی موٹی کتابیں فقہ کی اپنے ملاؤں سے حاصل کرنے کو ہی فخر جانتے ہیں۔ جس کے لئے وہ مسجد و ملا کی خدمت کو اپنا فرض اولیٰ خیال کرتے ہیں۔ ملاؤں کا حکم خدا و رسول کے حکم کے برابر سمجھتے ہیں۔ اور بس ٭

جب سرکاری سکولوں کے معلم ان کے دیہات میں موجودہ علم کی ترغیب پر ان کو کچھ نصیحت کرنے جاتے ہیں۔ تو ان سے یہ خندہ پیشانی پیش نہیں آتے۔

بلکہ الٹی سیدھی گالیاں بکنے لگ جاتے ہیں۔ اور قتل کی آمادگی ظاہر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ ہمارے گاؤں سے باہر نکل جاؤ۔ پھر نہ آنا۔ ہم ایسی تعلیم حاصل نہیں کریں گے۔ جس سے منشی۔ بابو۔ پٹواری بنکر تمہاری طرح گھروں سے نکل جاویں۔ ہم نوکری کو آگ لگاتے ہیں۔ ہمارے پہاڑوں میں گھاس۔ پانی چارہ۔ لکڑی بکثرت ہے۔ ہماری زمینیں بہت ہیں۔ گیہوں جو بہشتی میوہ ہے۔ یہاں اس قدر پیدا ہوتا ہے۔ جو سمیٹنے سے نہیں سمٹ سکتا۔ پھر اس سے زیادہ ہم کو اور کیا چاہیئے۔ خیال تو اچھا ہے۔ مگر اس کی تقلید ہندوستانیوں سے بہ مشکل ہو سکتی ہے۔ اور ہندوستان میں ایسی آزادی شاید کسی خطۂ ملک کو ملی ہو تو ملی ہو ہم یقین نہیں لائیں گے۔ نمک۔ مرچ۔ مصالحہ کا تو یہ لوگ تا حال نام بھی نہیں جانتے۔ آٹا پتھروں پر یا کپڑوں پر گوندھ لیتے ہیں۔ روٹی پتھر یا مٹی کے تووں پر پکا لیتے ہیں۔ پانی مشکوں میں بھر کر رکھ لیتے ہیں۔ چھاچھ بھی انہی مشکوں میں [illegible] لیتے ہیں۔ اور اناج پن چکیوں پر پیسنے کو بھیج دیتے ہیں۔ [illegible] اول ایک [illegible] کوئی [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] کپڑوں۔ تاگوں اور [illegible] کے ساتھ [illegible] کی تلاش میں چار چار پانچ پانچ [illegible] مسافروں کے پیچھے [illegible] دکھائی دیتے ہیں۔ بعض منزلوں پر تو ہندو دوکاندار ملتے ہیں۔ مگر ان کے اکثر گاؤں دکانوں سے بالکل خالی نظر آتے ہیں۔ ہم حیران ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے اسباب معاشرت کہاں سے لیتے ہونگے اور کیا کرتے ہونگے۔ وہاں کے

ہندوؤں کا لباس بھی اُنہیں سے قریباً ملتا جُلتا ہے۔ البتہ تمیز کرنے کو سُرخ رنگ کی پگڑی ان کی ضرور ہوگی۔ جس سے وہ فی الفور پہچان لئے جاتے ہیں۔ کاکڑ لوگ اِن کو دیوان سے ملقب کیا کرتے ہیں۔ پنجاب کے ہندو اور دیگر زرگر لوگ ڈیرہ جات کی طرف سے آکر اُن کو کچھ موٹے موٹے زیور و کپڑے دے جاتے ہیں۔ اور اُن سے بجائے اُن کے ہینگ۔ کُرت (دہی جما ہوا) خشک خرمانی۔ خشک سیاہ انگور و انار پنجاب لولے آتے ہیں۔ معمار۔ بڑھئی۔ موچی۔ جولاہے وغیرہ اِن میں کوئی نہیں ہوتے۔ البتہ کسی نہ کسی جگہ لوہار یعنی کاریگر موجود ہوتے ہیں۔ جوتیاں یہ لوگ پہنتے ہی نہیں۔ بلکہ اکثر بھٹے کی کھیڑیاں اور خود تراشیدہ بھدے جوتے بنا لیتے ہیں۔ اِن کے دیہات میں پانی جابجا بصورت کاریز۔ وویالہ (نہر) جاری ہیں۔ جس سے ان میں باغات کی کثرت ہے۔ مگر اُن میں زیب و آرایش کا کوئی ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔ جو لوگ چھاؤنیوں کے پاس رہتے ہیں۔ وہ کچھ کچھ اثر انگریزی تہذیب کا سیکھنے لگ گئے ہیں۔ مگر فی الحال سردار سے لیکر ادنے غریب تک بغیر چارپائیوں کے زمین پر لیٹ کر گذارہ کر رہے ہیں۔ گیہوں کی پتلی پتلی چپاتیاں اکثر اوقات پیاز سے کھاتے ہوئے یہ لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس کو اپنی امارت میں شمار کرتے ہیں۔ باقی عام لوگ سادہ روٹی بغیر نمک۔ مرچ و سالن کے کھاتے ہیں۔ اِس ملک میں جوار و باجرا کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ البتہ کہیں کہیں نہ کہیں بوتے ہیں۔ دال و باجرا کے ناموں سے متنفر پائے جاتے ہیں۔ اِن کے مضبوط اور عمدہ گھوڑے چراگاہوں میں کھلے چرتے پھرتے ہیں۔ بھینس اِس ملک میں بالکل نہیں ملتی۔ گدھوں سے بوجھ ڈھونے کا کام اکثر لیتے ہیں۔ پرندے بھی اِس ملک میں عموماً نایاب ہیں۔ کوا کہیں نام کو نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ اکثر حصہ ملک کا برفانی ہے۔ مارخور جو جنگلی بکرا

ہوتا ہے۔ لورالائی کے پہاڑوں کی دوسری طرف شمال میں کثرت سے ملتا ہے۔ جس کے شکار کے لئے اکثر شوقین یورپین لوگ چھاؤنیوں سے نکلا کئی کئی دن ان کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ مگر ان کی رہنمائی کو ایک دو کاکڑوں کا ہمراہ ہونا ضروری ہے کیونکہ وسیع پہاڑوں میں راستہ بھولنے کا بڑا خطرہ رہتا ہے۔ کاکڑوں کا سردار ہندوباغ کے علاقہ میں رہتا ہے۔ جس کو اب سرکار سے کچھ نقدی وغلہ بطور وظیفہ ملتا ہے۔ اگرچہ وہ سرکاری افسران کے ساتھ میل جول کرنے کو آتا جاتا ہے۔ مگر اُس کی طرز زندگی بھی ایک غریب کاکڑ سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ لونڈیاں اُس کے گھر میں خدمت کو اوروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ مگر یہ سب لوگ بھی چارپائی پر سونا عیش خیال کرتے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے ابھی تک اپنی مہربانی سے ان پر معاملہ زمینداری کی صورت میں نہیں لگایا۔ بلکہ اُس کے بدلے پیداوار ہی قبول کی جاتی ہے۔ جس کو پٹواری اور گرداور (نائب پٹواری) لوگ وصول کرتے رہتے ہیں۔ گاؤں کے نمبردار پنجاب (ہندوستان کی طرح گاؤں کے سردار نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ برائے نام نمبردار ہوتے ہیں۔ ان کو کچھ تھوڑا سا غلہ گاؤں کے معمولی انتظام کے لئے ملتا ہے چوکیدار تو دیہات میں کبھی دیکھنے یا سننے میں نہیں آئے۔ مقدمات ان کے جرگے یا پنچایت میں طے ہو جاتے ہیں۔ کورٹ میں ان پر دیوانی و فوجداری مقدمات میں مفقود ارہے۔ اور اپنی عرضیوں کو آج تک ڈاک کے ذریعہ عدالت کو بھیج سکتے ہیں۔ شادی میں بہت سا روپیہ لڑکی والے لیتے ہیں۔ جس کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حق مہر اول ہی وصول کر لیا کرتے ہیں۔ وحشی مسلمانوں میں جتنی گراں شادیاں اس علاقہ میں ہوتی ہیں۔ اور کہیں دیکھنے یا سننے میں نہیں آئیں۔ کاکڑی عورتیں اکثر دین دار اور صالح

ہوتی ہیں - اور وہ صوم و صلوٰۃ کی خاصی پابند ہوتی ہیں - اُن کا چال چلن بھی قابل تعریف ہوتا ہے - غیر محرم یا اجنبی لوگوں کے ساتھ غیر ملکوں کو جانا ہرگز ہرگز پسند نہیں کرتیں - قوم سادات کی بڑی عزت کرتے ہیں - مگر اس بات کی تاک میں لگے رہتے ہیں - کہ ان کو مار کر اسی جگہ دفن کر کے یہاں ان کے مزار بنائیں - تاکہ مکہ و مدینہ تک جانا نہ پڑے - غرض ان میں مزار پرستی بدرجۂ کمال ہے - تاحال ملا لوگوں نے ان کو حلال و حرام کی تمیز کی رہنمائی نہیں کی - مسجدوں میں جوتیاں پہنکر نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں - اور انہیں جوتیوں میں پانی بھر کر بسا اوقات پی بھی لیتے ہیں - شادیوں میں جب گوشت وغیرہ بے نمک و مصالح پکاتے ہیں - تو اول شوربا خالی پی کر پھر بوٹیوں کو چادروں پر ڈالکر چھریوں سے کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں - گویا اس بات میں یورپینوں کے کچھ کچھ پیرو ہیں - پلاؤ - حلوا وغیرہ کے ناموں سے ناواقف ہیں - اور روٹی کو کسی ترکاری سے لگا کر کھانا ابھی تک ان لوگوں نے نہیں سیکھا - زبان ان کی غیر شستہ پشتو ہے جو پشاور کے علاقہ یوسف زئی کی عمدہ پشتو سے بالکل مختلف صورت ہے - پولیٹیکل تقسیم کے لحاظ سے یہ علاقہ کئی حصوں میں منقسم ہے - جن میں دو تین پولیٹیکل ایجنٹ انگریز اور دو تین اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اور کئی ای - اے - سی دیسی و تعلقہ داران شامل ہیں - فورٹ سنڈیمان میں جو ضلع ژوب کا ہیڈ کوارٹر ہے - اور لورالائی میں پولیٹیکل ایجنٹ ماتحت - ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کے کام کر رہے ہیں - جن میں تاحال پولیٹیکل قانون سرحدی مروج ہے +

میر کریم الدین برق

حورِ اُلفت

از منشی ڈپٹی لال نگم بی-اے دہلوی

ایک شب بسترِ غم اشک سے نم کرتا تھا
رنج دل سے کبھی سر زانو پہ میں دھرتا تھا

سوزشِ ہجر سے میں آہ و بکا کرتا تھا
کروٹیں لیکے اسی طرح سحر کرتا تھا

دل ہی دل میں کبھی اُمید کی صورت بنتی
ہجرِ دلدار میں دلدار کی مورت بنتی

یاد آتا کبھی شوخی سے بگڑنا اُس کا
بات بے بات ہر اک شخص سے اڑنا اُس کا

ہر قدم چلتی ہواؤں سے جھگڑنا اُس کا
برملا پیر و زن و مرد سے لڑنا اُس کا

محوِ الفت تھا ذرا نیند سے آنکھیں جھپکیں
باغ اک سامنے تھا نظریں ادھر کو لپکیں

باغ ہر بات میں فردوس کا ہمپایا تھا
گویا رضواں اُسے جنت سے اُٹھا لایا تھا

حور و غلماں تھے طوبےٰ کا وہاں سایہ تھا
الغرض خیمۂ گلشن نے ستم ڈھایا تھا

ذرہ ذرہ سے نظر آتا تھا رازِ قدرت
بانگِ مرغانِ چمن بنتی تھی سازِ قدرت

چھاؤں میں ایک جگہ کوئی پری پھرتی تھی
چال مستانہ تھی اٹھلا کے قدم دھرتی تھی

چشمِ نظارہ وہ جس سمت کو وا کرتی تھی
گویا بجلی تھی کہ عشاق پہ جا گرتی تھی

حسنِ جانسوز تھا اور عالمِ رعنائی تھا
طور سے اُس کے ہویدا شنگِ یزنائی تھا

پاس جب اُس کے گیا اور ہی صورت دیکھی
رنج دل میں تھا تو ظاہر میں بھی وحشت دیکھی

بال کھولے ہوئے تھی غم کی وہ مورت دیکھی
قصہ کوتاہ غرض ایسی وہ حالت دیکھی

تھام کے اپنا کلیجہ میں وہیں بیٹھ گیا
غم سے آزردہ و دلگیر و حزیں بیٹھ گیا

بولی وہ دیکھ کے مجھ کو تو ہراساں کیوں ہے　　مجھ نگوڑی کی اس حالت پہ پریشاں کیوں ہے
مجھ پہ حیرت سے بتا تو سہی حیراں کیوں ہے　　ماجرا مجھ سے تو سن کہتا تو پنہاں کیوں ہے

تیرے ہم جنسوں نے مجھ کو کیا برباد افسوس
مجھ سی محسن پہ روا رکھا یہ بیداد افسوس

غمزدہ شخص بتا مجھ کو بھلا میں کیا ہوں　　گر ہے الفت تجھے مجھ سے تو بتا میں کیا ہوں
تجھ کو مطلب ہی بھلا اس سے ہے کیا میں کیا ہوں　　غور سے سن میری یہ بات ذرا میں کیا ہوں

غمزدہ بیکس و بدقسمت و سودائی ہوں
رنج اٹھانے کو میں دنیا میں چلی آئی ہوں

مجھ کو ہر فرد بشر کہتا ہے "حورِ الفت"　　ہوں میں دنیا میں مگر اصل میں صیدِ وحشت
آج کل بھائی کو بھائی سے نہیں کچھ الفت　　مسلماں ہندو کی ہر نوع سے ہے کرتا ذلت

ایک دن وہ تھا کہ یکتائے زمانہ میں تھی
مسلماں ہندو کی الفت کا فسانہ میں تھی

درد دل اپنا بھلا کس کو سنائے کوئی　　محرم راز بھلا کس کو بنائے کوئی
جب برے وقت میں اب کام آئے کوئی　　کیا کرا یہ کا معاون کوئی لائے کوئی

آ [illegible] کینہ فساد اور ستم کی حد بھی
بنت [illegible] ظلم و ستم اور الم کی حد بھی

میں نہیں چاہتی کہ ظلم کی فریاد کروں　　کیا ضرورت ہے کہ میں شکوۂ بیداد کروں
داستاں غم کی میں رہ رہ کے پھر اب یاد کروں　　چاہئے دل کو میں اس رنج سے آزاد کروں

آہ و زاری ہی کروں جو کہ ہو قسمت کھوٹی
ڈوبی امید کہاں ٹوٹی کی پاؤں بوٹی

ڈپٹی لال نگم

ہندوؤں کی ترقی میں رکاوٹ

از مسٹر مہیش چرن سنہا ایم۔ اے

پنجاب کی نسبت ممالک متحدہ کے لوگ چھوت چھات کے زیادہ قائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ابھی ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے ہیں۔ سمندر پار جانے سے ان کے خیال میں ہندو دھرم قائم نہیں رہتا کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ہندو دھرم اتنا مضبوط ہے کہ زمانہ کا سخت گیر ہاتھ باوجود سخت سے سخت آزمائشوں کے اسے کمزور نہ کر سکا اتنا بودا دکھایا جاتا ہے کہ سمندر کی لہریں اپنی چمک سے اسے توڑ سکتی ہیں آزاد کے دیرینہ کرم فرما مسٹر مہیش چرن سنہا ایم اے کو جنہوں نے محض اپنی قوت بازو پر جاپان اور امریکہ کا سفر کرنے اور وہاں دماغی جوہر دکھانے سے ثابت کر دیا کہ ہمت اور استقلال سے کچھ دور نہیں۔ ہندوؤں کی اس حالت کا مقابلہ کرنا پڑا ہے وہ برادری جو اتنی احسان فراموش ہے کہ ایسے اولوالعزم نوجوان کی ہمت کی داد نہ دے بھلا دیئے جانے کے قابل ہے۔ ایڈیٹر

جب سے میں ہندوستان میں آیا ہوں لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی ترقی کیوں بند ہو گئی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ باوجود یہ جانتے کے ہندو حد درجہ کے ذلیل غریب اور بے اتفاق ہیں۔ ہندو کوئی کوشش ایسی نہیں کرتے۔ کہ اُن کی حالت بہتر ہو۔ واقعی یہ سوال غور طلب ہے اور تعجب ہے۔ کہ اب تک یہ سوال اُس جوش اور بیدار مغزی سے کیوں نہ حل کیا گیا۔ جیسا کہ یہ ضروری تھا ✤

دنیا کے پردہ پر کوئی قوم ایسی نہ نکلے گی نہیں ہے۔ جو اس قدر disorganised ہو۔ جتنا کہ یہ قوم ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ سال میں ایک دن بھی ایسا نہیں ہوتا۔ جس دن کہ تمام ہندو ایک جگہ جمع ہو کر مجموعی حیثیت سے کسی موقعہ پر خوشی یا رنج منائیں۔ ایک دن بھی ایسا

نہیں ہوتا۔ کہ جس دن ایک جلسہ میں ہزاروں ہندو جمع ہو کر یہ محسوس (realize) کریں۔ کہ وہ تمام لوگ ایک ملت۔ ایک مذہب۔ ایک رنگ کے ہیں۔ اور اپنی تعداد اور طاقت کو سوچ کر (as a body) بحیثیت مجموعی خوش ہو سکیں۔ سال میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ کہ تمام ہندو اکٹھے ہو کر یہ دعا مانگ سکیں۔ کہ اے ایشور تو اس کل قوم پر نظر رحمت کر اور اس کو آنیوالی آفات سے بچا۔ سال میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ کہ جس دن خلقی طور پر یا بموجب کسی رسم قدیم ہندو جمع ہو کر اپنی تمام ہندو قوم کی بھلائی کے لئے تدبیر سوچیں۔ اور اپنی برائیاں اور کمزوریاں دور کرنے کی فکر کریں +

ہندوؤں میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ جس دن کہ مثل عیسائیوں کے بڑے دن کے طرح تمام ہندو فرقے ملکر اپنے مذہب کا فخر یا اعلان یا اُس کی بہتری کی کوشش کرتے۔ ہندوؤں میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس دن مثل امریکن کے چوتھی جولائی کے اُن کے دلوں میں صرف ایک ہی خیال جاگزیں ہو۔ اور اپنے چھوٹے چھوٹے تنگ خیالوں سے نکلکر ایک بڑے خیال میں غرقاب ہو کر ہر ہندو متنفس یکساں محو حظ ہو جائے +

امریکہ میں ایک خاص دن مقرر ہے۔ جس دن اُن تمام امریکن بزرگوں کی یادگار منائی جاتی ہے۔ جو کہ اپنے ملک کی آزادی کے واسطے شہید ہوئے۔ اُس وقت یہ نہیں پوچھا جاتا۔ کہ کوئی خاص شخص کس فرقہ کا تھا۔ بلکہ سب کی عزت برابر اس دن سے کی جاتی ہے۔ کہ وہ ایک قوم کے تھے +

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہندوؤں میں کس دن ایسی حرمت

اور institutions نہیں ہیں۔ جن سے ایک جذبۂ۔ ایک حمیّت۔ ایک پاس داری اور ایک قومیت کی بو آوے۔ اور دوسرا سوال یہ ہو گا۔ کہ وہ کون سی تدبیر ہے۔ کہ جس سے ان ہندوؤں میں بھی قومیت کی لہر موج زن ہو +

ان سوالوں کے جواب میں صرف میرا ایک چھوٹا سا جواب ہے۔ وہ یہ کہ ہندوؤں میں اول درجہ کی اخلاقی کمزوری ہے۔ اس قوم میں دماغی طاقت تو نہایت زوردار ہے۔ لیکن اپنے ہی مانے ہوئے سدھانتوں (مقولوں) پر عمل کرنے کی بالکل جرأت نہیں۔ اگر کہا جائے۔ کہ ہندو جسمانی طور پر بزدل اور جان چور ہیں۔ تو یہ گو ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن عام طور پر صحیح نہیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے معاملات ہیں۔ کہ جن کے اختیار کرنے میں جان کھونے اور جیل خانہ جانے کا خوف نہیں۔ اور جن کو بہت سے ہندو عقلاً اچھا سمجھتے ہیں۔ لیکن بوجہ اخلاقی کمزوری کے اختیار نہیں کر سکتے +

مثلاً کتنے ایسے ہندو ہیں۔ کہ جو کہ چوکا لگا کر کھانے سے سخت عاجز اور چوکا کی فلاسفی سے سخت ملاں ہیں۔ وہ عقلیہ اور دلایل سے چوکے کے قایل نہیں لیکن جب اُن سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ خود چوکا لگا کر کیوں کھاتے ہیں تو سوا خاموشی کے کوئی جواب نہیں دیتے۔ بلکہ محض یہ کہدیتے ہیں۔ کہ کیا کریں مجبور ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے۔ یہ اخلاقی کمزوری کی ایک سادی سی مثال ہے۔ برخلاف اس کے اگر کسی جاپانی یا امریکن کے سمجھ میں ایک دفع کوئی بات آجائے تو وہ پھر اُس کو بغیر عمل میں لائے نہیں رہتا۔ بلکہ اُس کام کو خود کرنا یا دوسروں سے کرانا زندگی کا ایک مشن سمجھتا ہے +

دوسری مثال ہندوؤں کی اخلاقی کمزوری کی اُن کی ذات پات کا بچار

ہے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ہندو مجموعی طور پر ایک نہیں ہوسکتے۔ محض اس وجہ سے کہ اُن کی قوم بے طرح کئی ہزار ٹکڑوں میں منقسم ہوگئی ہے۔ اور جب کوئی بھلائی کی بات ہندو سوچتے ہیں۔ تو سوا اپنی ذات والوں کے یا اپنی ملت والوں کی بھلائی کے کل قوم ہندو کی بھلائی کبھی نہیں سوچتے۔ مثلاً آریہ جب سوچیں گے۔ تو آریہ مت کے فائدہ کی بات۔ ہندو نام سے اُن کو سخت نفرت ہے۔ سکھ جب سوچیں گے۔ تو سوا اپنی پگڑی والے سکھوں کے اور کسی کے فائدہ کی بات کبھی نہ سوچیں گے۔ اسی طرح گورکھا نیپالی جینی وغیرہ سوا اپنے مت والوں کے اور کسی ہندو کا خیال نہیں کرتے۔ اسی طرح راجپوت سوا سے اُس مندر اور مذہب کے جو راجپوتانہ میں ہے۔ کبھی کل قوم کو ہندو نہیں سمجھتے Sameness کی جمیعت اُس ملک میں ہرگز نہیں ہوسکتی۔ جہاں کہ ذات پات کا بچار ہو۔

ذات پات ہندوستان کی بدنصیبی کا باعث ہے۔ اگر یہ غلطی پہلے سے نہ کی جاتی۔ کہ ملک کا بچانا صرف راجپوتوں کا دھرم ہے۔ تو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ برہمن۔ ویش اور شودر کو ہتھیار چلانا نہ سکھایا جاتا۔ اور کاش کبھی یہ سکھایا گیا ہوتا۔ کہ کل ہندوؤں کی حفاظت اور دیش کی حفاظت کرنا صرف ایک ذات کا نہیں بلکہ تمام ذاتوں کا فرض ہے۔ تو ہرگز یہ ملک اس طرح بے بس نہ ہوجاتا۔

آجکل بھی ہندوستان میں جو کام ہوتا ہے۔ وہ ذات کے اصول پر نہ کہ ہندو قومیت کے اصول پر۔ مثلاً کایستھ سبھا۔ برہمن سبھا۔ راجپوت سبھا۔ سکھ سبھا۔ ویش سبھا وغیرہ صرف اپنی بھلائی کی فکر میں سو رہی ہیں۔ یہ کسی کو نہیں سوجھتا کہ All India Hindu Conference قایم کرے جس میں ہر فرقہ سے برابر تعداد پہنچوں representatives

کی بھی جائے۔ اور جو کانفرنس کہ کل ہندو قوم کی ترقی کے طریقہ سوچے۔ اور کل ہندو قوم کی طرف سے جواب دہ ہو سکے۔ لیکن یہ خیال کس طرح پیدا ہو۔ افسوس جب تک خود غرضی اور ذات پات کا بکھیڑا ہے۔ ہندوؤں میں نہ جمیت اور نہ قومیت پیدا ہو سکتی ہے۔ نہ ان میں قومی جوش اور ملکی جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے۔ کہ کل ذاتیں آہستہ آہستہ کمزور اور معدوم ہو جائیں گی۔ اور ہندو نام محض ایک خواب وخیال ہی رہیگا +

اگر ہندو قوم کو بچانا منظور ہے۔ تو ہم کو متفقہ کوشش کر کے ذات پات اور چھوت چھات کو چھوڑنا چاہیئے۔ اور اُس کے عوض میں ایک عام فہم ہندو قومیت Nationality کی بنیاد ڈالنی چاہیئے۔ اور ہندو مذہب کو ایسی مضبوط جڑھ پر قایم کرنا چاہیئے۔ کہ جو محض مسلمان اور عیسائیوں کے ساتھ کھانے سے غائب نہ ہو جائے۔ بلکہ اس قدر Catching ہو کہ دوسروں کو بھی اپنے حلقہ میں شامل کر سکے۔ کیا ہندو لوگ اپنے چوڑھے چوکے کو چھوڑ کر اُس بڑے چوکے کی ہندوزم کو بچا سکتے ہیں۔ جو کہ ایک طرف خلیج بنگالہ سے۔ دوسری طرف ہندی سمندر سے اور تیسری طرف خلیج فارس سے۔ اور چوتھی طرف ہمالہ پہاڑ سے گھرا ہے۔ اگر یہ چوکا باقی رہا۔ تو لکیر والا چھوٹا چوکا بھی بچ سکیگا۔ ورنہ زمانہ کی زبردستی سے مجبوراً غیر ہندو بننا پڑے گا +

مہیش چرن سنہا

نقش کی فریاد

از خواجہ حسن نظامی

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

جب کچھ نہ تھا۔ میں موجود تھا۔ عدم کی اقلیم میں نقاشی معدوم تھی۔ مگر میرا وجود پایا جاتا تھا۔ کیا اچھی گذرتی تھی۔ نیستی کے عالم میں ہست کی بہار نظر آتی تھی۔ نقاش نے ستم کیا۔ میری چپ چاپ زندگی برباد کر دی۔ دنیا کے نقشہ میں رنگارنگی سے میری یکرنگی بکھر گئی۔ اب نقش ہزار فریادیں جس رنگ میں دیکھو میری فریاد لکھی نظر آئے گی +

مجھ سے وعدہ ہوا تھا۔ تجکو پہاڑ کی چوٹیاں ملیں گی۔ سمندر کی موجوں میں سلایا جائے گا۔ بیابان اور گلستان میں تیرے محل بنائے جائیں گے۔ آنکھیں تجھ کو دیکھیں گی۔ دل تیری آرزو میں بے چین ہو جائیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تو میرا آئینہ بنے گا۔ اور میں تجھ میں نظر آؤں گا +

وعدہ پورا ہوا۔ مگر میرا جی خوش نہیں۔ میں وہی اگلی سی بات چاہتا ہوں۔ مجھ کو اکیلا رہنا پسند ہے۔ وطن کی یاد تکلیف دیتی ہے۔ پرانا گھر اچھا تھا یا برا میرے لئے ایک نعمت تھی۔ وہیں جاؤں گا۔ اسی میں ہونگا وہی تنہائی بھاتی ہے +

ہندوستان میں میری شان گنگا کی لہروں میں تھی۔ شوالوں کے گھنٹہ میں تھی۔ کروڑوں دیوتاؤں کی مورت میں تھی۔ ہندوؤں کی پیشانی پر تھی

جہاں تھا۔ میں تھا۔ درختوں کی چھال اور پتوں میں۔ برہمنوں کی زبان اور منتروں میں۔ مندر کے آرائش خانہ میں۔ رام دل آرام کے بت خانہ میں گیتا میرا ہی نام تھا۔ وید مجھ ہی کو کہتے تھے۔ یوگی میرے ہی آسرے سادھو لگاتا تھا۔ رام کا تیر میں تھا جس نے سینے چھید ڈالے۔ کرشن کا بان ٹکریان گنگا میں نے ہی جاری کی +

یہ سب کچھ میرے دل بہلانے کو کافی تھا۔ ممکن تھا کہ میں جدائی کی تکلیف کو بھول جاتا۔ مگر بنانے والے نے یہاں کا نقشہ بگاڑ دیا۔ میری رنگین صورتوں کا رنگ اڑ گیا۔ اب نہ گنگا کی لہروں میں میری قدر ہے۔ نہ بتخانہ کی مورتوں میں +

جہاں مجھ کم نصیب کا نام نقش تھا۔ وہاں اجنبی سیلج کا نام کندہ ہو گیا۔ مجھ کو کیوں ستایا جاتا ہے۔ میری فریاد کیوں نہیں سنی جاتی۔ مجھ کو نقش اول بنا کے نقش ثانی کیوں کر دیا۔ کوئی ہے جو میرا رازدار بنے۔ اسرار کے پردے اٹھائے۔ میں چپ ہوں۔ مگر گنتا ہوں۔ مردہ ہوں۔ مگر بولتا ہوں۔ اور بولتا رہوں گا۔ جبتک قیمت سے آزادی میسر آئے +

ہندوستانی نگارخانہ میں جب تک میرا اصلی پرانا رنگ نہ جمے گا۔ فریاد کرتا رہوں گا۔ کاغذی کرتہ پہنوں گا۔ اور داد چاہوں گا +

حسن نظامی

آزاد پریس کے متعلق آپ نے کبھی غور نہیں کیا۔ کہ کس قدر بوجھ آپ کے آزاد پر پڑا ہے۔ اور ان مالی دشواریوں کا مقابلہ کرنا بلا آپکی مدد کے دشوار ہے۔ توجہ کیجئے۔ سوچئے اور اس کی فکر کیجئے +

سلطنت عظیم برطانیہ

از خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ خان

سلطنت عظیم برطانیہ کا اطلاق انگلینڈ، سکوٹ لینڈ و ویلز و آئرلینڈ اور اس کی کولونیز (نو آبادیاں) اور توابع ملک پر کیا جاتا ہے۔ اس کو انگریزی میں برٹش ایمپائر کہتے ہیں۔ اس سلطنت کے بادشاہ کو ہم قیصر ہند اور انگریزی میں اس کو ایمپرر کہتے ہیں۔ اسی سلطنت عظیم کو صحیح صحیح بتلانا مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں بعض ممالک خود سر ہیں۔ بعض نیم آزاد ہیں۔ لیکن یہ تحقیق معلوم ہے۔ کہ اس کی وسعت پچانوے کروڑ مربع میل سے کچھ زیادہ ہے۔ اور اس کی آبادی چھتیس کروڑ گیارہ لاکھ آدمیوں کی ہے۔ ایسی سلطنت عظیم الشان نہ کبھی زمانہ ماضیہ میں کوئی ہوئی نہ زمانہ حال میں کوئی موجود ہے۔ اگر اس میں باج گزار ممالک داخل کیے جائیں۔ تو وہ کرۂ زمین کے ایک چھٹے حصہ پر اور اس کے آدمیوں کے پانچویں حصہ پر وہ حکم رانی کرتی ہے*

فہرست ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سلطنت کی وسعت اور آبادی دنیا کے مختلف حصوں میں کتنی کتنی ہے*

.	وسعت مربع میلوں میں	نسبت برٹانیہ عظمیٰ سے	آبادی	فی میل آبادی
یورپ میں	۱۲۱۶۲۷ ½	۱ ½	۳۶۹۰۷۱۸۸	۳۰۳
ایشیا میں	۱۹۲۹۵۴۷	۱۸ ¾	۲۹۹۲۰۹۹۸۶	۱۴۰
افریقہ میں	۵۶۷۴۱۶	۶ ⅜	۳۴۵۶۹۸۱	۶

•	وسعت مربع میلوں میں	نسبت بطانیہ اعظم سے	آبادی	فی میل آبادی
شمالی امریکہ میں	۳۸۰۰۴۵۷	۴۴	۳۶۴۶۰۱۷۸	۱ ۱/۲
جنوبی امریکہ میں	۹۵۲۵۰	۱ ۱/۱۲	۲۴۷۲۳۹	۴ ۱/۲
اشیا مجمع الجزائر	۳۲۵۶۷۱۸ ۱/۲	۳۶ ۳/۴	۳۷۱۹۲۰۹	۱ ۱/۲
میزان کل	۹۵۵۹۰۱۵ ۳/۴	۱۰۸	۳۱۱۳۸۴۳۴۱	۳۳

اس اوپر کی فہرست کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سلطنت عظیم برطانیہ کی شوکت میں عجیب قدرت الٰہی جلوہ نما ہو گی۔ کہ خدا تعالےٰ نے ایک چھوٹے سے ملک کو اپنی عنایت سے وہ قدرت دی ہے۔ کہ اپنے سے ایک سو آٹھ گنے ملک پر مسلط ہے کہ وہ زمین پر چھ مربع میل میں سے ایک مربع میل پر قبضہ اور اس کے پانچ آدمیوں میں سے ایک اُس پر حکومت رکھتا ہے۔ یورپ ایشیا۔ افریقہ۔ شمالی جنوبی امریکہ۔ اوشنیا (مجمع الجزائر) میں اتنے مختلف مقامات پر سلطنت آرہی ہے۔ کہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا جس کے معانی یہ ہیں۔ کہ اس میں ہر وقت ہر وقت موجود ہے +

اس سلطنت کا مرتاج انڈیا ہے جس میں اس کی طرف سے گورنر جنرل وائسرائے بمع کونسل حکمرانی کرتا ہے۔ اس کے سوائے اس کے ماتحت اور ممالک کولونی (نوآبادیاں) ہیں۔ ان کل ممالک میں انگلینڈ کے دو منسٹر (وزیر) ان کے تمام معاملات کی رفرمائی اور رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایک کو سیکرٹری آف سٹیٹ فور انڈیا (وزیر ہند) اور دوسرے کو سیکرٹری آف سٹیٹ فور کولونیز (وزیر نوآبادیاں) کہتے ہیں +

برطانیہ کولونیز میں آبادی کا بڑا حصہ اصل انگلش نسل سے ہے۔ یعنی

زیادہ تر اس میں انگریز ہی آباد ہیں۔ ان میں نظام ری پریزن ٹیٹو سیلف گورنمنٹ کا ہے یعنی اول ہوم گورنمنٹ (انگلینڈ کی گورنمنٹ) وہاں گورنر تصور کرتی ہے۔ جس کا کونسل (دیوان وزارت) ہوتا ہے۔ جس میں وزیر کولونی کے پارلیمنٹ کے ممبر ہوتے ہیں۔ دوم ایک کونسل منتخب شدہ ہوتا ہے۔ جو مختلف طرح پسند کیا جاتا ہے۔ سوم ہوس ری پری زینٹیٹو ہوتا ہے جن کے ممبروں کو عام رعایا انتخاب کرتی ہے +

جن چھوٹی چھوٹی کولونیز میں اپنے اوپر آپ حکومت کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔ اسلئے گورنر اور ان کی کونسلوں کے ممبر ہوم گورنمنٹ مقرر کرتی ہے جس کے ہاتھ میں بالکل وہاں کی فرمانروائی ہوتی ہے۔ ان کو کولونیز کہتے ہی انگلینڈ نے ممالک غیر ان چار طرح سے حاصل ہوئے ہیں +

(۱) فتح سے جیسے جبرالٹر کیپ کولونی وغیرہ +

(۲) عہدناموں کے ذریعوں سے جیسے نیوفونڈ لینڈ +

(۳) خریدنے سے جیسے سنگاپور (ان تینوں طرح سے انڈیا حاصل ہوا۔) +

(۴) آباد ہونے سے جیسے آسٹریلیا +

محمد ذکاءاللہ

سال تمام ہونے میں صرف دو مہینے باقی ہیں نئے سال کی خوشی میں فی زمانہ تحفہ دیے جاتے ہیں۔ آزاد تو تحفہ نذر کرنے کی فکر میں ہے مگر آپ نے بھی سوچا کہ آپ آزاد کے لئے کیا تحفہ پسند کرینگے۔ آزاد کے لئے سب سے اچھا تحفہ ایک ایک نیا خریدار ہے۔ اس کی فکر کیجئے۔ آپ کے لئے ادنیٰ بات ہے +

حسن و عشق کا مناظرہ

از منشی بشمبر پرشاد اختر

حسن نے عشق سے اک روز کہا اترا کر
میرا ثانی نہ ہوا کوئی جہاں میں پیدا

مجھ پہ مرتے ہیں ہر اک مذہب و ملت والے
میرا دم بھرتے ہیں سب خورد و کلاں شاہ و گدا

زاہد خشک کی بھی رال ٹپک پڑتی ہے
دیکھ لیتا ہے جو چلمن سے جھلک میری ذرا

دل انساں نہ فقط میں نے کیا ہے تسخیر
حور و غلمان و ملائک پہ عمل ہے میرا

بسکہ نقد دل عاشق کی کسوٹی ہوں میں
آج چلتا ہے مرا ملکِ وفا میں سکا

چشم مشتاق نظر باز میں ہے میرا گھر
مجھکو دیتا ہے جگہ دل میں ہر اک اہل وفا

میں ہی ہوتا تو نہ ہوتا کوئی شیدائے بتاں
ایک پہ ایک زمانہ میں نہ مایل ہوتا

رنگ عالم میں حسینوں کا جما دیتا ہوں
کھینچتا چشم زمانہ میں ہوں نقشہ ان کا

غنچہ و گل میں نظر آتا ہے میرا ہی جمال
بلبل زار شب و روز ہے مفتوں میرا

سرو و شمشاد میں ظاہر مری رعنائی ہے
طوق الفت مرا قمری نے گلے میں پہنا

شمس میں نور ہے میرا قمر میں میری تنویر
ماہ و انجم میں نمایاں ہے فقط میری ضیا

نازنیں بنتے ہیں میری ہی بدولت معشوق
میرے ہی صدقہ میں آتے ہیں انہیں ناز و ادا

سحر تسخیر فسوں شعبدہ نیرنگ طلسم
بھر دیا میں نے ہی آنکھوں میں تجمل کی سارا

میں نے ہی عارض تاباں کو دیا نور سحر
زلف مشکیں کو کیا غیرت شام یلدا

تیر مژگاں کو بنایا ہے کماں ابرو کو
دام گیسوئے مسلسل کو کیا دام بلا

چشم فتاں کو سکھایا ہے قضا کا انداز
لب جاں بخش کو اعجاز مسیحا بخشا

رشک خورشید جہانتاب بنایا رخ کو
نور کے سانچے میں ہر عضو بدن کو ڈھالا

بھری بیٹھی ہے قامت رعنا میں ہزاروں فتنے
روش ناز حسیناں سے کیا حشر بپا

ایک جلوہ پہ مرے سیکڑوں دل ہیں قرباں
لاکھ جانیں ہیں مری ایک جھلک پر شیدا

لاکھ پردوں میں چھپائے سے نہیں چھپتا ہوں
مجھ میں یہ وصف ہی قدرت نے ازل سے رکھا

خسرو مصر ہوئے میری بدولت یوسف
ماہ کنعاں کا لقب میں نے کیا ان کو عطا

میرے ہی غم سے زلیخا ہوئی مطعون جہاں
میرے ہی جلوے سے بیہوش ہوئے تھے موسیٰ

کیوں نہ مرغوب دل شیخ و برہمن ہوں میں
کہ نمایاں ہے مرا دیر و حرم میں جلوا

قدر کرتے ہیں دل و جان سے ہندو میری
میں ہی مضمون سمجھاتا ہوں انہیں صبح و مسا

اپنی آنکھوں پہ نہ کیوں مجھ کو بٹھائیں عشاق
بولتا آج حسینوں میں ہے طوطی میرا

میرے ملنے کے ہیں مشتاق سبھی پیر و جواں
دیکھنے کا ہے مرے اہل نظر کو لپکا

کونسی آنکھ مری طالب دیدار نہیں
کونسا دل ہے جو میرا نہیں پابند وفا

دل معشوق سے پوچھے کوئی میری تعریف
دل عاشق سے سنے جا کے کوئی میری ثنا

ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا بھی خوبی
[illegible] صورت پہ تیری ہنستا ہے عالم سارا

دلربائی کے نہ انداز نہ دلداری کے
کوئی عشوہ نہ کرشمہ نہ اشارہ نہ ادا

دیکھ تو آئینہ منگوا کے ذرا شکل اپنی
تیرے چہرے پہ نحوست نے جمایا نقشا

رنج و غم حسرت و ارماں [illegible]
اور مونس ہیں سدا نالہ و فریاد و بکا

جس کا ہمدم ہوا تو اس کی ہوئی پامالی
تو کوئی قہر ہے آفت ہے بلا ہے بخدا

[illegible] ہزاروں کے گلے کٹوائے
[illegible] تیرے مذہب میں روا

[illegible] سے ہوتا ہے جہاں
ملک الموت کی شمشیر ہے تیری تیغ جفا

کر دیا قیس کو آوارہ و مجنوں تو نے
اور جو کچھ تجھ سے ہوئی [illegible]

تو نے شیریں کی بھی لی فرقت میں جان شیریں
تیرے ہاتھوں ہی تو فرہاد نے تیشہ کھایا

تو نے ہی رام سے چھنوائی تھی بن بن میں خاک
تو نے ہی خاک میں راون کی ملائی لنکا

کونسی آنکھ ترے ظلم سے خونبار نہیں
کونسا دل ہے کہ جس پر نہیں تیرا صدما

کونسا لب ہے نہیں جس پہ شکایت تیری
ہے زباں کونسی جس پر نہیں تیرا شکوا

اک دل آزار ہے ظالم ہے ستمگار ہے تو
اور میں خلق کو آرام کا دینے والا

نور آنکھوں کے لئے دل کو سرور جاوید
راحت روح و رواں فرحت جاں ہوں میں سدا

عشق نے سنکے یہ تقریر دیا اس کو جواب
جو بیاں تو نے کیا واقعی سچ ہے سارا

آج بس نام خدا تجھ پہ برستا ہے نور
شان ہے شان تری جلوہ ہے جلوا تیرا

خوبیاں تیری زمانہ کو ہیں مرغوب و پسند
فخر کرنا تجھے شایاں ہے تعلّے زیبا

تیری زیبائی سے ہے سارے جہاں میں رونق
تیری رعنائی پہ ہر اہل زمانہ ہے فدا

ہمسری کا تیرے دعوے جو کرے وہ باطل
تیری یکتائی سے انکار کرے وہ جھوٹا

لیکن اے حسن بداماں نہ سمجھ کہنے سے
بات انصاف کی سن مجھ سے ذرا بہر خدا

کہ تیرے واسطے پیدا کیا خالق نے مجھے
قدر دانی ہے تیری میرا ازل سے شیوا

پوچھتا بھی نہ کوئی تجھ کو جہاں میں ہرگز
دل انساں سے نہ گر میرا تعلق ہوتا

کھوٹے داموں بھی نہ لیتا کوئی تجھکو واللہ
ملک دل میں نہ بٹھاتا جو میں سکہ تیرا

ایک جب شہر میں ہوں میں ہی خریدار تیرا
ناز کرنا تو تیرا مجھ سے ہے اے دوست بجا

بانکپن اتنا مگر مجھ سے سزاوار نہیں
مجھکو ہر حال میں ہمجنس سمجھ تو اپنا

چاہنے والوں سے کرتے نہیں اسقدر غرور
قدر دانوں سے مناسب نہیں پندار اتنا

میں نہ ہوتا تو نہ ہوتا کوئی تیرا پرساں
کر بھی سکتا دل **اختر** کو مسخر تو بھلا

فیصلہ

الغرض بڑھنے لگی جبکہ یہ بحث و تکرار
صلح کل عدل صفا کیش وہاں آپہنچا

سُن کے دونوں کے بیاں تم لاعبث لڑتے ہو
میرے نزدیک تو دونوں کا ہے [illegible] یکسا

میری مانو تو کہوں تم سے خدا لگتی بات
میں نہ رکھونگا کسی کی بھی لگی کچھ اصلا

خلق میں لازم و ملزوم تمہارا ہے وجود
چولی دامن کی طرح ساتھ ہے تم دونوں کا

عشق سے حسن کی ہو عزت و شان و شوکت
اور یونہی حسن سدا عشق کا ہے قدر افزا

حسن ہوتا ہے جہاں عشق وہیں ہوتا ہے
عشق اگر جسم تو جاں اُس کی ہے حسن زیبا

حسن ہوتا ہے تو ہے عشق سہاگہ اُس پر
حسن آئینۂ قدرت ہے تو ہے عشق جلا

حسن ہے باغ امید عشق ہے ابر رحمت
وہ جو ہے شمع یہ پروانہ وہ غنچہ یہ صبا

بلکہ سچ پوچھو تو کچھ عشق کا رتبہ ہے بلند
عشق صادق ہو تو انسان ہے مقبول خدا

عاقبت عشق سے ہوتی ہے بشر کی بالخیر
بخشواتا ہے یہ سب اُسکے گنہ اور خطا

پتمبر پرشاد اختر

زنانہ حسن و لباس ۔ اس نام سے ایک چھپا ہوا رسالہ [illegible] گوپال ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی پلیڈر نے تصنیف کیا ہے [illegible] فرقہ نسواں کیلئے حسن و لباس [illegible] الیسی [illegible] اس قسم کی بہت سی کتابیں ملیں گی۔ بلکہ نئی ایک [illegible] لکھنے [illegible] اس مضمون کو ایسا [illegible] میں بیان کی ہے کہ کتاب ختم کئے بغیر [illegible] سکے بیان میں [illegible] سب باتوں [illegible] گئی ہیں۔ مصنف [illegible] قیمت [illegible]

سیر شملہ

از مرزا محمد سعید ایم۔ اے

کوہسار کے نظارے شاعر۔ مصور اور فسانہ نویس کے لئے مضامین کی کان ہیں۔ مصور کا تو ہمارے رواج ہی نہیں۔ مگر ہمارے شعرا اور فسانہ نویس بھی اس نعمت سے بے بہرہ ہیں۔ شاید انہیں حسن اور عشق کے مطالعہ سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جو اس قدرت کے ظہور کا حظ اُٹھائیں۔ اور ان سبقوں کو سیکھیں۔ جو درختوں کے اوراق میں مرقوم اور پہاڑوں کی چٹانوں پر کندہ ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس لاعلمی کے مورد الزام وہ نہیں۔ بلکہ ان کی طبیعت ہے۔ اور محض طبیعت کا بھی قصور نہیں۔ تربیت بھی شریک گناہ ہے۔ ہماری طبائع اس قسم کی واقع ہوئی ہیں۔ کہ ہم روحانی خوشی کے اعلےٰ مدارج سے نا آشنا ہیں۔ اس کی وجہ کچھ تو آب و ہوا کا اثر ہے گرم ممالک کی آب و ہوا کا یہ خاصہ ہے۔ کہ محسوسات نفسانی کے ادراک کو تیز اور محسوسات روحانی کے ادراک کو کمزور کرے۔ منطقہ حارہ کے رہنے والے عموماً آرام طلبی کے شیدا اور لذائذ جسمانی کے متلاشی رہتے ہیں علاوہ اس آب و ہوا کے شدید اثر کے ہندوستان جنت نشان اس قسم کا ملک ہے۔ کہ اس میں قدرت کا پسند کرنے والا اس خوان نعمت میں سے کھانے سے پہلے ہی سیر ہو جاتا ہے۔ خدا نے اپنے گوناگون تماشوں اور نظاروں سے اس ملک کو بھر دیا ہے۔ جدھر نکل جاؤ نیا آسمان۔ نئی زمین نظر آتی ہے۔ ایک حصہ کی آب و ہوا دوسرے سے اس قدر مختلف اور

پھر اس قدر مماثل ہے۔ کہ انسان کو حیرت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے ملکوں کا نمونہ اس ملک میں مل جاتا ہے۔ غرض ہند کیا ہے۔ خلاصہ روزگار ہے اس کثرت موجودات کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں قدرتی خوبصورتی کے لئے وہ تجسس کا مادہ باقی نہیں رہتا۔ جو ویران اور بنجر ملکوں کے باشندوں میں پایا جاتا ہے۔ صحرا کے بدو کے لئے کھجور کے درختوں کا جھنڈ اور شفاف پانی کا چشمہ۔ ہزاروں ارمانوں اور سینکڑوں آرزوؤں کا مرکز ہوتا ہے۔ وادی گنگا کے زرخیز میدانوں کے رہنے والے ایسی چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ شمالی یورپ کے تاریک اور سرد خطوں کے رہنے والے جنوبی فرانس کے روشن اور خوشگوار باغات کو نگاہ مسرت سے دیکھتے ہیں لیکن ہندوستان کے سرسبز حصوں کے رہنے والوں کی نگاہ میں یہ کچھ بہت نہیں جچتے۔ غرض کہ شاید اس بات کے ماننے میں ہمیں کچھ تامل نہیں ہونا چاہئے۔ کہ ہماری مشاہدۂ قدرت کی طرف سے لاپرواہی کثرت نظارہ کی وجہ سے ہے۔ اور پھر جب اس امر کو ملحوظ رکھا جائے۔ کہ باوجود کثرت کے ہند کے بعض حصوں کے قدرتی نظارہ کچھ بہت مختلف الانواع نہیں تو یہ بات پوری طرح ہماری سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ ہم کیوں قدرت کی طرف سے لاپرواہ ہیں۔ ہم میں وہ لوگ بھی جنہیں شاعری کا دعوےٰ ہے۔ اور واقعی شاعر کی آنکھ رکھتے ہیں۔ قدرتی منظروں کی دلفریبی سمجھ کر دیکھنے سے قاصر ہیں۔ غالب اور انیس کی شاعری میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ دونوں کے کلیات میں ہزاروں بحر شاعری کے موتی ٹنکے ہوئے ہیں۔ لیکن قدرت کی دلچسپی کا راگ انہوں نے بھی کبھی نہیں گایا۔ آج کل کے جو شاعر قدرتی شاعری کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ وہ بھی درحقیقت اپنے آپ کو

دھوکہ دیتے ہیں۔ ان کا یہ منصب نہیں۔ کہ وہ قدرت کے پردہ ہٹائیں وہ
محض انگریزی شاعروں کی قلم کاری کا دھندلا سا عکس اپنی نظموں میں پیش
کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی نئی بات نکالتے ہیں۔ تو وہ قدرت کی تعریف میں نہیں
ہوتی۔ بلکہ اپنے دلی خیالات کا عکس ہوتی ہے۔ ہاں تو اس تمہید سے میرا
مقصد یہ تھا۔ کہ ناظرین پر قدرت کی بہاروں کے دکھانے کے بارہ میں میری
کم لیاقتی ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ میں بھی ہندوستانی ہونے کی شق سے بری
نہیں۔ اور میرے خیالات کا میلان وہی ہے جو عام ہندوستانیوں کا
ہوتا ہے۔ اور اس پہ ایک بات مزید ہے۔ کہ میں شاعر بھی نہیں۔ شملہ کے
منظر دیکھنے کے لئے شاعر کی آنکھ اور اُن کے بیان کرنے کے لئے شاعر کی
زبان ہونی چاہئے۔ اور یہاں دونوں ہی مفقود ہیں۔ ایک اور امر بھی سد راہ
ہے۔ وہ یہ کہ سیر کوہسار کا مضمون اس قدر پرانا ہوگیا ہے۔ کہ اس میں جدت
کا پیدا کرنا مشکل ہے۔ اور جب جدت نہ ہوئی۔ تو محض خامہ فرسائی سے کیا حاصل؟
مگر دل کی امنگ اس وقت پر مجبور کرتی ہے۔ کہ کچھ لکھوں۔ اور سوائے اسکے
چارہ نہیں۔ کہ شاعری نہ سہی اپنے مشاہدات لکھ کر دل کا بخار نکال لوں۔ امید
ناظرین اس میں سے کچھ نہ کچھ جو باتیں ہونگی ان سے کوئی دلچسپی کا پہلو نکال لینگے
کہا گیا ہے۔ کہ انسان ناشکرا ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ شاید ہی کوئی شخص
ایسا ہو جو اپنی حالت پر قانع ہو ہر حالت میں انسان کو دوسری کی کاوش رہتی
ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس کاوش کے نتیجے بعض فوائد ہیں۔ اور انسان
کو ناسپاس اور حریص کہنے سے محض ایک واقعہ کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت
انسان کی عجیب طبیعت اگر موسم سرما میں گرمی کی تمنا رہتی ہے تو موسم گرما
میں جاڑے کو پکڑ لانے کا خیال آتا ہے۔ دوپہر گرمی کی سردی نہ تھی کہ [illegible]

سامان پیدا کیئے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو پنکھے ٹٹی پر اکتفا کرتے ہیں۔ مگر جو ذرا اوروں کی نسبت زیادہ شوقین اور متمول ہوتے ہیں۔ وہ پہاڑوں کی سیر کو چلے جاتے ہیں۔ اور شملہ کے پہاڑ کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ تمام بڑے بڑے انگریز یہیں آکر رہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیر شملہ بلحاظ آب و ہوا اور سبزی کے سب پہاڑوں سے بڑھکر ہے۔ اور سب نے اس کی فوقیت کو تسلیم کر لیا ہے +

انبالہ سے ریل کا سٹیشن نکلتے ہی سبزہ کی روئیدگی دیکھ کر مسافر کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ پہاڑوں طرف ہرے بھرے دیو ہیکل درخت آسمان کی نیلی سطح کے مقابل میں ایک عجیب بانکپن کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ تمام زمین ہری فرش مخملی سے ڈھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اور نیلا آسمان اور سبز زمین دور افق میں ایک دوسرے سے پیوست ہو کر ایک عجیب رنگ پیدا کر دیتے ہیں۔ اس دلچسپ منظر کو آفتاب نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور اس کی دلفریب شعاعوں سے تمام پر سونے کا خوش نما ملمع ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر کچے ٹیلے کھڑے ہیں۔ جن کی وجہ سے زمین کی سطح ناہموار ہو گئی ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ یہ ناہمواری آنکھوں کو ناگوار معلوم ہو اس منظر کی رونق کو گوناگون اور دوبالا کر دیتی ہے۔ یہ ٹیلے بھی سبز دھانی پوشاک پہنے ہوئے ہیں۔ اور جانوروں کے لئے نہایت عمدہ چراگاہ ہیں۔ پہاڑی گائیں جو قد میں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ ان پر بلا تکلف چرتی پھرتی ہیں۔ اور اس نعمت کے لیئے وہ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ اپنے خالق کا بزبان حال سے شکریہ ادا کرتی ہیں۔ ان گائیوں کی چستی کا کیا کہنا۔ کود پھاند میں ہرن کو مات کرتی ہیں۔ اور باوجود بھدے اور بیڈول جسم کے ایک ٹیلے سے دوسرے

ٹیلے پر اس طرح پھلانگ جاتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہ سریع الحرکتی کچھ جانوروں تک ہی محدود نہیں۔ پہاڑ کے حیوان ناطق بھی اس صفت میں کچھ اُن سے کم نہیں +

طیور کا دلفریب نغمہ بھی یہاں مفقود نہیں۔ بلکہ قدرت کی منجمد موسیقی کے ساتھ ملکر ایک عجیب خامشانہ ترانہ پیدا کر دیتا ہے۔ بعض لوگ میرا واہمہ سمجھ کر ہنسیں۔ مگر مجھے تو ایسے موقعوں پر کوے جیسے کریہ الصورت پرند کی آوازیں بھی ایک قسم کا لوچ معلوم ہوتا ہے۔ کالکا سے کسی قدر دور سے پہاڑ کے دھندلے حدود نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ دور سے ان کی کیفیت بعینہٖ ایک تصویر کی ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مصور نے آسمان کی سطح پر کچھ نقش بنا دیئے ہیں۔ جس قدر پہاڑ سے ہم قریب ہوتے جاتے ہیں اسی قدر وہ زیادہ واضح ہوتے جاتے ہیں۔ اور پھر تصویر کی طرح نہیں۔ بلکہ قدرت کی عظیم الشان میخوں کی طرح سطح زمین پر گڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہاڑ کے قریب پہنچتے ہی ہوا میں خنکی اور نمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور چنار کے سر بفلک کشیدہ سرو قامت درختوں کے گھنے سایہ میں امن و عافیت کی ایک عجیب حس محسوس ہوتی ہے +

موسم کے بارہ میں پہاڑوں کی متلوّن مزاجی کچھ نہ پوچھو۔ ابھی تو آسمان کی پیشانی پر غصہ کے آثار نمودار تھے۔ چہرہ فرط غیظ سے خوفناک اور تاریک ہو رہا تھا۔ ابھی وہ تمام غیظ و غضب فرو ہو گیا۔ چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اور سورج نے شوخی سے آنکھ مار کر تمام عالم کو منور کر دیا۔ اس کے ایک لحظہ بعد پھر کسی خیال سے سورج نے آنکھیں بند کرلیں۔ آسمان کے چہرہ پر اُداسی چھا گئی۔ بادلوں کا رومال مُنہ پر لیکر آنسوؤں کا تار باندھ دیا۔

کالکا سے شملہ کو جو سڑک جاتی ہے۔ وہ ایک بڑے عظیم الشان بے قطع باغ کی روش معلوم ہوتی ہے۔ ایک طرف پہاڑ دیوار قہقہہ کی طرح بلند ہے۔ پتھر سبزہ کی کثرت سے بمشکل نظر آتے ہیں۔ علاوہ قدرتی سبزپوش سپاہیوں کے جو بھرے جمائے کھڑے ہیں۔ ننھے ننھے پودے اپنی نازک پتیوں کو مینہ کے چھینٹے صفت قطروں کے چوسنے کے لئے زبانوں کی طرح نکال رہے ہیں دوسری طرف کھڈ قعر جہنم کی طرح منہ پھیلائے کھڑی ہے۔ لیکن جہنم کی طرح اس کا منہ خوفناک نہیں۔ بلکہ جنت کی طرح سرسبز اور دل خوش کن ہے۔ یہاں سبزہ کی روئیدگی حضرت انسان کی محنت اور جفاکشی کی مشکور ہے۔ پہاڑ کو کاٹ کر اناج کا بیج بویا ہے۔ اور اس شعر کو سچ کر دکھایا ہے کہ ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

پہاڑ کو گلزار بنا دینا مخلوقات میں آدمی ہی کا کام ہے۔ اسی لئے تو اشرف المخلوقات کا لقب پایا ہے۔ یہ کیفیتیاں ایک دوسرے کے برابر نہیں بلکہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ جس سے پہاڑ کی صورت ایک زینہ کی ہو گئی ہے۔ ان کو دیکھ کر گولڈسمتھ کا وہ شعر یاد آتا تھا۔ جس میں اس نے پہاڑ کے طبقات کو تھیٹر میں کرسیوں کی قطاروں سے تشبیہ دی ہے۔ پہاڑ کے اوپر ریل کی باریک سڑک لہراتی ہوئی چلی گئی ہے۔ اور اس کے دونوں طرف تار کے کھمبے سلطنت برطانیہ کے عظمت و شان کے نشانوں کی طرح کھڑے ہیں۔ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ وہ سائنس کی ان پر رفعت فتوحات کا پتہ دے رہے ہیں۔ جو اس نے پہاڑوں جیسے اکھڑ اور سنگدل سپاہیوں پر حاصل کی ہیں۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے قدرتی آبشار کھڑے

ہیں۔ اُن کی روپہلی چادر بعض مرتبہ سورج کے حسن کی چمک دمک کو دیکھ کر شرما جاتی ہے۔ اور اس پر شرم کی وجہ سے کچھ عجیب و غریب رنگ آ جاتا ہے۔ سولن میں ایک نہایت خوبصورت ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جس کا دودھ سا سفید رنگ اردگرد کی سبزی میں نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں اکثر مسافر بھی آ جاتے ہیں۔ اور یہاں سے آگے چلکر شملہ کے انتظار میں ہمہ تن چشم بن جاتے ہیں۔ آنکھیں شملہ کے نشان پر لگی رہتی ہیں۔ اور میلوں کے جلدی جلدی تمام ہونے سے دل میں ایک عجیب امنگ پیدا ہوتی ہے۔ کالکا سے شملہ تک جاتے ہوئے اگر کسی مسافر کے کپڑے شرابور نہ ہوں۔ تو اُسے اپنے تئیں خصوصاً خوش قسمت یا بدقسمت سمجھنا چاہئے۔ انہیں خوش قسمت یا بدقسمت مسافروں میں سے راقم الحروف بھی تھا۔ جس وقت ہم شملہ کے قریب پہنچے تو ہلکی ہلکی دھوپ سے شہر کے صاف ستھرے مکانات منور ہو رہے تھے۔ کواڑوں اور کھڑکیوں کے شیشے سورج کی کرنوں سے اس وجہ جگمگا رہے تھے۔ کہ نظر نہیں ٹھیرتی تھی +

شملہ میں پہنچکر مسرت کی کچھ انتہا نہیں رہی۔ ہر چیز خوبصورتی کے لباس سے ملبس تھی۔ علم حسن کے طالب کے لئے شملہ سے بہتر کم مقام ملیں گے۔ کیونکہ حضرت انسان نے اس کے خوبصورت بنانے میں کچھ کسر نہیں رکھی۔ سڑکیں اس قدر صاف ستھری ہیں۔ کہ بایدوشاید۔ مکان ایسے پاکیزہ کہ آدمی دیکھا کرے۔ غرض جو چیز ہے اس قدر نازک اور عمدہ کہ کھلونا معلوم ہوتی ہے۔ خوش پوش میمیں۔ انگریز اور ان کے بچے اِدھر اُدھر چہل قدمی کرتے پھرتے ہیں۔ اور ان کے ہنستے ہوئے چہرے بھی اس مقام کا ایک خاص زیور ہیں +

قدرت نے اپنے انواع و اقسام کے نظارے یہاں فراخ حوصلگی سے جمع کر دیئے ہیں۔ جو باتیں ہم ناولوں اور تصویروں میں دیکھا کرتے تھے۔ وہ باتیں یہاں حقیقت میں دیکھ لیں۔ اگر کسی کو سنہری دھوپ کا لطف اٹھانا ہو۔ تو یہاں آ کر اٹھائے۔ اور اگر کسی کو قوس قزح کے عجیب و غریب رنگ اور اُن کا زمین و آسمان پر عکس دیکھنا ہو۔ تو یہاں آ کر دیکھے غروب کے وقت اگر آسمان کسی قدر صاف ہو۔ تو ایک عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آسمان کو کسی نے آگ لگا دی ہے۔ یا کسی کے گولڈن ٹچ ہاتھ نے انگلی لگا کر سنہری کر دیا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کے کیمیائی اثر سے زمین کو بھی محروم نہیں رکھا۔ رات کے وقت شملہ میں چراغوں کی عجیب بہار ہوتی ہے۔ بعینہٖ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ستارے زمین پر اُتر آئے ہیں۔ یا زمین اور آسمان کے قلابے مل گئے ہیں۔ اور اوپر سے نیچے تک آسمان ہی آسمان ہے۔ میلہ چراغاں اس کے آگے ہیچ ہے۔ آدمی کو شبہ ہوتا ہے۔ کہ شاید راجہ اندر نے دیوالی منائی ہے +

الغرض کشمیر کو تو جنت نظیر لوگ کہتے ہی ہیں۔ مگر میں تو شملہ پر بھی یہ فارسی شعر پڑھوں گا۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

محمد سعید

حُبِّ وطن

ایک قحط زدہ کی غربت[۱] میں آہ و زاری

از منشی دیبی پرشاد صاحب منصف ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی

کیا کہوں حال سال چھپن کا | رہا پچھم کا میں نہ وطن کا
گھر میرا ملک مارواڑ میں تھا | پر کبھی یوں نہ مار دھاڑ میں تھا
کام چلتے تھے سب بحسن اسلوب | کھیتی باڑی میں فائدہ تھا خوب
اور مویشی سے بھی تھا نفع تمام | گھی بھرا رہتا تھا گھروں میں مدام
لڑکے بالے مزے اُڑاتے تھے | دودھ پیتے تھے بھات کھاتے تھے
ہالی مالی کسان اور مزدور | اپنی اپنی جگہ پہ تھے مامور
عورتیں خوب مال کھاتی تھیں | جاڑوں میں بھی ملار گاتی تھیں
سال بھر کھیت سبز رہتے تھے | روز و شب آبشار بہتے تھے
کم نہ ہوتا تھا آبِ چاہ کبھی | خشکی کو ملتی تھی نہ راہ کبھی
چرخ چلتے ہی رہتے تھے ہر بار | پانی کا ٹوٹتا نہ تھا کبھی تار
چاہ پہ اور کنار کشت پہ بھی | ہر گھڑی ٹھنڈی چھاؤں رہتی تھی

---

[۱] سمت ۵۶ کی قحط سالی میں مصنف نظم ہٰذا دربار جودھپور کی طرف سے قحط زدہ مارواڑیوں کو لانے کے واسطے مالوہ میں گیا تھا۔ اُس وقت جو ایک جاں بلب مارواڑی نے اپنی سرگذشت بیان کی تھی۔ اس کا یہ خاکہ رسالہ آزاد کے لئے لکھا ہے ۱۲

خوب ہی ان درختوں کے ٹھٹ تھے — آم اور املیوں کے جھرمٹ تھے
مور کا شور کوئلوں کی صدا — شاد کرتی تھی میرے دل کو سدا
دھوپ میں لو میں اور گرمی میں — رہتا تھا میں وہاں کی بستی میں
لطف شب تھا دو چند دن سے بھی — چادر آب چاندنی سی تھی
یہ جو ساماں یوں میسر تھے — عیش ہی کی طرف نہ رہبر تھے
خیر کی بھی ہوئی تھی بلکہ دلیل — جس سے جاری تھے لنگر اور سبیل
یہ ہی مذہب نے بھی پڑھایا تھا — یعنی اگلا دیا یہ پایا تھا
اب جو دونگا تو آگے پاؤں گا — ورنہ دست تہی تو جاؤں گا
بھوکے کو روٹی تشنہ کو پانی — جاڑوں میں کپڑے سب کو ارزانی
حسب مقدور دیتا رہتا تھا — کسی سائل کو جا نہ کہتا تھا
حاصل کشت سے میں اک انبار — بہر خیرات رکھتا تھا تیار
دام کچھ دودھ کے نہ لیتا تھا — یوں ہی راہ خدا میں دیتا تھا
ہوئی چند سے جو اس طرح سے بسر — کیا یا قسمت نے دفعتاً چکر
قحط پڑ کر یہ انقلاب ہوا — کارخانہ وہ سب خراب ہوا
کھیتی سوکھی مرے مویشی بھی — گھر لٹا اور چھوٹی بستی بھی
سر پہ شامت ہوئی جو آگے سوا — کیا سمت جنوب عزم فرار
مالوہ چھان مارا اور دکھن — پر کرم کے وہی رہے لچھن
نہ چھٹا قحط سال سے پیچھا — دو قدم اس کو آگے ہی پایا
پہنچ جاتا ہے جس جگہ بھوکا — ساتھ پڑ جاتا ہے وہیں سوکھا
پھرتے پھرتے گئے مرے پانو بھی گھس — تاب آخر ہیں اب ٹنگوں میں یار جس
بھوکوں مرتے گئیں مری آنتیں سوکھ — ہڈیاں ریشتہ ہو گئیں تا دوک

مجھکو حیرت ہے اپنی حالت پر کیسے زندہ ہوں اس قباحت پر
مر گیا ہوں میں یا کہ جیتا ہوں کچھ نہیں جانتا ہوں میں کیا ہوں
ہاں وہی ہوں کہ مرد منعم تھا فکر دنیا سے جو بری بے غم تھا
دبتا تھا نہ کسی سے اٹھتا تھا بلکہ اوروں کے دکھ میں گھٹتا تھا
میں کسی کا بھی تھا نہیں بدخواہ سب کی رکھتا تھا صلح کل کی راہ
پر جو بدلا زمانہ اب مجھ سے کر گئے ہیں کنارہ سب مجھ سے
بھیک بھی مانگے سے نہیں ملتی موت ہی لیتا گر کہیں ملتی
اتنے صدموں سے بھی مرا میں نہیں سخت جاں مجھ سا بھی ہو گا کہیں
زیست ہی کو شرم آتی ہے موت بھی مجھ سے منہ چھپاتی ہے
ایسی غربت میں ہائے گھر کی یاد جان شیریں پہ تیشۂ فرہاد
کیا کروں مارواڑ کا ہے خمیر نہیں حب الوطن سے مجکو گزیر
اونٹ بھی تو ہمارے خطہ کا ہے اسی حسرت کر کے ہے مرتا
میں تو آخر وہاں کا انساں ہوں پھر بھلا کیسے کم شتر سے ہوں
مجکو حب وطن ستاتی ہے یاد غربت میں گھر کی آتی ہے
مجکو بھی ہے یاد وطن یارو یوں نہ غربت میں چھوڑ کر مارو
صلہ اس خیر کا میں کیا دوں گا ہاں مگر آپ کو دعا دوں گا
سبھی جاتا رہا ہی زر جاں اسکے بھی جانیکا نہیں ارماں

پر یہ باقی ہے دل میں حسرت ہائے
جاں بھی جائے تو وطن میں جائے

دیبی پرشاد

حکایۂ مریم

از سید محمد فاروق صاحب

یعقوب بستر علالت بلکہ بستر مرگ پر پڑا ہوا اپنی زندگی کی گھڑیاں پوری کر رہا ہے۔ اُس کی بیٹی مریم جس کا مربی و مددگار سوائے باپ کے کوئی نہیں۔ سرہانے کھڑی ہوئی اپنی آنے والی مصیبت کا خیال کر کے رو رہی ہے۔ یعقوب اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر اُسے تشفی دیتا ہے +

بیٹی! تم رو مت۔ اللہ جو سب کے ساتھ پدرانہ محبت کرتا ہے۔ تم پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔ اگرچہ میں تم سے جُدا ہو جاؤں گا۔ مگر خدائے پاک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اور وہ تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑے گا۔ مجھے اس کی فکر ذرا بھی نہیں۔ کہ تم اپنی معاش کس طریقے سے حاصل کرو گی۔ اس کا خیال تو مجھے رتی برابر بھی نہیں۔ ہوا میں اُڑنے والی چڑیوں کو بھی رزق پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح تمہاری قوت کا سامان بھی بہم ہو جائیگا جب خدائے رزاق چھوٹے سے چھوٹے پرندے کی خبر لیتا ہے تو تمہیں کیسے بھول جائیگا۔ انسان کی ضروریات بہت تھوڑی ہیں۔ وہ بھی صرف تھوڑے عرصہ کے لیئے۔ اس لیئے مجھے تمہاری نسبت جہاں تک کہ روزمرہ کی ضرورتوں کا تعلق ہے۔ بہت کم تردد ہے۔ البتہ اس کے برخلاف تمہاری اخلاقی زندگی کے متعلق مجھے بڑی فکر ہے۔ اگر مجھے اس کا یقین ہو جائے۔ کہ تم ہمیشہ اسی طرح جیسا کہ میں خدا کے فضل سے تمہیں اب دیکھ رہا ہوں۔ نیک اور معصوم بنی رہوگی۔ تو میں خوشی خوشی

جان دوں گا +

مریم۔ (ہچکیاں لیتے ہوئے) بابا! تم میرے لئے اتنا تردد نہ کرو۔ تم نے مجھے جو تعلیم دی ہے وہ میری ہمیشہ رہنمائی کرے گی۔ اور تمہارا خیال میرے دل سے کبھی نہ جائے گا +

یعقوب۔ افسوس ہے۔ کہ تم کو اس کا آدھا حال بھی معلوم نہیں۔ کہ دنیا کتنی خراب اور بری حالت میں ہے۔ اگرچہ یہ کہنے سے بھی رنج ہوتا ہے۔ تاہم یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں۔ جن کے خیال میں تمہاری معصومیت۔ عزت اور دلبھی کی زندگی کا برباد ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر تم ان سے فرمانبرداری اور اس سے خوف کرنے اور اپنے ضمیر کو پاک رکھنے کا ذکر کرو گی۔ تو وہ تمہاری کم عمری اور نادانی کو محمول کریں گے +

اے بیٹی! اس قسم کے لوگوں سے بچنا۔ جب وہ تیری خوشامد کریں۔ اور تجھے خوبصورت کہکر خوش کرنا چاہیں۔ تو اُن کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ اور اُن کی کوئی بات نہ سننا۔ اگر وہ کوئی چیز دیں۔ تو ہرگز نہ لینا اور نہ اُن کے قول وقرار پر بھروسہ کرنا۔ کیونکہ اکثر فرشتوں کے بھیس میں شیطان چھپا رہتا ہے۔ اور خوبصورت پھولوں کے نیچے سانپ لیٹا رہتا ہے۔ خدا نے تمہاری حفاظت کے لئے ایک محافظ ساتھ دیا ہے۔ جس کو "حیاداری" کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص تمہارے دل میں بُرا خیلل ڈالیگا۔ یا تمہارے سامنے کوئی ایسی بات کہیگا جو معصومیت اور اخلاق حسنہ کی منافی ہوگی۔ تو تم دیکھو گی۔ کہ حیاداری سے تمہارے گال تمتما اُٹھیں گے۔ ایسے وقت میں تم فوراً ہوشیار ہو جانا۔ اور

اُس کی طرف سے بے پرواہی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تم سے ہمیشہ کے لئے علاحدہ ہو جائے گی۔ جب تک تمہاری حیاداری برقرار ہے۔ اور تم اُس کے کہے پر چلتی ہو۔ تم کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ لیکن اگر ایک مرتبہ بھی تم نے اُس کی بات سننے سے ذرا بھی غفلت کی۔ تو پھر ہمیشہ خطرے میں رہوگی اور تمام عمر کے لئے اُس سے جدا رہوگی ۔

میری پیاری بیٹی! اور دیکھو۔ کہ تمہارے دل میں تمہارا دشمن چھپا ہوا موجود ہے۔ ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ تم کو خود بُرائی کی طرف رغبت ہوگی۔ جس کی نسبت تم اپنے تئیں یہ کہتی تھی۔ وہ کوئی برا کام نہیں۔ اور ان کے کرنے کی مطلق ممانعت نہیں۔ دیکھو خبردار ہو جاؤ اور اپنے قریب المرگ باپ کی نصیحت آمیز باتوں کو اپنے دل میں کالنقش فی الحجر کرلو۔ کوئی کام ایسا نہ کرنا۔ کوئی بات ایسی نہ کہنا اور کوئی خیال ایسا نہ آنے دینا۔ جو تمہاری رائے میں میرے سامنے قابل ملامت ٹھہر چکا ہو۔ میری آنکھیں بہت جلد بند ہو جائیں گی۔ اور پھر میں اِس قابل نہ رہوں گا۔ کہ تمہاری نگہداشت کرسکوں۔ مگر خیال رکھو۔ کہ وہ عالم الغیب جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ تمہارے دل کی باتیں معلوم کرسکتا ہے۔ تم مجھے اپنا رویہ خراب کرکے جیتے تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتیں۔ تو خیال کرو۔ کہ خدائے برتر کے خوش رکھنے اور ناخوش نہ کرنے کے لئے تم کو کس قدر کوشش اور سعی نہ کرنا چاہئے ۔

مریم! میں تم سے پھر کہتا ہوں۔ کہ میں بہت جلد تم سے جدا ہونیوالا ہوں۔ اگر میرے بعد کبھی تم بُرائی کی طرف جھکنا۔ تو میرے اِس چہرے کا جس پر سے رنگ اُڑا ہوا ہے۔ اور اِن آنسوؤں کا جو میرے جھرّی دا

رخساروں سے بھرے ہیں۔ آؤ میرے ہاتھ پر ہاتھ مارو اور وعدہ کرو۔ کہ تم میری باتوں کو کبھی نہ بھولو گی (طرزِ گفتگو کو بدل کر) بیٹی! تم میری اس بُری حالت کو دیکھ کر آنسو بہا رہی ہو۔ افسوس اس دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ ایک وقت وہ تھا۔ کہ تمہاری طرح میں بھی صحت ور اور تنومند تھا۔ اور میرے ہلکے ہلکے سُرخ رنگ سے تروتازگی اور تندرستی کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اور ایک وقت وہ آئے گا۔ کہ تم میری طرح بسترِ مرگ پر لیٹی ہوگی۔ میرے بہت سے جوان دوست اس طرح گزر گئے ہیں۔ جیسے بہار کے موسم کے ساتھ پھول ندارد ہو جاتے ہیں۔ اُن کا اب پتہ بھی نہیں مل سکتا۔ گویا وہ شبنم کی بوند تھے۔ کہ پھولوں پر اچھی طرح چمکنے بھی نہ پائے۔ کہ غائب +

جس طرح ایک باغبان پودوں کو ایسی جگہ بٹھلاتا ہے۔ جو اس کے خیال میں اُن کے لئے موزوں اور مفید ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا اپنے بندوں کو ایسی حالت میں رکھتا ہے۔ جو اُس کی رائے میں زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ اور جس میں رہ کر ہر شخص زہد و اتقا میں بہت بڑی ترقی کرتا ہے۔ اور اے مریم جس طرح اُس نے تمہاری پچھلی تکلیفوں کا عوض آرام و مسرت کی شکل میں عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح میری اس آخری بیماری اور موت کا بدلہ بھی تمہیں مرحمت کرے گا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ موت کا نام سُن کر تم بُری طرح رونے لگتی ہو۔ مگر حقیقت میں موت اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو۔ کہ جب چھوٹے چھوٹے اور نازک پودے چھوٹی بیماریوں میں مُرجھا گئے ہیں۔ اُس وقت یہ کیسے خیال ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں خوبصورت پھول پھر نہیں نکلیں گے [illegible] خوش ذائقہ

پھل نہیں سکتے۔ اور واقعی اگر وہ تنگیاں اور تنگ جگہ میں اُگیں۔ تو کبھی پھل
پھول نہیں لا سکتے۔ اس لئے انہیں زیادہ وسیع جگہ کی ضرورت ہوتی ہے
اور باغبان بھی اُن کو چھوٹی سی جگہ میں رکھ کر برباد کرنا پسند نہیں کرتا۔
وہ انہیں تنگیاں مقام سے ہٹا کر کسی کھلی جگہ میں لگا دیتا ہے۔ جہاں وہ
صاف ہوا سے ترو تازگی پاتے ہیں۔ جہاں سورج کی روشنی اور گرمی
اُن تک بلا روک کے پہنچتی ہیں۔ اور آخرکار بارش شبنم انہیں سینچتی ہیں۔ اور
اُن کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اور پتیاں اُگتی ہیں۔ اور وہ نہایت خوبصورت
درخت بن جاتا ہے۔

اسی طرح بعض پیاری بچیاں ہم لوگ بھی بمنزلہ انہیں نازک پودوں کے
ہیں۔ جو ہمیشہ تنگ جگہ میں رہتے ہیں۔ مثلاً ایک چھوٹی بیماری کے سبب
ہمارے اصلی جگہ یہ نہیں ہے بلکہ اس جگہ ہم گھاس پھوس [illegible]
ہیں۔ مگر خدا کی قسمت میں اس سے کچھ اور بہتر ہونا لکھا ہے اور اس وجہ سے
وہ ان کو یہیں یہاں سے اُٹھا لیں سے زیادہ وسیع اور خوبصورت باغ [illegible]
میں لگا رکھتا ہے۔

اے مریم! تم رونا موقوف کرو۔ دیکھو تمہاری بچی کس خوشی سے مرنے کو تیار
ہے [illegible] کس قدر اس کا چہرہ [illegible] ہے [illegible]
[illegible] بہشت [illegible] گی [illegible] جسم [illegible]
[illegible] آزاد ہو جائے اور جنت میں [illegible]
[illegible] ہے۔

مریم! کیا تم کو وہ لطف یاد نہیں [illegible]
[illegible] وسیع [illegible] کیا کرتے تھے مگر جنت [illegible] زیادہ

دلکش اور خوبصورت ہے - وہاں کی بہار کو خزاں ہی نہیں - اور میں اُسی فرحت انگیز مقام کو جانیوالا ہوں - تم کو چاہیئے - کہ خدا کی فرماں برداری سے ہاتھ نہ اُٹھاؤ تاکہ ایک دن ہم وہاں پھر باہم مل جائیں +

مریم! تم ہمیشہ خدا کی طرف دھیان رکھنا - اور اگر تم جہان میں پُر مسرت زندگی چاہتی ہو - تو تم کو چاہیئے - کہ دنیا کی [illegible] مسرتوں [illegible] وہاں تم سے جنت میں ملیں گے - [illegible] خیال سے اپنے [illegible] رکھنا چاہیئے +

[illegible]

[illegible]

دو ماہ کا مشترکہ نمبر شایع ہونے سے جو صفحات کی کمی ہو گئی ہے اس کی تلافی آزاد کے [illegible] نمبر اور سال آیندہ کی ترقی سے ہو جائے گی - ہمیں بھروسہ ہے کہ [illegible] اس کا خیال کر کے ناظرین آزاد ہماری ان تقصیروں کو معاف کریں گے - اور آزاد کی اشاعت میں مدد دیکر اسے اس قابل بنائیں گے - کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے +

عالمگیر خوشی

مبارک ہے وہ سلطنت جس میں حاکم اور محکوم محبت سے رہتے ہیں مبارک ہے وہ بادشاہ جو رعایا کی تکلیف کو محسوس کرتا اور اِن کی غمگساری کرتا ہے مبارک ہے وہ ملک جو ایک عادل بادشاہ کے سایہ میں ہے۔ اور با امن وفادار رعایا کا مسکن ہے۔ کیونکہ یہی خوبیاں دنیاوی زندگی کو پاک بناتی اور آیندہ آنے والی نسلوں کے لئے نیک نام چھوڑ جاتی ہیں۔ جسے کبھی فنا نہیں۔ ایک محبت وہ کام کرسکتی ہے۔ جو جبر و تشدد کی سینکڑوں تجویزیں نہیں کرسکتیں +

زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ سینکڑوں خوشیاں اور رنج وابستہ ہیں۔ اور انسانی عقل اِن کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ علما کا قول ہے۔ کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ برٹش راج ایسے با امن عہد حکومت میں بھی ہمیں ظلم اور سختی کی ایک جھلک دکھائی دیتی۔ اور چونکہ یہ انقلاب زمانہ کا اثر تھا۔ اس لئے ہمیں گورنمنٹ کی اس سختی کو بھول جانا چاہئے جب ہم سے ہمارے پیارے لالہ لاجپت رائے جی جدا کئے گئے۔ اگرچہ قومی کی خوفناک تاریخ آیندہ نسلیں کانپتے ہوئے دلوں کے ساتھ پریشانی سے پڑھینگی کیونکہ برٹش راج کی روشن تاریخ میں ایک یہی بدنما داغ ہے۔ مگر ہمیں آیندہ تاریخ کو ایسا دلچسپ اور خوش گوار بنانا چاہئے۔ کہ جس میں محو ہو کر اِن کا غم غلط ہو جائے +

وہ مایوسی جو امیدوں کے بعد ہو سخت حوصلہ شکن ہوتی ہے۔ اور وہ

خوشی جو نا امیدیوں سے پیدا ہو۔ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اہل ہند کی تمام اُمیدیں لبرل وزارت سے وابستہ تھیں۔ مگر گذشتہ ایام میں جو سختی کی پولیسی برتی گئی۔ اور جس رکھائی سے لبرل وزارت کے سرتاج مسٹر مورلے نے ہمارے محسنوں کے سوالات کا جواب دیا۔ اُنہوں نے ہمیں انتہائے یاس کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ اگرچہ برٹش راج کے بعض احسانات ہمیں یہ اُمید دلاتے تھے۔ کہ وقت آئیگا۔ جب ہماری اُمیدیں بر آئیں گی۔ مگر جو سلوک ہم سے کیا جاتا تھا۔ وہ ہمارے حوصلے قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اور ہماری اُمید نا اُمیدی میں بدل جاتی تھی۔ عین مایوسی کے عالم میں ہمارے کانوں میں یہ آواز پہنچی۔ کہ

لالہ لاجپت رائے جی رہا ہو گئے

یہ مبارک آواز محبت کا فرمان تھا۔ وہ سختیاں جو دل دکھانے والی تھیں وہ قانون جو ہماری زبان بند کرنے والا تھا۔ وہ چرکے جن کے زخم ابھی ہرے تھے۔ وہ آہ جس کا دھواں دل کے آئینہ پر تھا فوراً دور ہو گیا۔ اور جوش محبت ایسا اُمڈا کہ ہمارے منہ سے بے اختیار نہ صرف جہاں پناہ ایڈورڈ ہفتم کی جن کی معاملہ فہمی اور رعایا پروری نے اس رشتہ محبت کو قائم رکھا ہے درازیئے عمر کے لئے دعا نکلی۔ بلکہ سر ڈنزل ایبٹسن اور لارڈ منٹو بہادر جن کے ہاتھوں ہمیں یہ سخت صدمہ پہنچا تھا۔ رحم کی مورتیں بنکر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جن کے سامنے ہمارے سر جھکے ہوئے تھے۔ اور ہماری زبان پر شکریہ کے سوا شکایت کا ایک لفظ بھی نہ تھا۔

لالہ لاجپت رائے جی کی جدائی کا رنج جس طرح ملک کے بچہ بچہ کو تھا۔ اسی طرح ان کی رہائی کی خبر ایک ایسی خوشخبری تھی جس سے بچے۔ بوڑھے۔ جوان

اور جب پڑھتے [illegible] کا ندا [illegible] چھوڑے [illegible] تھے عورتیں گھروں میں خوشی خوشی ایک دوسرے کو یہ نوید سنا رہی تھیں۔ بازاروں میں ملنے والے ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ رات کو دیوالی کی طرح چراغ جلائے گئے ہندوستان کے ہر حصے میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ دوران امیدوں میں جو مردہ ہو گئی تھیں دوبارہ جان پڑ گئی ہے [illegible] دیکھ کر ہم اس نتیجہ پہنچتے ہیں [illegible] ایک [illegible] علامت [illegible] رہا ہے۔

[illegible]

ہندوستانیوں کی [illegible] میں جا سکتا ہے [illegible] ہے۔ اگر [illegible] پڑتی ہیں جنہیں آج زبان تاریخ اپنی دردناک الفاظ میں بیان کر رہی ہے سننے والوں کا کلیجہ پھٹتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راستی کے طالب [illegible] قربان کرنے کو تیار رہیں۔ اور راستی کے لئے کسی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ برٹش راج اور تہذیب کی برکتوں میں انہیں اپنی رائے پر قائم رہنے کا زیادہ حوصلہ ہو گیا ہے اگر وہ اپنی بہتری کے لئے چلاتے ہیں تو یہ ان کا فرض ہے اور برٹش گورنمنٹ سے یہ امید [illegible] کی جا سکتی ہے کہ وہ کبھی [illegible] اپنے فرائض کی پابندی سے روکے گی کیونکہ

جو قوم اپنے فرائض کو نہیں سمجھتی اور انھیں پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتی۔ وہ [illegible] کے قابل ہے اور برٹش گورنمنٹ کے لیے یہ بات باعث شرم ہوگی کہ ہندوستانی [illegible] تہذیب کی شرائط کو پورا نہ کریں ؎

لالہ لاجپت رائے جی کو واپس وطن بھیج کر گورنمنٹ نے صرف اپنی وفادار رعایا کو خوش کیا اور ممنون احسان بنایا ہے۔ بلکہ ایک ایسی مدبری کا ثبوت دیا ہے جو اس کی عظمت میں چار چاند لگا دے گی۔ اور اسے دنیا کی مہذب قوموں میں بالاتر جگہ دلاتی ہے۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ہماری ہر ایک تحریک وفاداری کے ساتھ شامل رہے اور ہم اپنی بہتری کے لیے جو کوشش کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنی بہتری کے لیے ہوتی ہے۔ بلکہ گورنمنٹ کو ایک قابل مثال گورنمنٹ بنانا چاہتی ہے۔ ہماری نکتہ چینی اس غرض سے نہیں ہوتی۔ کہ ہم خواہ مخواہ ان حکام کو تنگ کریں جو انتظام قائم رکھنے والے ہیں۔ بلکہ ہم انہیں انتظام میں مدد دینا چاہتے ہیں۔ اور ان باتوں کو جتلاتے ہیں جو انتظام میں خلل پیدا کرنے والی ہیں۔ اور اگر ان پر توجہ دی جائے۔ تو کیسے مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں ؎

واقعات نے تو ثابت کر دیا۔ کہ لالہ لاجپت رائے جی غلط رپورٹوں کا شکار ہوئے تھے۔ اور گورنمنٹ معاملہ کی تہ تک پہنچ گئی ہے۔ اب ان لوگوں کو [illegible] چاہئے جو ان کی گرفتاری کے باعث ہوئے تھے۔ کیونکہ ایسا ان [illegible] ہوتا ہے [illegible] اور انہیں [illegible]

اس سے [illegible] چاہئے کہ [illegible] سے [illegible] ع

پھر [illegible] قاتل کی [illegible]

ایسے لوگوں کی [illegible] سے [illegible] ہوتی ہے بلکہ

قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور اس گناہ کا بار ان کی گردن پر ہوتا ہے +

ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ نوعمر حامیان ملک بھی اپنی کوششوں کو ایسے راستہ میں نہ لگائیں۔ جو بجائے مفید ہونے کے ملک پر تباہی لائیں اور بیگناہ لیڈران ملک کو جن کی مدد سے ملکی بہتری کی اُمید ہو سکتی ہے۔ آفت میں پھنسائیں۔ بلکہ ان کا ایک ایک لفظ تلا ہوا ہونا چاہیئے۔ اُنہیں کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس راستہ پر چلیں۔ جس کی داغ بیل رہنماؤں نے ڈالی ہے۔ کیونکہ اسی طرح وہ منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ جن میں سب کے سب رہنمائی کرنے والے ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی میں اپنا اپنا راگ الاپتا ہو +

مبارک ہو لالہ لاجپت رائے جی کو جنہوں نے اس مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وطن تشریف لانا۔ مبارک ہو ان کے والد بزرگوار لالہ رادھا کشن جی کو عصائے پیری کا واپس پانا۔ مبارک ہو اہل ملک کو کھوئے ہوئے نگین کا ہاتھ آنا اور مبارک ہو ناظرین آزاد کو اس نامور مضمون نگار کا ملنا جن کی سرپرستی آزاد کے لئے سرمایہ ناز ہے۔ اور جنکے مضامین کے بغیر آزاد کے مضامین نگاروں کو سبھا سونی تھی آؤ ہم سب اس خدا کے سامنے سر جھکائیں اور دعا کریں جس نے ہماری مصائب کو اس قدر جلد دور کیا اور ہمارے پیارے لالہ لاجپت رائے کو جنکی زیارت کو آنکھیں ترس رہی تھیں ہم سے ملایا۔ ہماری مبدل میں جان ڈالی۔ ہماری گورنمنٹ اور حق کے پہچاننے میں دیر نہیں لگی اور ہندوستان میں خوشی کی روشنی بھیجی جس پر رنج کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ خداوند تعالیٰ گورنمنٹ کے نیک ارادوں میں برکت دے۔ ہماری اطاعت و فرمانبرداری میں رہنمائی کریں اور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم۔ لارڈ منٹو۔ سر ڈنزل ایبٹسن کی عمر دراز کریں —

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

درخواست کرتے وقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

نکتے بر داز دل گذرد همه کس بوشیم

من فاش فروش دل صد پارهٔ خویشم

پیارے ناظرین! کیا آپکو کبھی ضرورت سفر نہیں پیش آتی؟ پھر آپکو گاڑی کے چھوٹنے کا وقت کون بتلاتا ہے؟ میری رائے میں تو آپ خود اسٹیشن تک قدم رنجہ فرمائیں یا اپنے کسی ملازم کو تکلیف دیں۔ اچھا اگر آپنے اس قدر تکلیف گوارا بھی کر لیا تو آپکو یہ نہیں معلوم کہ وہ گاڑی جس پر آپ سوار ہونگے کون کون شہر ہوکر اور کتنے اسٹیشن طے کر کے منزل مقصود پر اور پھر اسٹیشن سے کس سواری کے ذریعہ سے جہاں آپ تشریف لیجاتے ہیں پہنچینگے؟ گاڑی کہیں بدلنی تو نہ پڑے گی؟ جس جگہ کا آپنے عزم کیا ہے وہاں پہنچکر آپ کہاں قیام فرمائینگے؟ وہاں کون کون عمارتیں لائق دید ہیں؟ وہاں کسی بزرگ کا عرس یا میلہ تو آپکے زمانہ قیام میں نہ ہوگا؟ آپ وہاں سے اپنے پیارے بچوں، چہیتی بیوی اور سچے دوستوں کے لیئے کیا کیا چیزیں تحفتاً لائیں گے؟

میں یہ ضرور عرض کرونگا کہ آپ کو مذکورہ بالا باتیں ایک معتبر و مستند آدمی یا ریلوے کے ملازم ہرگز نہیں بتلا سکتا۔ پھر آپ ایک ایسا رہنما کیوں نہ اپنے ساتھ رکھیں جو آپکو ابتداء سفر سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دے اور بدولت آرام و آسایش واپس پہنچا دے۔ ہاں اب آپ فوراً ہی یہ سوال کرینگے کہ اس رہنما کا کیا نام ہے اور کیا اجرت لیگا؟ پیارے مسافرو! میں اب اس مشکل اور لاجواب رہنما کا نام اور اجرت بتاتا ہوں مگر اس شرط سے کہ آپ فراموش نہ کریں۔ سنیئے اور یاد رکھیے اس رہنما کا نام جو ماہوار ہو کر شائع ہوتی ہے اردو ریلوے گائیڈ ہے اور قیمت صرف چھ آنہ فی جلد یا کمسوار [illegible] اور للعہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک۔

اشتہار دینے والے تاجرو! چونکہ اردو ریلوے گائیڈ تمام دنیا کی معلومات کا وافی جام جہاں نما لقب کسی طرح بیجا نہیں [illegible] ریلوے کے شائقین [illegible] صاحب گھڑی ساز و دیگر سوداگروں کے یہاں [illegible] ذوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ واقعی آپکو اس سے بہتر کوئی ذریعہ اشاعت تجارت کا [illegible] نہ ملیگا۔

اب آپ حضرات یہ سوال کرینگے کہ ایسا لائق رہنما کس پتہ اور کہاں سے ملیگا؟ اور اس میں اجرت طبع اشتہار کیا دینا ہوگا؟

دوستو! میں آپکو اس گائیڈ کے ملنے کا پتہ بتاؤنگا ذرا ایک بات سن لیجئے اور وہ یہ کہ [illegible] آدھ آنہ کا ٹکٹ [illegible] جنتری بابت سنہ ۱۹۱۵ء اور ایک کاپی تازہ اخبار تفریح کی [illegible] مفصل اشتہار اردو ریلوے گائیڈ [illegible] جہاں سے یہ گائیڈ آپکو بلاقیمت منگا لیجئے تاکہ آپکو گائیڈ کی مفصل [illegible] اجرت طبع اشتہار وغیرہ سے پوری واقفیت ہو جائے [illegible]

ہم نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

اب میں سب سے آپکے سامنے ذرا جلی حرفوں میں اردو ریلوے گائیڈ وغیرہ کے ملنے کا پتہ تحریر کرکے پیش کرتا ہوں۔ پڑھیئے اور کسی یادداشت میں لکھ رکھیئے۔

بڑا قدیم اور ہندوستان کا سب سے پرانا اور مشہور مطبع

نولکشور اسٹیم پریس لکھنؤ

درخواست کے وقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

آزاد رہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل

آزاد

مرتبہ بشن سنگھ آزاد

جلد ۲	نومبر ۱۹۰۷ء	نمبر ۵

فہرست مضامین

تصویر۔ نظام حیدرآباد دکن

قیمت سالانہ قسم اول ہے قسم دوم عا قسم سوم (بلا نقشہ) عہ معہ محصول ڈاک

آزاد پریس لاہور میں چھپکر مالک کے اہتمام سے شائع ہوا

قیمت فی کاپی قسم اول ۴ر قسم دوم ۲ر قسم سوم ۲ر

پانچ ہزار روپیہ انعام

پانچ ہزار روپیہ انعام

میرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یوروپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم دھند جالا پڑوال غبار پھولا سبل سرخی ابتدائی موتیا بند پانی جانا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں کو اسی سرمہ کا استعمال کراتے ہیں چند روز کے بعد بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ دو روپے میرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ تین روپیہ خاص ممیرہ فی ماشہ مبلغ بیس روپیہ مصری سرمہ فی تولہ ۴ر خرچ ڈاک بذمہ خریدار +

المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

اس سے بڑھکر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میں نے اور میرے بہت سے متعلقین نے میرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے استعمال کیا نہایت ہی مفید پایا آنکھوں کی بیماریوں کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈا رکھتا ہے بینائی کو طاقت بخشتا ہے حقیقت میں بینائی کو قائم رکھنے کیلئے نہایت ہی مفید اور زود اثر ہے جنک کبھی کوئی دوا اس سرمہ سے بہتر فائدہ بخش نہیں دیکھی

راقم آنریبل نواب محمد حیات خان بہادر سی ایس آئی

سابق ڈویژنل سیشن جج قسمت جالندھر ممبر کونسل گورنر جنرل ہند

(۲) میں نے میرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے ان مریضوں پر جن کی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کرکے دیکھا مفید پایا میری رائے میں خاصکر ان لوگوں کیواسطے جن کی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے درد دھند اور غبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے +

راقم ڈاکٹر مہر لعل گھوش رائے بہادر ایل ایم ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنر جنرل ہند

انعام پانچ ہزار روپیہ — اگر کوئی میرے کے سرمہ کی سندات میں سے کہ قریب بیس ہزار کے ہیں ایک بھی فرضی ثابت کردے تو اسکو پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا جو لاہور پنجاب بینک میں اس مطالبہ کیلئے مارچ ۱۹۱۰ء سے جمع کیا گیا ہے +

درخواست کے وقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

آزاد

سنسکرت

از منشی صادق علی خان صاحب صادق

سنسکرت کے لغوی معنے نہایت صاف اور منجھے ہوئے کے ہیں یہ زبان سب زبانوں سے صاف اور نفیس اور منجھی ہوئی ہے۔ یہ اپنے آپ میں مکمل ہے۔ اور اس کو اپنی تکمیل کے لئے دوسری زبانوں کا محتاج ہونا نہیں پڑا۔ جیسا کہ انگریزی۔ اردو اور بے شمار دوسری زبانوں کا حال ہے۔ اس کا چشمہ گرد کدورت اغیار سے پاک ہے۔ اور اس کے سرچشمہ میں کسی غیر ندی۔ نالے نے آکر معاونت نہیں کی۔ باریک سے باریک معانی اور نازک سے نازک رنگ کے خیالات یہ خود اپنی ذات سے ادا کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور ایک لفظ کیا لفظ کے حصے کے لئے بھی دوسری کسی زبان کی ممنون نہیں ہے یہ ایک غیر مرکب اور بے کھوٹ زبان ہے۔ اس پر جس قدر زبانیں اس وقت موجود ہیں۔ ان سب سے زیادہ قدیم اور پرانی ہے۔ اور جس قدر زبانیں خاص اس زبان سے نکلی ہیں۔ اور روئے زمین پر پھیلتی جاتی ہیں۔ ان کے لحاظ

سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ زبانوں کی ماں ہے *

اہل یورپ کے محققین السنہ کی رائے ہے۔ کہ اصل زبانوں کی ماں روئے عالم سے ناپید ہو گئی ہے۔ اور یونانی اور سنسکرت اس کی سب سے بڑی دو لڑکیاں ہیں۔ سنسکرت میں بعض ایسے قدیم سے قدیم الفاظ اپنی اصلی شکل میں دستیاب ہوتے ہیں۔ کہ ایرانیوں کی مقدس ترین زبان ژند اوستا کے بعض الفاظ سے نسبت قرابت رکھتے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے علم فلالوجی کے طالب علم کے لئے اس سے بڑھ کر زیادہ دلچسپ مطالعہ اور نہیں ہو سکتی علاوہ قدامت کے اس کا ذخیرہ الفاظ غیر محدود ہے۔ اس کے مادے اور ان کے ذاد اور گردانوں کے سبب سے ادائے خیالات پر ہر طرح قادر ہے۔ ذرا سے تغیر گردان سے معنوں میں انتہا درجہ کا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً فنی مادہ ... کے معنے جانا ہے۔ گم آتی (وہ جاتا ہے) گمت (اس کو جانے کی اجازت ہے) گمت (اگر وہ جاتا ہے) وغیرہ ذرا سے لفظ کے ہیر پھیر سے اس قدر معنے برآمد ہوتے ہیں کہ اردو کے کمل جملوں سے بھی نہیں نکل سکتے *

اس کی قواعد ایسی مکمل ہے۔ کہ دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مقابلہ تو مقابلہ یوں کہئے۔ کہ ہمسری کا دعوے بھی نہیں کر سکتی۔ اس کے قواعد دان پانینی نے ایسے کلیہ اور اٹل قاعدے بنائے ہیں۔ اور زبان کو ایسے ایسے محکم اصولوں میں بند کیا ہے۔ کہ کیا مجال ہے۔ ذرا بھی ادھر کی اُدھر ہو جائے۔ پروفیسر مکس مولر نے سچ کہا ہے۔ کہ علم قواعد سنسکرت کے قواعد دانوں نے تیار کیا ہے وہ بجائے خود نہایت ہی مکمل ہے۔ اور جن لوگوں نے پانینی کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ نہایت آمادگی سے اس امر کی شہادت دیں گے کہ اس کی آٹھ کتابوں کے لکھنے کی (جن میں علم قواعد کی تشریح ہے) ... دوسری زبان میں

نہیں۔ جو اس کی عجیب وغریب ساخت کا مقابلہ کر سکے ❖

سنسکرت کو اپنے وسیع اور مستقل علم ادب پر بجا ناز ہے۔ اگرچہ اس وقت اس میں اوریجنل تصنیفات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مگر خزانہ ایسا معمور اور اس کا ذخیرہ جواہر نایاب سے ایسا بھرپور ہے۔ کہ موجودہ زمانہ کی وسیع زبانوں کے ساتھ ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ علم کی ہر شاخ میں بے شمار کتابیں ہیں اگرچہ بدقسمتی سے کتابیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ مگر فلسفہ میں سب سے زیادہ ترقی نظر آتی ہے۔ اور ویدانت نے اس خیال کو معراج کمال پر پہنچایا گیا ہے ❖

سنسکرت کی دلیل اہمیت اور اس کے مطالع کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے مذکورہ بالا خیالات بہت کافی ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس کا مطالعہ تو بجائے خود اس کی طرف توجہ کا میلان بہت کم ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ میلان کی جگہ نفرت نے لے لی ہے۔ ہند (یہ لفظ بھی سنسکرت سے ماخذ ہے) جہاں سنسکرت کسی زمانہ میں خاص وعام اور ہر کس وناکس کی زبان تھی۔ اب وہاں اس قسم کی زبانوں کو پڑھنا حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا۔ کہ اس کے جنگل اور پہاڑ سنسکرت کے گیتوں سے گونجتے تھے۔ اور اب وہ وقت ہے۔ کہ کتابیں اور ضرب المثلیں تک کوئی نہیں جانتا۔ جن میں ہزار ہا سال کی دانائی اور عقلمندی کو کوٹ کوٹ کر بھر گیا ہے عوام الناس کی نگاہیں فائدہ ذاتی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اور وہ ہر قدم پر یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا اس سے گذارہ کی کوئی صورت ہوگی۔ یہاں اسی معیار سے تمام علوم کا مطالعہ جانچا جاتا ہے ❖

گمر یہ بے پرواہی اور نفرت کس وجہ سے ہے؟ اس میں شک نہیں۔

لوگوں کو اس سے دلچسپی نہیں۔ اور ان کے ذہن میں اس کے بارہ میں کچھ غلط خیالات سما گئے ہیں۔ اور بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ مردہ زبان سے کیا حاصل ہے۔ کیا سنسکرت سچ مچ مردہ زبان ہے؟ واقعی ایسے ہی حضرات ہیں۔ جو زبان کے انحطاط و زوال میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ ان کو شاید یہ معلوم نہیں ہے۔ کہ مردہ زبان کس کو کہتے ہیں۔ جب تک کسی زبان کا بولنے والا ایک تن واحد بھی باقی ہو۔ اس وقت تک کسی زبان کو مردہ نہیں کہہ سکتے۔ وٹنی صاحب ایک مقام پر ایک ایل ویلنگی زبان کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ اس کو اس وقت تک مردہ نہیں خیال کر سکتے تھے۔ جب تک کہ اس کا ایک متنفس بولنے والا ہی روئے زمین پر موجود تھا۔ اور وہ ایک عورت علاقہ کارنوال کی رہنے والی تھی۔ یہاں تو ابھی یہ حالت نہیں ہے۔ بنارس کے پنڈت اور دکن کے ہندو شرفا اب تک اسی زبان کو اپنے روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر کیونکر اس کو مردہ زبان کا خطاب دیا جا سکتا ہے؟ ✦

ہندوستان والوں کو اس بارہ میں ابھی بہت کچھ [illegible] سیکھنا ہے۔ جرمنی فرانس انگلستان ان کو اپنے دامن عاطفت میں پال رہے ہیں۔ یعنی زبان سنسکرت کے مطالعہ میں سرگرم ہیں ✦

اہل امریکہ بھی اس میدان میں سبقت لے گئے [illegible] انہوں نے ویدوں کے نہایت اعلیٰ ترجمے اپنی زبان میں کئے ہیں۔ [illegible] ان کا منشا یہ ہے کہ تمام علم سنسکرت کے خیالات کو اپنی زبان کا لباس پہنا دیں۔ [illegible] صداقتوں نے اہل امریکہ کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ اور مشرقی علوم کی داد دے رہے ہیں۔ دیگر ممالک بھی سنسکرت کی قدر و قیمت سے آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ایک ہندوستان ہے۔ کہ اس طرف رخ نہیں کرتا ✦

دوسری مشکل جو سنسکرت کے طالب کے راہ میں حائل ہوتی ہے - وہ اس کا مشکل ہوتا ہے - جس کے لئے ایک عرصہ دراز چاہئے - کہ انسان اس میں کچھ کمال پیدا کرے - مگر موجودہ زمانہ میں تحصیل علم کی سہولت کے لئے جو جو اختراع ہوئے ہیں - ان کی امداد سے ممکن نہیں - کہ انسان اس مشکل پر غالب نہ آسکے ۔

اول تو تعلیم سنسکرت شروع سے ہونی چاہئے - اور طوطے کی طرح رٹ لینے کا دستور جو پنجاب میں ہے - اس کو تبدیل کرنا چاہئے - کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے بے توجہی اور نفرت پیدا ہوتی ہے - مگر باقاعدہ تعلیم کے لئے ایسے استادوں کی ضرورت ہے - جو تربیت یافتہ اور نو اصول تعلیم سے ماہر ہوں - جو لوگ اورنٹیل امتحانات پاس کریں - ان کو تعلیم سنسکرت کی تعلیم پھر ایک سال تک دی جائے جس سے ان کو خاص قابلیت پیدا ہو جائے گی - اور یہ مطالعہ سنسکرت کے مروجہ قالب میں ایک نئی روح پھونک دیگی ۔

دوم - اگر گورنمنٹ سنسکرت کی عمدہ عمدہ اور پیچیدہ پیچیدہ کتابوں کے انطباع اور اشاعت کی کفالت اپنے سر لے تو یہ بڑا احسان ہوگا چونکہ بمبئی یونیورسٹی تو پہلے ہی سے اس کام میں مصروف ہے - اس لئے پنجاب یونیورسٹی اگر اس کام کو ہاتھ میں لے - تو اس کی شان کے شایاں ہے ۔

سب سے اعلیٰ فائدہ جو اس ملک کو سنسکرت کے مطالعہ سے ہوگا - وہ یہ ہے کہ ہم میں سچائی [illegible] وفاداری کی روح پیدا ہو جائیگی - اور اس سے زیادہ [illegible] ایسا علم و ادب جس کا [illegible] بہا خزانہ محض ضایع ہو رہا ہے - ترقی اور افادہ کے کام آئیگا - اور ایک اعلیٰ ترین پایہ کی فلسفی اور شیریں زبان ایسے عالم سے بالکل روپوش ہونے سے بچ جائے گی ۔

صادق علی خان

قومی شجاعت

از منشی ہرگوبند پرشاد نگم ایم۔ اے

آج سے دس برس پیشتر سوائے معدودے چند معترضین کے جملہ ہند والوں کی نظروں میں انگریزی راج ہند اور ہند والوں کے واسطے ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ مبصر نگاہیں اور رسا طبیعتیں اِس بات کو دیکھ رہی ہیں۔ اور محسوس کر رہی ہیں۔ کہ انگلستان نے ہندوستان کے موجودہ ہندوستان بنانے میں ایک قرار واقعی حصہ لیا ہے۔ جس کے ہندیوں کے نیک دل ممنون و مشکور بھی ہیں۔ مگر جو کچھ تدابیر ذاتی مفاد کی انگلستان نے اِس سلسلہ میں اپنے اور اپنے باشندوں کے واسطے کیں وہ بھی اہل بصیرت کی چشم بینا اور اہل الرائے کی رائے روشن سے مخفی نہیں۔ بہرحال یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ ہندوستان اب ترقی کے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں وہ اپنی اونچ نیچ کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اور اب اِس بات کا متمنی ہے۔ کہ میں آزادانہ بلا امداد غیری ترقی کروں اور خاندان اقوام (فیملی اور نیشنز) میں اس طرح سے ایک دست نگر رشتہ دار نہ رہوں۔ جیسا کہ اب تک رہا ہوں۔ میری آبادی دنیا کی آبادی کا ایک پانچواں حصّہ ہے۔ اب مجھے جلد اقوام کے روبرو عزت حاصل ہونی چاہئے۔ کہ دیگر اقوام مجھ کو صرف پنچ ہی تصور نہ کریں۔ بلکہ سرپنچ سمجھنے لگیں۔ اِسی واسطے ہندوالوں نے اپنے رہنمایان تجربہ کار اور دانایان با وقار کی دوربین نظروں کی مدد سے ایک حور دور راز مگر یقینی مقصود (آئیڈیل) پر اپنی نظر جمائی ہے۔ اور آج قوم

کا بچہ بچہ بیش و کم اِس ہی کے حصول کی کوشش کر رہا ہے +

مگر کوئی بڑا مقصود میسر نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ زبردست قربانی نہ کی جائے اور بیحد جانفشانی اور محنت سے دریغ کیا جائے۔ جتنا بڑا مقصود اتنی ہی بڑی قربانی اور اسی قدر محنت وجانفشانی کی ضرورت ہے ؎

تا شانہ صفت سر نہ نہی در تہ ارّہ
بہ سرِ زلف نگارے نرسی

ہر اک ڈگری (اعزاز خطاب علمیت وفضیلت) کے واسطے ایک امتحان اور ہر اک امتحان کے واسطے کچھ کورس مقرر ہے۔ اور ہر کورس کی تیاری اور کماحقہ واقفیت کے واسطے سخت محنت کی ضرورت ہے۔ اب ہمارا قومی مقصود ٹھیرا۔ سوراج اور اس کے واسطے امتحان مقرر ہوا۔ "قومی شجاعت" اور اُس کی کماحقہ تیاری ہوئی۔ پیسو ریزسٹنس (برداشت تکالیف بلا چون وچرا) اب قوم کے جو بچے ان امور سے منحرف ہوتے ہیں۔ وہ قومی شجاعوں کی صف میں جگہ پانے کے مستحق نہیں۔ اور جو لوگ برداشت تکالیف سے بھاگتے ہیں۔ وہ ابھی اِس قابل نہیں۔ کہ قومی شجاعت کا نام بھی لیں +

ہم خود سخت الفاظ اور انتہائی تدابیر کے قایل نہیں۔ بلکہ اِس کے ہمیشہ خلاف رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ ایک زوردار تقریر یا ایک زبردست تحریر سے نہ ملک آزاد ہو سکتا ہے۔ نہ ملک والوں کی فلاح کی صورت ہو سکتی ہے۔ سوراج کے مقصود بلند تک پہنچنے کے واسطے بے انتہا خود ایثاری اور خود انکاری اور مدتوں کی انتھک محنت کی ضرورت ہے۔ قوم کی تعلیم علمی۔ اخلاقی عموماً اور پولیٹیکل خصوصاً اِس کا ایک لازمی

پیش خیمہ ہے۔ تاوقتیکہ اپنے ملک کی آزادی اور اپنے ملک کے اعزاز و اپنی قوم کی عزت اور اپنے وطن کی بہبودی کا خیال ہر کس و ناکس کی رگ و پے میں خون و گوشت نہ ہو جائے گا۔ اس عظیم الشان مقصود کا حصول نہایت مشکل بلکہ بلا مبالغہ ناممکن ہے۔ پولیٹکل لیڈروں کو تعلیم عوام الناس کی طرف راغب ہونا چاہیئے۔ پھر کہیں ایک مدت دراز کے بعد ہمیں کامیابی کی صورت نظر آنے لگے گی۔ گو چشم بددور لندن میں اگر کوئی چاہے۔ کہ ہتھیلی پہ سرسوں جمالے۔ تو ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

ہم اس بات کے معترف ہو چکے ہیں۔ کہ انگریزوں نے اب تک ہماری خاصی دستگیری و امداد کی ہے۔ اور ہم بالکل خلوص دل سے اس امر کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہمیں انگریزی قوم کے افراد و انگریزی قوم کی بحیثیت مجموعی امداد کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر ہمارا بیڑا پار ہونا دشوار ہے +

مگر جب کبھی کوئی بات قومی شجاعت کے خلاف کی جاتی ہے۔ تو ہماری طبیعت جل اُٹھتی ہے۔ ہمیں یہ نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ کہ مسٹر بینرجی نامی بیرسٹر کلکتہ نے اول تو زور وشور سے لیکچر دیئے۔ اور جب ماخوذ ہوئے تو معافی نامہ داخل کر دیا۔ اگر بینرجی صاحب کو اپنے بیوی بچوں کا خیال تھا۔ تو یہ ان کو قومی بہادران کی صف میں قدم رکھنے سے پہلے ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اگر شروع ہی سے صاحب مذکور قومی تحریک میں شریک نہ ہوتے تو شاید صرف ان ہی کی ذات کو کسی قدر نقصان تھا۔ مگر ان کے بزدلانہ پیچھے ہٹنے سے قومی تحریک حُریت کو صدمہ پہنچا +

مسٹر بینرجی ایک تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ اور تواریخ ہنگیری و آئرلینڈ اور

ایسے دیگر ممالک کی تواریخ سے بخوبی واقف ہیں۔ جہاں عوام الناس نے دیگر اقوام یا اپنی ہی قوم کے امرا سے آزادی حاصل کی ہے۔ سو وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آزادی جیسی عروس دلربا کے واسطے کتنے دولہا زمین دوز ہوتے ہیں۔ اور کتنے عشاق خاک میں ملکر اُٹھنے کا نام بھی نہیں لیتے۔ جب کہیں اِن کی قوم کو یہ گُل رعنا ہاتھ لگتا ہے +

مگر جب ایسے ایسے تعلیم یافتہ لوگ اِس طرح بھاگنے لگے۔ تو ہمیں غریب پرنٹر و پبلشر سندھیا سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔ کہ اُس نے قومی حُریّت کے جنگ میں بہادری و دلیری کی صف سے ہٹ کر پشت بزدلی دکھائی۔ ہاں اتنا افسوس ضرور ہے۔ کہ ساردا نے جو اُپادھیا مرحوم کا چیلا تھا۔ اپنے مرحوم فنا فی القوم گرو کی روح کو اس شرمناک حرکت سے صدمہ پہنچایا +

سری یت بپن چندر پال نے جو اپیل ہائی کورٹ میں کیا۔ وہ بھی ذلت سے خالی نہیں۔ گو اکثر مداحان سری یت کہیں گے۔ کہ صاحب ممدوح نے ایسے مقدمات میں گواہی دینے سے انکار کیا۔ جس سے اِن کے نزدیک امن و امان عوام میں خلل پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ مگر خود اپیل کرنے میں کیا حرج تھا۔ ہماری رائے یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ انگریزی عدالتوں میں مطلق انصاف نہیں ہوتا۔ ہاں ہم یہ ضرور مانتے ہیں۔ کہ چونکہ جج ان عدالت انسان ہیں۔ اور انسان غلطی کرسکتا ہے۔ اِن کی عدالتیں معاذ اللہ خدا کی عدالت نہیں ہیں۔ پس غلطی کا امکان ضرور ہے۔ مگر جب بابو صاحب موصوف راستی کی پیروی میں "برداشت تکالیف بے چون و چرا" کے قایل ہی نہیں۔ بلکہ زبردست حامی تھے۔ اور جیسا کہ ہر راستی پسند اور قوم پرست انسان کو ہونا بھی چاہیئے۔ پھر اُنہوں نے اپنے "ذاتی" معاملہ میں کیوں کمزوری ظاہر کی۔ شاید بابو صاحب کو یہ امید ہوگی

کہ جناب ہائی کورٹ کچھ رعایت کر دیں۔ گو اس رعایت کی طلب بھی کچھ بیجا نہ تھی۔ مگر جن خیالات کے وہ قایل ہیں۔ انہیں کمزور ضرور ثابت کرتی ہے۔

ہم اس موقعہ پر معزز ایڈیٹر و نوجوان پروپرائیٹر "پنجابی" کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ انہوں نے کتنی زبردست اخلاقی جرأت دکھلائی۔ جس امر کو وہ راست سمجھ کر اخبار میں لکھ چکے اور شایع کر چکے تھے۔ اس کے واسطے ہرگز معافی کے طالب نہ ہوئے۔ جو کچھ سزا اُن کو اُن کی راستی کی "قانون کے سخت پنجہ میں لا کر دی گئی۔ اس کو انہوں نے صبر و شکر سے برداشت کیا +

دور نہ جائیے۔ سب سے نزدیک اور سب سے بڑی مثال ہمارے گھر میں سردار اجیت سنگھ شو ہمارا لالہ لاجپت رائے کی ہے۔ جو قومی شجاعت کے اوتار ہیں۔ جن کو قومی شجاعت کا پتلا اور قومی خدمت کی تصویر کہنا مبالغہ نہیں۔ کس طرح سے دل و جان سے دامے درمے سخنے قوم و ملک کی خدمت کرتے رہے اور کریں گے +

مگر جس وقت اِن کو یکایک وطن سے اس طرح سے علیحدہ کر دیا گیا۔ جس طرح روح تن سے اور بو چمن سے علیحدہ ہوتی ہے۔ اور ایک غیر ملک میں بے یار و مددگار اس طرح سے قفس میں قید کیا۔ کہ بلبل بھی اِن شیدایان ملک و فدایان قوم کے ہجر کو دیکھ اپنا دکھڑا بھول۔ گل کے خیال کو دل سے دور کر زار و قطار رونے لگی۔ اور در و دیوار ہندوستان کے اِن کے ہجر میں ماتم کدے بن گئے۔ شوقینوں نے پان نوشی سے اجتناب کیا۔ عطر ملنا چھوڑ دیا صورت محبوبان حیران و پریشان رہنے لگے۔ اجباب کے دل و دماغ پر وہ گزری۔ کہ بس ناگفتہ بہ۔ اور اِن دونوں اسیران قفس کے دل پر کیا گزری۔ اِس کا اندازہ راقم کے امکان سے باہر ہے۔ پیارے وطن سے جدائی۔

... ن احباب سے جدائی - بھائی برادر - ماں باپ سے جدائی - بیوی بچوں سے ... ئی - غرض جدائی ہی جدائی کی بھیانک شکل ہر چہار طرف سے نظر آتی ہوگ ... س پر طرہ یہ ہوا - کہ خطوط تک نہ پہنچے - عزیزوں اور مربیوں کی خیریت ایک ... نہ ہوئی - اخباروں کا پڑھنا گناہ عظیم سمجھا گیا - (اچھا ہوا ورنہ زخم دل پر ... چھڑکا ہوتا) +

... اللہ رے قومی شجاعت اور اللہ رے مادۂ تسلیم و تفویض ... قوم نے چوں تک نہ کی - اور اپنی تکالیف و مصیبت قید کی ... جدائی کے صدموں کو ملک اور قوم کی خاطر اس طرح برداشت ... انصاف کی مجسم مورت نے مہر خاموشی توڑی اور رحم سے بھرا ہوا فرمان ... رپار گونجا - اور امن کی سہانی شبنم خزاں رسیدہ باغ ہند میں ایک ... دہ دلوں کو تازہ روح دینے کے لئے پیام نشاط لائی +

... ار دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہا پڑا - حکام انگریزی ... انڈیا حضور لفٹنٹ گورنر بہادر و ویسرائے کو اور حتےٰ کہ اس ... علم کو بھی ان کی معصومیت کا علم الیقین ہو گیا - جس نے اپنی سالگرہ کی خوشی میں ان جلاوطنوں کو اپنی چشم الطاف کے اشارہ سے پیارے وطن میں واپس بھیجا - کیا یہ ان کی قومی شجاعت کا نتیجہ نہیں کیا - یہ ان کی بے چون چرا تکالیف برداشت کرنے کا نتیجہ نہیں - کہ انگلستان میں یہاں سے ہزارہا میل دور اد شاہ معظم قیصر ہند کا نیک دل ہل گیا - اور اس میں سے رحم اور انصاف ... ازیں سمندر کو طے کر کے ایک چشم زدن میں اس تاریک ترین ہند تک ... یں - اور ایک سرے سے دوسرے تک ملک اور قوم کے دل کو فرحاں و شاداں کر گئیں - مہجورین کی واپسی پر گھر گھر شادیانے بجے - اور چراغ

جلیے۔ کیا اِن شجاعانِ قوم کو اِن کی برداشت اور تسلیم نے ملکسو قوم کا پیارا اور بزرگ نہیں بنا دیا۔ کیا اِن شجاعوں کی تکالیف نے غیروں کی بے درد آنکھوں سے آنسو نہیں بہا دیئے۔ کیا یہ بندہ اور خدا کے نزدیک امتحان میں پورے نہ اُترے؟ ضرور اُترے اور ایسے اُترے کہ مثال بن گئے +

کیا اِن قومی شجاعوں کے نام نامی قوم کے ہر فردِ بشر غریب۔ امیر۔ مرد عورت۔ پیر و جوان کے دل پر نقش کالحجر نہیں ہو گئے۔ کیا یہ نام ہندوستان کی حُریت کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں نہیں لکھے جائیں گے۔ اور ابد الآباد تک اِس طرح سے نہیں چمکیں گے۔ کہ دشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ اور دوستوں کو نور موفور کا لطف حاصل ہو؟ چمکیں گے اور ضرور چمکیں گے +

جو لوگ خود غرضی اور نفس پرستی سے کام لیتے ہیں۔ وہ کہیں کے نہیں رہتے۔ اور قوم اِن کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے +

دوسری تازہ مثال اُن شریف ہندو مظلوم وکلا و دیگر شرفا و بیرسٹران کی ہمارے روبرو موجود ہے۔ جنھوں نے نہایت ثابت قدمی اور متانت سے جملہ تکالیف کو برداشت کیا۔ اور استغاثہ کے لغو اتہامات کے رد کرنے کے واسطے زبان تک نہ کھولی +

سارے ہندوستان کی دعائیں اِن مظلوموں کے ساتھ تھیں۔ اور خدا کا فضل شامل حال تھا۔ عدالت انگریزی سے یہ سب شرفا سُرخ رو ہوئے اور وہ لوگ روسیاہ ہوئے۔ جنھوں نے اِن کو شکار افترا و بہتان بنایا تھا۔ جنھوں نے اُن وکیلوں تک کا قفس بہ تنگ کر دیا تھا۔ جو اِن معززین کے مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔ اُن ہی کو لائق جج مسٹر مارینڈو نے یہ کمکہ پیچا دکھایا۔ کہ جو گواہ اُنھوں نے پیش کئے۔ وہ جھوٹے تھے اور اِن کی

شہادتیں بالکل بناوٹی تھیں۔ کیا اِن سچے محبانِ وطن اور مظلوم شریفوں کی ٹھنڈی آہوں کا دھوُاں عرش تک نہیں چھا گیا۔ اور کیا اِن کے اُس سچے گریہ و بکا نے جس خاموشی میں گویائی سے زیادہ لطف تھا تخت کرسی کو نہیں ہلا دیا۔ کہ غیر قوم جج اِس امر پہ مجبور ہو گیا۔ کہ انصاف کرے۔ اور اِن شجاعوں کی مردانگی کی داد دے۔ کیا اِن کی بہادری سے قوم اور ملک میں ایک تازہ روح نہیں پھنک گئی۔ اور کیا قوم ہندیان دو چار درجے بلند نہیں ہو گئی؟ ضرور ہو گئی +

اور ایسی مثالیں آج کل بنگال ہی میں کمیاب نہیں۔ جہاں تعلیم اور پولٹیکل اخلاق کی اِس قدر ترقی ہے۔ کہ مولوی لیاقت حسین صاحب جیسے مسن آدمی سے لے کر نوجوان بچہ بچہ تک راستی اور راستبازی کا فدائی ہے۔ اپنے ملک کی بہبودی کا خواہاں اور ہندی انشیا کا شیدائی ہے۔ اور اگر کوئی منصف حب قوم اور حب وطن کو گناہ کبیرہ یا صغیرہ سمجھے۔ تو وہ اُس کا کفارہ کرنے کو اور اُس کی سزا بھگتنے کو بلا دریغ بالکل تیار ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اگر قومی شجاعوں کی ایک فہرست بنائی جائے۔ تو بنگال ہی کے فدایان قوم کی تعداد زیادہ رہے گی۔ پھر اگر بدنام کنندگان نکونامے چند اُس ہی ملک میں ہو بھی گئے تو کون سی جائے مایوسی ہے +

انگلش مین اخبار نے مسٹر بنیرجی کی کمزوری پر شادیانے بجائے۔ اور اخبار کیپٹیل مسٹر بنیرجی کو رائے دیتا ہے۔ کہ علی پور کے عظیم الشان مکان میں پانچ منٹ کے واسطے بھی سرکاری مہمان ہونے سے یہ قومی لعن طعن بہتر ہے۔ اور بزدل کہلانا بہت اچھا ہے۔ خیر اِس کا جواب تو مسٹر بنیرجی خود ہی دل ہی دل میں دے رہے ہونگے۔ کیونکہ ہمارا خیال ہے۔ کہ مسٹر بنیرجی نے

واقعی خاندان کی صعوبتوں کا خیال کر کے ایسا کیا ہوگا۔ ورنہ اِن کا ضمیر خود اِن کے چٹکیاں لے رہا ہوگا۔ کیا پروا ہے ؎

رسم جفا کامیاب دیکھئے کب تک رہے
حُبِّ وطن مستِ خواب دیکھئے کب تک رہے

جس جس قوم نے تحریک حُریت میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ہمیشہ خود انکاری۔ خودداری۔ خود ایثاری۔ جانفشانی و قربانی سے کی ہے شکر ہے کہ ہند اور ہند والوں میں بھی ابتدا اِن صفاتِ حمیدہ کی ہو چلی ہے۔ مگر چونکہ پہلی ہی منزل ہے مشکلیں حائل ہیں اور خوفناک منظر پیش نظر۔ مگر اِن کو دیکھ کر مایوس ہونا شجاعان قوم کا کام نہیں۔ تاہم ہر ملک کی تواریخ صاف صاف بتا رہی ہیں۔ کہ جس قوم نے آزادی اور خودمختاری کی کوشش کی ہے۔ اُسے ایسی تکالیف کا مقابلہ ضرور کرنا پڑا ہے۔ جو کم ہمت تکلیف سے جی چراتا ہے۔ اُسے کہدو۔ کہ انقلاب کے چکر میں نہ آئے۔ ورنہ کچلا جائیگا۔ اور اس کی ہستی ناحق مٹ جائے گی +

ہاں محبانِ قوم اُٹھو۔ جاگو۔ انگریزی تعلیم کا آفتاب سر پہ ہے۔ بڑھے چلو جتنی منزل طے ہو لے غنیمت ہے ؎

کھیتوں کو پانی دے اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانوں اُٹھتی جوانیاں ہیں

ہرگوبند نگم

ایام جلاوطنی میں جو کتاب لالہ لاجپت رائے نے تصنیف کی ہے۔ وہ آزاد میں اشاعت کے لئے عنایت کی ہے۔ کانگریس نمبر میں شائع ہوگی جسکا مفصل حال کہیں اور درج ہے +

بڑھے چلو

میں شاید کبھی برسوں میں کوئی نظم لکھتا ہوں گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں شاعر کہلانیکا مستحق نہیں۔ میرے کلام میں شاعرانہ نازک خیالیاں کہاں۔ شاعر نہیں۔ مگر چونکہ میرا عقیدہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص ازل سے شاعر پیدا کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کچھ شعر نکل جاتے ہیں۔ یہ اشعار کالیستھنیک مینز ایسوسی ایشن لاہور کی بر موقعہ یوم ڈیتہ نذر کئے تھے۔ ناچیز نذرانہ ناظرین آزاد سے چھپانا نہیں چاہتا۔ اس لئے حاضر کرتا ہوں۔

اے قوم اُٹھ ترقی کے میدان میں آئیں ہم
علم و عمل کا ملک پہ سکہ بٹھائیں ہم
ہمدردیوں کا راگ سبھی ملکے گائیں ہم
اور اس طرح عروج کا جھنڈا اُٹھائیں ہم
ہو جس پہ روشنی سے لکھا ہاں بڑھے چلو

بگڑی ہوئی ہے قوم کی حالت سنواریئے
کچھ کیجئے عمل بھی جو دل میں بچاریئے
منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریئے
سر شمع ساں کٹایئے اور دم نہ ماریئے
آئے تو بس یہ آئے صدا ہاں بڑھے چلو

بس ہو چکیں اب آپ کی غفلت شعاریاں
اب تو اُتاریئے ذرا مے کی خماریاں
بیحد ہوئی زمانہ میں ہیں اپنی خواریاں
آ ملکے اب سبھی کریں ہم غم گساریاں
ملکر ہو سب کی یہ ہی صدا ہاں بڑھے چلو

کھٹکا نہ دل میں آنے دیں بغض و نفاق کا
حب وطن مذاق ہو اہل مذاق کا
باقی نہ نام تک رہے تم میں نفاق کا
بجتا ہو ڈنکا قوم میں بس اتفاق کا

اور اس سے آرہی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

اللہ کی شان اپنا گریبان پھاڑ کے
ہنستے ہیں آپ قوم کو اپنی بگاڑ کے

خوش ہوتے ہیں یہ پھولوں کا تختہ اُجاڑ کر
اب تو بڑھو نفاق کے دامن کو جھاڑ کے

قوموں کی آرہی ہے صدا ہاں بڑھے چلو

جو قومیں تم سے پیچھے تھیں وہ آگے بڑھ گئیں
سیکھا سبق تمہیں سو تمہیں مات کر گئیں

اُٹھ قوم ہے تجھے بھی خبر وہ کدھر گئیں
دیتے پتہ ہیں نقش قدم وہ جدھر گئیں

کوسوں سے گونجتی ہے صدا ہاں بڑھے چلو

ہو جائیں حاسدوں کے حوالے تو غم نہیں
پڑ جائیں جان کے بھی جو لالے تو غم نہیں

چل جائیں دل کے بھی جو بھالے تو غم نہیں
کانٹوں میں اُلجھیں پاؤں کے چھالے تو غم نہیں

لب پر مگر وہی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

مل جل کے اتفاق سے کچھ کر دکھائیں گے
ناکامیوں کا خوف دلوں سے بھلائیں گے

آگے قدم بڑھا کے نہ پیچھے ہٹائیں گے
ہم جو کہیں گے آپ سے وہ کر دکھائیں گے

لیکن یہ آپ کی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

کوشش کئے نہ جاؤ گے جبتک کہ پے بہ پے
ممکن نہیں کہ بھاگ ہوں اس قوم کے اُدے

مرغوب جو دلوں کو ہے لیں ہی کی لے
سب بھائی مل کے کہدیں سودیشی کی جے ہے

اور اس کیساتھ وہ ہی صدا ہاں بڑھے چلو

علم و عمل کا اپنے کرشمہ دکھائیے
قومی ترقیوں کا جو بیڑا اُٹھائیے

اسباب کامیابی کے قبضے میں لائیے
جرمن فرانس لندن و یورپ کو جائیے

سب نے یہی سبق ہے دیا ہاں بڑھے چلو

قومی ترقیوں کا ہے دھیان صبح شام
حاصل کریں فروغ تجارت سے ہم مدام

ناکامیوں پہ کر دیں نہ ہمت کا اختتام
کرنے پہ آئیں کام تو پورا ہو کیوں نہ کام

جھجکو نہ دل میں اپنے ذرا ہاں بڑھے چلو

بہنیں ہماری علم و ہنر سے عروج پائیں — ماتھے پہ ٹیکا بھائیوں کی فتح کا لگائیں
مل جل کے بھائی دوج کا جشن اور خوشی منائیں — خوش ہو کے سب ترقی قومی کا راگ گائیں

گانے میں بس وہی ہو صدا ہاں بڑھے چلو

آزاد میں نہیں ترے غم کا اسیر ہوں — ناچیز ہوں غلام ہوں از بس حقیر ہوں
حاتم نہیں غنی میں نہیں نہ امیر ہوں — اے قوم سن لے میری صدا میں فقیر ہوں

میری تو بس یہی ہے صدا ہاں بڑھے چلو

آزاد

رباعیات تہنیت تشریف آوری جناب لالہ لاجپت رائے صاحب

از منشی پتمبر پرشاد صاحب اختر

صد شکر کہ لاجپت وطن میں آیا — وہ بلبل خوش لہجہ چمن میں آیا
ہمشکل شمع انجمن میں آیا — ہم صورت جان ملک کے تن میں آیا

ولہ

تکلیف اٹھا کر وہ جوانمرد آیا — جو ہمت و مردمی میں ہے فرد آیا
اے ملک مبارک ہو بہی خواہ تیرا — اے قوم تیرا حامی و ہمدرد آیا

ولہ

صد شکر کہ وہ قید محن سے چھوٹا — غربت سے غم ہجر وطن سے چھوٹا
الزام سے تہمت سے بعون صابری — خورشید کی مانند گہن سے چھوٹا

اختر

صدائے قومی

از سید محمد فاروق صاحب

ہو مبارک جن کو ہے زورِ جوانی پر گھمنڈ — ناتواں ہم ہیں ہمیں ہے ناتوانی پر گھمنڈ
آج ہم ہیں گو گئے گذرے مگر اک دن وہ تھا — شکلِ اسکندر ہمیں تھا حکمرانی پر گھمنڈ
ڈنکے بجتے تھے ہمارے نام کے چار و طرف — تھا ہمیں بھی ایک دن صاحبقرانی پر گھمنڈ
ناز کرتے تھے ہماری ذات پر کون و مکاں — بوستاں کو تھا بہارِ بوستانی پر گھمنڈ
دور دورہ تھا ہمارا بھی کبھی زیرِ فلک — چرخِ تک کو تھا ہماری پاسبانی پر گھمنڈ
گلشنِ اقبال اپنا بھی کبھی سرسبز تھا — خلد کی صورت اسے تھا بے خزانی پر گھمنڈ
ہم بھی تھے باغِ جہاں میں ایک دن نغمہ سرا — آج ہے بلبل کو اپنی خوش بیانی پر گھمنڈ
پھول جھڑتے تھے ہمارے منہ سے جب کرتے تھے بات — صورتِ گلشن ہمیں تھا گلفشانی پر گھمنڈ
کیا کہیں اپنی بہار کل تھی کیا میں آج کیا — اب کریں کس منہ سے اس کی شادمانی پر گھمنڈ
تھے ہمیں تو شاہدِ گلشنِ علم و ہنر — شکلِ رضواں تھا ہمیں اس باغبانی پر گھمنڈ
فلسفی ہم تھے مہندس بھی تھے ہیئت داں بھی تھے — تھا ہمیں علمِ رموزِ آسمانی پر گھمنڈ
ہم تھے شاعر تھا ہمیں شعروں پہ اپنے ناز بھی — جس طرح بلبل کو اپنی شعر خوانی پر گھمنڈ
رستم و سہراب ڈرتے تھے ہمارے نام سے — پہلواں ہم تھے ہمیں تھا پہلوانی پر گھمنڈ
گردشِ دوراں کے چکر میں ہم آخر آ گئے — تھا عبث ہم کو فلک کی مہربانی پر گھمنڈ
ہر کمالے را زوالے ہم بھی سنتے تھے مگر — تھا ہمیں ان روز اپنی کامرانی پر گھمنڈ
ہے مثل سچ جو کوئی ہنستا ہے وہ روتا بھی ہے — غم میں ہیں ہم آج کل تھا شادمانی پر گھمنڈ
واقعی سچ ہے کہ دنیا ہیچ کا سر رشتہ ہے — عبث کیا ہے فانی ہیں [illegible] پر گھمنڈ

ایک دن وہ تھے کہ ہم تھے قوم کے گھر کے چراغ
شعلہ آسا آج ہے سوزِ نہانی پر گھمنڈ

داغ ہائے دل سے سینہ بنگیا رشکِ چمن
اب ہمیں ہے اس بہارِ بوستانی پر گھمنڈ

صورتِ برگِ خزاں بدہ ہوئے ہیں زرد ہم
تھا ہمیں اک وہ زنگ ارغوانی پر گھمنڈ

آج ہم پیتے ہیں اپنا خونِ دل خونِ جگر
تھا کبھی شربِ شرابِ ارغوانی پر گھمنڈ

سرد مہری سے فلک کے ہو گئی ہے طبع سرد
اب ہے کس کمبخت کو آتش بیانی پر گھمنڈ

موجیں لیتا تھا کبھی دریا ہماری طبع کا
اب ہمارے آنسوؤں کو ہے روانی پر گھمنڈ

ہم کو بسمل کر دیا شمشیر جورِ چرخ نے
اس جفا جو کو ہے کیا ظلم نہانی پر گھمنڈ

صفحۂ ہستی سے ہم حرفِ غلط ہو کر مٹے
ہم کو تھا تائیدِ دورِ آسمانی پر گھمنڈ

ہائے! ہو وہ گلستاں اس طرح سے صرفِ خزاں
جس کو تھا اپنی بہارِ بے خزانی پر گھمنڈ

سید محمد فاروق

کنج تنہائی

سرِ کوہ کٹیا بنائیں ہم کہ نہ کوئی بستی قریب ہو
رہیں اس میں جا کے نسیم ہم یہ نشیمن اپنی نصیب ہو

نہ مفید ہو کے ہوں مختصے نہیں جس کے دیکھو نسلے
نہ کریں کسی سے مباحثے نہ مقابلہ میں رقیب ہو

نہ ہو مال و زر کی ہمیں حرص م نقد پاس ہو اور بس
نہ دوکان ہو نہ حساب ہو نہ کتاب ہو نہ قریب ہو

نہ ستایش اپنا شعار ہو نہ کریں کسی کی شکایتیں
نظر آئے ہر بشر ایک سا وہ رذیل ہو کہ نجیب ہو

نہ غرض ہو وید و پران سے نہ گرنتھ اور نہ قرآن سے
کریں یاد گوتم بدھ کی ہم وہی ہم ہم اپنا ادیب ہو

کریں ورد اُس کی کلام کو کہ رموز و ہر حال منکشف
جو ستاوے درد و الم کبھی تو بغل میں اپنی طبیب ہو

ہے محرمت ہیں وہ م بدم بت گوتم اپنے ہو سامنے
کریں سجدہ اُسکے حضور میں وہی پیارا اور حبیب ہو

ہندوستانی صنعت وحرفت کو زندہ کرنیکی تدبیر

از حکیم برھم

جن لوگوں نے ملکی صنعت و حرفت اور اس کی موجودہ صورت تنزل پر غور کیا ہوگا۔ وہ تسلیم کریں گے کسی زمانہ میں یہاں کی دستکاری۔ اور ہنرمندی کو بہت بڑا فروغ حاصل تھا۔ مگر اس وقت سابقہ شہرت و عروج کی جگہ زوال اور پستی موجود ہے۔ پہلے اس ملک میں حیرت انگیز نادرات فن کا مجموعہ موجود تھا۔ جیسے اب مغربی تہذیب اور وضع کی کورانہ تقلید نے بربادی کی نوبت کو پہنچا دیا ہے۔ بلکہ یہ حالت ہوگئی ہے۔ کہ خیالات۔ روایات اور عقاید تک معدوم ہو رہے ہیں۔ عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سوتی۔ ریشمی اور شال کے تھان یہاں تیار ہوتے تھے۔ جو شاہوں اور بیگمات کے زیب جسم ہوتے تھے۔ چھپے ہوئے کپڑے۔ قالین۔ دریاں اور روزانہ ضرورت کی لاکھوں چیزیں یہاں بنتی تھیں۔ گوٹہ۔ کناری۔ ظروف نقری و طلائی زردوزی۔ دھات اور لکڑی کی ضروری و نمائشی چیزیں۔ ہاتھی دانت اور پتھر کی چیزیں۔ باریک ململ۔ ریشمی کپڑے۔ حاشیہ دار شال اور لاثانی کمخواب۔ یہ اور ہزاروں طرح کی چیزیں یہیں کے بازار سے بہم پہنچتی تھیں۔ اور بلاد مغرب کی ضرورتیں بھی یہیں سے پوری ہوتی تھیں۔ مگر اب کسی جانب سے ہندوستانی کاریگری کو حوصلہ نہیں دلایا جاتا۔ تاکہ صنعتی کام زندہ کئے جائیں۔ نہ کم سرمایہ داروں کو مدد دینے کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔ بڑی وجہ یہ ہوئی۔ کہ موجودہ مشین کے مقابلے میں ایشیائی نزاکت و نفاست سے شوق باقی نہیں رہا۔

گذشتہ اور موجودہ زمانہ کی ضروریات زندگی کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم نے اپنا طرز زیست بالکل بدل دیا ہے۔ دیسی طریق پر دستی ساخت کے عوض دخانی کلوں کی مصنوعات کی بہت زیادہ ترقی ہو گئی ہے۔ اس لئے یوروپین اشیا کی بکثرت درآمد اور کسی قدر اُن کی ارزانی۔ نیز محاصل درآمد و برآمد کا بین تفاوت اس بات میں بہت زیادہ مددگار ہوا کہ قدیم دستکاری مٹ گئی۔ اب بھی نمونہ کی بعض چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ مگر دیسیوں کے خیال کو اُدھر کوئی کشش و توجہ نہیں ہے۔ کلوں کے آگے ہاتھ سے کپڑا بننے کی صنعت قریباً نابود ہو گئی۔ جولا ہے۔ مزدوری۔ کاشتکاری یا ملازمت کر کے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اگر صنعتوں کو پھر سے قائم کرنا مقصود ہے۔ تو رؤسا۔ امرا اور تعلیم یافتہ اصحاب کو اُس کی سرپرستی کرنی چاہئے۔ جب تک برسات کے شوخ رنگ قالین۔ ٹائیٹم کلا آرائشی سامان۔ اٹلی کی ارزان پچیکاری۔ فرانس کی تصویریں۔ اسٹریا کی چمکیلی چیزیں۔ جرمن۔ لنکا شائر اور گلاسگو کے سستے کپڑے اور نقلی اطلس و کمخواب کا استعمال مطبوع خاطر رہیگا۔ دیسی صنعت ترقی نہیں کر سکتی۔ یہ ترقی اُس وقت ہو گی۔ کہ جب ملکی کارخانے باشندگان ملک کے حسب پسند اور ضرورت کی چیزیں تیار کریں گے۔ نیز رؤسا اور امرا سے لے کر ادنےٰ درجہ کے لوگوں میں بھی یہ کارروائی جاری ہو جائے۔ تو زمانہ کے شوق اور مذاق میں خود بخود تبدیلی اور عمدگی پیدا ہو جائے گی +

ملک میں صنعتی خیال ہنوز بالکل مٹ نہیں گیا ہے۔ حوصلہ دلانے کی ضرورت ہے۔ کاریگر خود بخود پیدا ہو جاویں گے۔ صوبجات۔ اضلاع۔ قصبات اور مواضع میں اب بھی دستکاریاں موجود ہیں۔ اور اگر کوشش

کی جائے - تو تھوڑی اصلاح سے خواہش کے مطابق چیزیں بہم پہنچ سکتی ہیں البتہ کاریگروں سے ہمدردی کا خیال پیدا ہونے کی ضرورت ہے - نمونہ آگے رکھ کر یوروپین وضع کی چیزیں بھی دیسی کاریگروں سے تیار کرائی جا سکتی ہیں +

کسی پیمانہ پر ترقی صنعت و حرفت سے تعلق کارروائی کرنے میں اس کی ضرورت ہے - کہ ہر ایک قسم کی دستکاری کی بابت پہلے یادداشتیں مرتب کی جائیں - اور اس کا کسی پولیٹکل یا تمدنی مسئلہ سے واسطہ نہ ہو - اس میں بغیر تفریق مذہب و ملت - ہندو مسلمان، عیسائی اور پارسی سب کو مشترکہ کوشش کرنی چاہیئے - نہ تو اس بارہ میں ہر طرف مایوسی ہی مایوسی ہے - نہ قطعی حوصلہ مندی ہی ہے - بلکہ موجودہ صورت ایک درمیانی حالت ہے - اور یہ اہل ملک کا کام ہے - کہ اسے یکسوئی کے ساتھ طے کریں +

گذشتہ صدیوں میں ہندوستانی مال کی قدر و وقعت یورپ و ایشیا کے بازاروں میں تھی - عرب - پرتگیز - انگریز - فرانسیسی اور اہل ہالینڈ جہازوں کے ذریعے سے ہندوستان کا اسباب دوسرے ملکوں میں لے جاتے تھے اُن دنوں ہندوستانی صنعت کے زوال کا خیال بھی نہ ہو سکتا تھا - بلکہ غیر ملک کے تاجروں کا اس میں فائدہ تھا - کہ یہاں کی دستکاری کو اور فروغ ہو - اس لئے کہ جس نسبت سے اشیاء برامد میں اضافہ ہوتا تھا - اسی قدر اُنہیں نفع حاصل ہوتا تھا +

لیکن اٹھارھویں صدی میں انگریزوں کو یہاں پورے طور پر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا - تو اصول "ازرو تجارت" کے اعتبار سے یوروپین ممالک کی ساختہ اشیاء کی کھپت کے لئے دروازے کھل گئے - چونکہ انگریز

خود تاجر اور دستکار قوم ستے تھے۔ اِس لئے پہلی مصیبت یہ نازل ہوئی۔ کہ ملکی صنعت بجائے حوصلہ افزائی کے روز بروز دبی چلی گئی۔ اور ہندوستان صرف خام اشیار روانہ کرنے کی منڈی رہ گیا۔ اور وہاں سے جب اُس خام چیز کا سامان تیار ہوکر آیا۔ تو کئی گونہ زیادہ قیمت پر ہم ہی اُس کے خریدار بنے اور حالت یہ ہوگئی۔ کہ یکسان اور مساوی مقابلے میں ہندوستان یوروپین ممالک سے آگے بڑھنے کا کیا ذکر ہے۔ اپنے درجے کو بھی قایم نہ رکھ سکتا تھا +

ہمارے لئے یہ امر قابل مسرت نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کی تجارت برآمد میں بہت بڑی تعداد خام اشیار کی ہوتی ہے۔ اِس کو بھی یقین نہ کرنا چاہیئے۔ کہ ہندوستان کی اقبالمندی صرف زراعت یا صرف تجارت و صنعت سے ہوسکتی ہے۔ بلکہ دونوں میں بقدر گنجایش کافی حد تک ترقی ہونے کی ضرورت ہے۔ انگلستان کو دیکھیئے۔ کہ اس نے زراعت میں سرگرمی نہیں ظاہر کی۔ جس کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اپنی خوراک کے لئے دوسرے ملکوں کا دستنگر ہے۔ اور ہندوستان کی یہ حالت ہے۔ کہ روزانہ ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے غیر ملک کا محتاج ہے۔ اب یہ ہر باشندہ ملک کا فرض ہے۔ کہ اِس ناگوار حالت سے ملک کو بچانے میں سعی کرے۔ یہ اِس طرح ممکن ہوگا۔ کہ زراعت پیشہ آبادی کو ہل بیل اور بیج وغیرہ ملنے کی سہولت کے لئے کثرت سے جابجا زراعتی بنک قایم کئے جاویں۔ اور اہل حرفہ کے لئے مشترکہ سرمایہ کی امدادی کمپنیاں کھولی جائیں +

اِس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ ہم انگلستان۔ امریکہ۔ جاپان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہاں ایسے سرمائے کم جمع ہوسکتے ہیں۔ جن سے

یا مستقل بڑے بڑے کاموں کا آغاز ہو سکے - یہ یہاں کے دولتمند اور ملکوں کے دولتمندوں سے مقابل کوئی حیثیت رکھتے ہیں - یہاں جس کے پاس چالیس پچاس ہزار ہوں دولتمند سمجھا جاتا ہے - اور یورپین ممالک میں یہ ایک حقیر رقم متصور ہوتی ہے - اس وقت ایسی کارروائیوں میں کئی طرح کی مشکلات ہیں - اول تو ہم بہت ہی پیچھے رہ گئے - اور از سر نو صنعت و حرفت کو بحال اور تازہ کرنا ہے - دوسرے زمانہ حال کی تعلیم صنعت و حرفت سے بے بہرہ ہیں - تیسرے کافی سرمایہ ہمارے پاس نہیں ہے - جس کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا +

ان دقتوں کے بیان کرنے سے یہ غرض نہیں ہے - کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے - بلکہ مقابلہ اور مردانہ وار کوششوں سے انہیں مغلوب کرنے کی ضرورت ہے - اس ملک کی کفایت کا ریگروں کے صبر و قناعت اور ارزاں شرح اجرت پر خیال کرنے کا میابی کا یقین ہوتا ہے - ہمیشہ اس عقیدہ کو نصب العین رکھنا چاہئے - کہ تمام چیزیں اور واقعات بھلائی کے لئے ہیں - روئی کی صنعت پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ ہم نے پارچہ بافی کے دخانی کارخانے جاری کر لئے ہیں - اگرچہ اُن کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو - بمبئی - ناگپور - پونا اور احمد آباد میں روئی اور کپڑے کے کارخانے ہیں - اور سال بسال تعداد اور وسعت میں بڑھتے جاتے ہیں - دستی راچھ بھی ہندوستان سے بالکل معدوم نہیں ہو گئے ہیں - نہ کلیتاً ان کا استیصال ہو جائے گا - زمانہ حال کے دستی راچھ سابقہ راچھوں سے بہت زیادہ کام دیتے ہیں - اور اگر یہ زیادہ وسعت کے ساتھ استعمال کئے گئے - تو زیادہ کام اور معقول فائدے کی اُمید ہے -

ریشمی کپڑے بھی پہلے سے زیادہ بُنے جاتے ہیں۔ کشمیر۔ بلوچستان کے علاقہ مستانگ۔ ریاست میسور اور مشرقی بنگال کے کئی مقامات میں پیداوار ریشم کا تجربہ بہت حوصلہ افزا ثابت ہوا ہے۔ اور ہندوستانی ریشم کی مانگ بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح بلند ہمت انگریزوں نے شمالی ہند اور پنجاب میں اونی کپڑے بننے کے کارخانے کھول رکھے ہیں۔ ہندوستانی باشندوں کے لیے اس میں بڑی گنجائش اور موقع ہے۔ جوٹ اور سن کا کام بنگال میں خوب زوروں پر ہے۔ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ دنوں بعد سن کے کپڑے کا خوب رواج ہوگا۔ تانبے اور پیتل کے ظروف کا خرچ بھی بڑھ رہا ہے۔ اور یقین ہے۔ کہ یورپ کے تمام چینی والے برتن انہیں نابود نہ کرسکیں گے۔ کوئلہ اور لوہا جو زمانہ حال کی صنعت کی روح رواں ہیں۔ مختلف مقامات کی کانوں سے سال بہ سال زیادہ مقدار میں نکل رہے ہیں۔ ہندوستان میں برقی قوت سے اشیا کا تیار کرنا ویسے ہی ممکن ہے۔ جیسا اور ملکوں میں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس وقت تک ہم نے ابتدائی منازل میں بہت کچھ پیش قدمی کی ہے۔ اور یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ سوائے جاپان کے ایشیا کے کسی ملک نے اس قدر ترقی نہیں کی ہے۔ جس قدر ہندوستان نے۔ اور باوجود چند در چند رکاوٹوں کے اس قدر ترقی کا تسکین بخش ہے +

زراعت اور صنعت میں ہم کو ایک ساتھ پہلو بہ پہلو کام کرنا ہوگا۔ تاکہ ایک کا دوسرے پر اثر پڑے۔ اور اس طرح رفتار زمانہ کو خود کے موافق بنانا چاہیئے +

انگلش پبلک اور پریس کو ہندوستانی حالات سے بے خبری نہیں ہے۔

گو وہ ایسی وسیع نہ ہو +

دیسی ریاستیں ہندوستان خاص کا ایک جزو ہیں - اور اس سے علیحدہ نہیں سمجھی جا سکتیں - وہ بھی انگریزی صوبوں سے بہت زیادہ پیچھے نہیں ہیں - کشمیر میں ریشم کا کاروبار خوب عروج پر ہے - بڑودہ کے حکمران نہایت قابل اور فرزانہ شخص ہیں - اپنی رعایا میں ترقی صنعت و حرفت دینے پر بیحد متوجہ ہیں +

آپ نے اپنے حدود میں تعلیم کی فیس بالکل معاف کر دی ہے - اس کی تقلید ریاست گوالیار نے بھی کی ہے - ریاست میسور ہر بات میں سلف گورنمنٹ کا نمونہ ہو رہی ہے +

بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے - کہ ہر جانب بیداری اور اپنی حالت کے احساس کی علامتیں ظاہر ہو رہی ہیں - لیکن اس کے لئے مستقل مزاج - بلند حوصلہ - اور اعتدال پسند سرغناؤں کی ضرورت ہے - جو دراصل کام کے آدمی ہوں - صرف باتیں بنانا نہ جانتے ہوں +

حکیم برہم

آزاد کی عمر اب بفضل خدا ایک سال کی ہونے کو ہے اس چھوٹی سی عمر میں جس خوبی سے اس نے اپنی خدمات کو انجام دیا ہے - اس کا اعتراف اہل الرائے احباب اور ہمارے غائبانہ عنایت فرماؤں نے مبارکباد کے خطوط میں کیا ہے جن کے شائع کرنے کے لئے معقول جگہ کی ضرورت ہے یہی باعث ہے کہ باوجود کثیر مالی نقصانات ہمارے حوصلے پست نہیں ہوئے - اور یہی امید ہے جو آیندہ کام کرنے کیلئے ہمیں ہمت دیتی ہے - روپیہ کا نقصان ہم سمجھتے ہیں ایسا ہے - کہ ناظرین چاہیں - تو فوراً دور کر سکتے ہیں +

بڑے بول کا سر نیچا

سرگزشتِ پتنگ

از منشی پیمبر پرشاد اختر

ایک جھاڑی میں کہیں الجھا ہوا تھا اک پتنگ — وہ زبانِ حال سے یوں کہہ رہا تھا برملا
دیدۂ حیرت سے دیکھیں سب مرے حالِ تباہ — گوشِ عبرت سے سنیں میرا یہ از غم ماجرا
ایک شایق نے خریدا تھا مجھے بازار سے — ڈور مجھ میں باندھ کر اور چھوڑ کر سوئے ہوا
ٹھمکیاں آہستگی سے دیں کبھی شوخی سے مجھے — ڈھیل دے دے کر بڑھایا جھول دی کھینچی ذرا
پھر تو میں اڑنے لگا تن تن کے مثلِ شاہباز — پھر تو مجھ میں بھر گئی بس کبر و نخوت کی ہوا
آسمان والوں میں گویا ہو گیا میں بھی شریک — بات کیا تھی ہو گیا سب سے اس قدر اونچا چڑھا
پہنچتا مجھ تک نظر بازوں کا کیا پیکِ نظر — ہو گیا تھا میں تو رفعت میں ستارہ چرخ کا
شادماں تھے اہلِ دنیا دیکھ کر میری اڑان — رشک کرتی تھی میری پرواز پر بادِ صبا
مجھ کو چیونٹی کی برابر خلق آتی تھی نظر — اور میں چشمِ حقارت سے اسے دیکھا کیا
دل میں رہ رہ کر یہی کہتا رہا افسوس سے — کر دیا پابند مجھ کو کس لیے تو نے خدا
میں اگر آزاد ہوتا ڈور کے پھندے سے آج — سیرِ عالم کو دکھاتا اپنے اڑنے کی ذرا
دور ہو جاتا نگاہِ خلق سے مثلِ جناں — آسماں کے پار ہوتا صورتِ فکرِ رسا
بس یہ کہتے کہتے کھچکر ڈور ٹوٹی ناگہاں — اور طمانچوں سے ہوا نے مجھ کو بیدم کر دیا

۵ صفحات پتنگ بازی ۱۲۰۰

پھر بھلا کب پاؤں جم سکتے تھے میرے اوج پر ڈگمگاتا لڑکھڑاتا جھوک کھاتا جا بچا
آپڑا شامت سے اُس جھاڑی میں ہو کر سرنگوں میرا سارا تن بدن کانٹوں میں پھنسکر چھد گیا
ایسا اُلجھا ہوں کہ اب یاں سے نکلنا ہی محال کوئی دم کا میہماں ہوں پیش ہے سارہ فنا
اپنی حد سے پاؤں پھیلائے زیادہ میں نے جب کبر و نخوت کی بدولت دیکھنا نیچا پڑا

یوں ہی سب کی ڈور ہے اختر خدا کے ہاتھ میں
حکم بن پتہ بھی ہل جائے ذرا مقدور کیا

اختر

آزاد کا کانگرس نمبر۔ ماہ دسمبر کا رسالہ آزاد کا کانگرس نمبر خاص اہتمام سے شایع ہوگا۔ خوش قسمتی سے جو مصالحہ اس کے لئے جمع ہؤا ہے وہ اس نمبر کو ایک لاجواب نمبر بنا دیگا ۔

فخر ہندوستان لالہ لاجپت رائے کی غیر حاضری سے آزاد کے قلمی سرپرستوں کی سبھا سونی تھی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ناظرین آزاد اسے محسوس کر رہے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ آزاد کو پھر ان مضامین کو زینت اوراق کرنیکا موقع ملا ہے جن کا اسے ہمیشہ فخر رہا ہے۔ لالہ لاجپت رائے نے ایام غیر حاضری کی تلافی کے لیے اپنی سب سے عزیز چیز یعنی ایام جلاوطنی کی بیش بہا تصنیف بغرض اشاعت عنایت کی ہے جسے ہم آزاد کے لیے سرمایہ ناز سمجھتے ہیں۔ اس نمبر کیلئے علاوہ اس نادر مضمون کے مندرجہ ذیل احباب نے لکھا ہے۔ منشی گنگا پرشاد ورما ایڈیٹر ہندوستانی لیڈر ممالک متحدہ۔ پنڈت [illegible] مرلی دھر گرانڈ اولڈ مین آف پنجاب۔ مسٹر محمد علی بی۔ اے اکسفورڈ سابق علیگڈھ کالج۔ بھائی پرمانند ایم۔ اے مقیم لندن۔ مسٹر ہردیال ایم۔ اے (لندن) مسٹر پنا لعل ایم۔ اے سی۔ ایس۔ لالہ امولک رام کمپلی لوڈینڈی۔ پنڈت [illegible] بی اے بیرسٹر۔ ہر گوبند پرشاد ایم اے۔ ملک الشعرا منشی دوارکا پرشاد افق۔ کانگرس کے متعلق چار دلچسپ تصویریں شامل رسالہ ہونگی۔ جو صاحب شروع سال سے خریدار ہونا چاہیں اور قیمت بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں انہیں یہ نمبر مفت نذر ہوگا۔ ہماری اس قدر کوششوں کے جواب میں بھی اگر آپ کی خاموشی رہی تو خیال فرمایئے کہ کس قدر حوصلہ شکنی ہوگی ۔ منشی بشن سہائے آزاد مالک و ایڈیٹر

محبوب عالم

"از شیخ چلی"

ایک عرصہ ہوا۔ کہ فارس میں ایک منصف مزاج اور عقلمند بادشاہ منصور عالم نام حکمران تھا +

سلطنت ہر قسم کے خوف و خطر سے بے خوف تھی۔ اور رعایا ہر طرح کی ترقی میں مشغول۔ ایسا امن و امان تھا۔ کہ بکری اور شیر ایک گھاٹ پانی پیتے تھے +

یہ سب کچھ تو تھا۔ مگر ایک چیز جو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اس کے پاس نہ تھی۔ یعنی گھر کا چراغ جس سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور ہو نہیں تھا۔ جس کے باعث وہ اکثر غمگین اور رنجیدہ خاطر رہا کرتا تھا۔ دنیا کا کوئی عیش پسند نہیں آتا تھا۔ ایک دن نجومیوں کو دربار میں بلا کر دریافت کیا۔ کہ کس وقت کے جنم کا لڑکا متبنےٰ کیا جائے۔ کہ ایک عظیم الشان بادشاہ ہو نجومیوں نے بہت سوچ بچار کے بعد عرض کی۔ کہ جو لڑکا اتوار کے دن ۱۲ بجے رات کو پیدا ہوگا۔ وہ آپ کا بیٹا بننے اور آپ کے بعد جانشین ہونے کے لائق ہوگا۔ یہ سُن کر بادشاہ نے وزیروں کو حکم دیا۔ کہ فوراً ساری سلطنت میں منادی کی جائے۔ اور جو لڑکا ایسے وقت میں پیدا ہوا ہو۔ میرے پاس لایا جائے۔ مگر خدا کی قدرت سے اس رات اور ایسے وقت سوائے ایک قصاب کے کسی اور کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا۔ اسی کو بادشاہ کے پاس لے گئے جس کو بادشاہ نے قصاب کی اجازت اور مرضی سے اپنا متبنہ بنا لیا۔ اس کا نام

شہزادہ قصاب رکھا +

جب شہزادہ قصاب اس لائق ہؤا۔ کہ حکمرانی کر سکے۔ تو ایک صوبہ کا گورنر بنا کے بھیجدیا۔ وہاں اس نے اس قدر ظلم کیا۔ کہ تمام رعایا چیخ اُٹھی۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ ہر روز اس کی ایک آدھی شکایت بادشاہ تک پہنچنے لگی۔ آخر تنگ آکر وہاں کی رعایا نے شہر اور قصبے خالی کر دیئے۔ اور دوسری سلطنتوں میں جا بسے +

اسی طرح ایک عرصہ گذر گیا۔ اور زمانے نے بدستور سیاہ و سفید ورق اُلٹے کہ ایک دن بادشاہ بیگم نے خبر دی۔ کہ میں مقصود ندر کرنے کو ہوں۔ یہ سُن کر بادشاہ کی باچھیں کھل گئیں۔ جھٹ نجومیوں کو حاضر ہونے کا حکم ہؤا۔ سب نے کورنش بجا لاکر عرض کی۔ کہ حضور کے ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ جو راجوں کا راجہ اور شاہوں کا بادشاہ ہو گا۔ بادشاہ کو یہ سُن کر دگنی خوشی ہوئی۔ اور بلاتامل یہ خوشخبری شہزادہ قصاب کو پہنچائی۔ کہ عنقریب بفضل آلہی تمہارا ایک اور بھائی پیدا ہونے والا ہے۔ جب قاصد شہزادہ قصاب کے پاس پہنچا۔ تو اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ جب وہ بڑا ہو گا۔ تو مجھے جو کہ ایک ادنےٰ ذات کا ہوں کون پوچھے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ اس کا کام تمام کیا جائے۔ یہ سوچ کر اسی وقت ایک رہوار باد رفتار پر سوار ہو۔ آدھی رات کے وقت دارالخلافہ میں داخل ہؤا۔ اور اسی وقت شاہی محل کی طرف روانہ ہؤا۔ اور چونکہ پہرہ دار اس سے واقف تھے۔ کسی نے بھی نہ روکا۔ اندر داخل ہوتے ہی اپنے باپ کے کمرے میں گیا۔ اور خنجر سے اس کا کام تمام کیا ؎

سرِ فتنہ دارد دگر روزگار

ہمین است اور اشب و روزگار

وہاں سے فارغ ہوکر ملکہ کے کمرہ میں آیا۔ مگر اُسے وہاں نہ پایا۔ ملکہ پہلے ہی اس کی آمد سے خبردار ہوکر چند آدمیوں کے ساتھ نکل چکی تھی۔ چلتے چلتے صبح کے وقت ایک جنگل میں پہنچی۔ اور لوگوں کو منت وسماجت سے یہ کہکر واپس کیا۔ کہ اب مجھے مرنے کا کوئی فکر نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی۔ کہ ایک کمینہ قصاب کے ہاتھ سے ماری جاؤں۔ اب اگر میں بھوک۔ پیاس کے صدمہ سے مرجاؤں یا کسی جنگلی جانور کا شکار بنوں تو بہتر ہے۔ لوگ بنا چاری تمام روتے دھوتے اور اس کو جس کے پیٹ میں گوہر نایاب تھا۔ وہاں چھوڑکر واپس ہوئے۔ ملکہ کو اس تنہائی کے عالم میں بہت عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ ایک صوبہ دار شکار کرتا ہؤا اپنی فوج سے جدا ہوکر وہاں پہنچا۔ اس حور طلعت کو پریشان حال دیکھا۔ اور ٹھٹھر کر رہ گیا۔ نزدیک آکر سوال کیا۔ کہ تم حور ہو یا پری۔ جس کے جواب میں ملکہ نے کل خفیفت کہہ سنائی۔ فرشتہ خصال صوبہ دار کو رحم آیا۔ اور ملتجی ہؤا۔ کہ میرے گھر کو اپنا گھر تصور کریں۔ اور میرے پاس چل رہیں۔ میں بھی آپ کا نمک خوار ہوں۔ اس کو ملکہ نے بڑی خوشی سے پسند کیا۔ اور اس کے گھر میں بسیرا اختیار کیا +

اس حالت میں رہتے بہت مدت نہ گذری تھی۔ کہ ملکہ کے ہاں لڑکا پیدا ہؤا۔ جس کی پیشانی سے بزرگی کے نشان عیاں تھے +

بیت

کہ کس ندید چناں ماہ وہزاراں سال ‎ ‎ ‎ ہمے بر اوج سپہر کمال طالع شد
فرشتہ طلعت ونیک اختر وہمایوں فال ‎ ‎ ‎ خجستہ طالع وروشن دل ومبارک پے

جب شاہزادہ اس قابل ہؤا۔ کہ تعلیم پا سکے۔ تو ایک قریب کے مکتب میں بھیجا گیا۔ جہاں تھوڑے ہی دنوں میں وہ سب لڑکوں سے سبقت لےگیا

اور باوجودے کہ کوئی اتالیق جنگی کرتب سکھلانے کو نہ تھا۔ مگر تاہم قدرتاً تیر و تفنگ کے استعمال میں مہارت تامہ پیدا کر لی +

ایک دن حسب معمول مکتب کو جا رہا تھا۔ کہ راستہ میں ایک کاغذ ایک گھر کی دیوار پر چسپاں پایا دیکھا۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ شاہ قصاب نے اس شخص کے لئے جو سب سے اچھا تیر انداز ہو تین انعام مقرر کئے ہیں۔ یہ دیکھ بستہ بغل میں داب دارالسلطنت کا رُخ کیا۔ جہاں بہت سے آدمیوں کو مقابلے کے لیے موجود پایا +

صبح کے وقت موقعہ پر پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ ایک ستون پر چاند ماری کے لئے ایک سیاہ نشان بنا ہؤا ہے۔ رجسٹر میں اپنا نام داخل کرایا۔ اور نشانہ کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ جب سب اپنے کرتب دکھلا چکے۔ اور کسی کا نشانہ مقصود تک نہ پہنچا۔ تو شہزادہ محبوب عالم (ملکہ اسی نام سے پکارتی تھی) اُٹھا اور ایسا نشانہ لگایا۔ کہ تیر ستون کو چیر کر پار ہو گیا۔ تحسین و آفرین کا شور ہر طرف سے بلند ہؤا۔ شاہ قصاب بہت خوش ہؤا۔ اور وزیر کو ساتھ کر کے حکم دیا۔ کہ اسے اصطبل میں لے جاؤ۔ اور جو گھوڑا پسند کرے۔ دلواؤ۔ اور مودی خانہ میں سے خلعت فاخرہ اور اسلحہ خانہ سے عمدہ ترین ہتھیار مرحمت کرو۔ شہزادہ وزیر کے ساتھ اصطبل میں گیا۔ اور اُس گھوڑے کو جس پر بادشاہ اس کا باپ سوار ہؤا کرتا تھا۔ چن لیا۔ اور مودی خانہ سے اس لباس کو جو اس کا باپ پہنا کرتا تھا۔ اور ہتھیاروں میں سے ان ہتھیاروں کو جن کو شاہ مرحوم لگایا کرتا تھا پسند کر کے لے آیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہ قصاب کے سامنے آیا۔ بہت سے لوگ اُسے اس حالت میں دیکھ کر چلائے۔ کہ ہمارا مقتول شدہ بادشاہ زندہ ہو کر آ گیا ہے۔ ادھر تو یہ ہو رہا تھا۔ اُدھر جب رات کے وقت

شاہزادہ نہ آیا۔ تو ملکہ کے حواس اُڑ گئے۔ ہر طرف آدمی دوڑائے گئے۔ اور خود انتظار میں دروازہ پر آ بیٹھی۔ اِدھر شاہ قصاب نے جب لوگوں میں اس قسم کا شور و غل سُنا۔ تو شاہزادہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ مگر شہزادہ نظر بچا کر بچ نکلا۔ اور ایک شبانہ روز میں دوا دوکر کے گاؤں پہنچا۔ اور اپنی والدہ کو دروازہ پر بیٹھا دیکھ کر حیران ہوا۔ اور زیادہ حیرانگی کی یہ وجہ ہوئی۔ کہ وہ شہزادہ کو دیکھکر ہنسی اور روئی۔ شہزادہ نے دریافت کیا۔ کہ ہنسنے اور رونے کا کیا باعث ہے۔ ملکہ نے جواب دیا۔ کہ تمہاری شکل اب ہو بہو تمہارے باپ کی سی ہے۔ جو اس ملک کا بادشاہ تھا۔ اس خیال سے ہنسی تھی۔ اور پھر یہ سوچکر کہ ہم کس مرتبہ سے گر کر کہاں پہنچ گئے ہیں۔ رو پڑی سہ

سخت است پس از جاہ تحکم دیدن

نا بردہ ناز جور مردم بُردن

جب شہزادہ نے یہ بات سُنی۔ اپنی والدہ سے کہا۔ کہ اب جب تک میں اپنے باپ کا بدلہ نہیں لوں گا۔ میرے لئے یہاں کا آب و دانہ اور آرام حرام ہے۔ ملکہ نے سمجھایا۔ کہ اس چھوٹی سی عمر میں بدلہ کا خیال رکھنا فضول ہے۔ مگر شہزادہ نے ایک نہ سُنی۔ اور بھوکا۔ دونوں نے صوبہ دار کی اجازت لی۔ اور اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی سلطنت سے نکل گئے۔ شام کے وقت بھوکے پیاسے اور تھکے ماندے ایک پہاڑ کے دامن میں جا پہنچے ✤

اِدھر اُدھر دیکھا۔ مگر کہیں بھی آبادی کا نام و نشان نہ پایا۔ حیران ہو کر سونے کے لئے زمین پر بیٹھ گئے۔ مگر کیا دیکھتے ہیں۔ کہ قریب ہی ایک مسجد ہے۔ یہ خیال کر کے کہ وہاں کوئی ضرور ہو گا۔ ملکہ اور شہزادہ دونوں وہاں پہنچے۔ اور ایک فقیر کو ایک چارپائی پر لیٹا ہوا پایا۔ شہزادہ نے کہا

اے پیرو مرشد ہم سخت بھوکے ہیں۔ ہمیں کھانے کے لیئے کچھ عنایت ہو۔ فقیر نے ایک ٹکڑا اور کوزہ آپ کی طرف جو ایک آدمی کے لیئے بھی کافی نہیں تھا۔ اشارہ کیا۔ شہزادہ اُسے اُٹھا لایا۔ اور اپنی ماں کو کھانے کے لیئے دیا۔ ملکہ نے کہا۔ کہ بیٹا تم کھاؤ۔ میں اگر مرجاؤں گی۔ تو کوئی بات نہیں ہے۔ اس طرح بہت دیر تک تکرار و مدار ہوتی رہی۔ فقیر نے کہا۔ کہ تم جھگڑتے کیوں ہو۔ دونوں پیٹ بھر کے کھاؤ۔ اور ہمیشہ کھاتے رہو۔ پھر کبھی ختم نہ ہوگا۔ دونوں نے کھانا شروع کیا۔ اور سیر ہو کر کھایا۔ مگر وہ ٹکڑا ویسے کا ویسے ہی رہا۔ لذیذ اور مفرح اس قدر تھا۔ کہ شاہی دسترخوان پر بھی کبھی نصیب نہ ہو۔ اسی طرح پانی بھی ختم نہ ہو سکا۔ صبح کے وقت فقیر نے حال دریافت کیا۔ جس پر شہزادہ نے جواب دیا۔ کہ آپ کو سب کچھ معلوم ہے ہم سے کاہے کو دریافت فرماتے ہو۔ فقیر نے کہا۔ کہ تمہارے لیئے بہتر یہی ہے۔ کہ واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اس سے آگے جانے کی کسی کو بھی طاقت نہیں ہے۔ شہزادہ نے کہا کہ میں اس طرح سے قسم کھا چکا ہوں۔ اب میرا واپس ہونا درست نہیں ہے۔ آپ مہربانی کر کے ہماری مدد کریں۔ فقیر اُٹھا۔ اور جنگل سے دو شاخیں کاٹ لایا۔ اور انہیں دیکر کہا۔ کہ آپ انہیں لے کر اس سمندر میں اُتر پڑیں۔ تمہارے ارد گرد چودہ چودہ گز تک پانی پایاب رہیگا؛

ملکہ اور شہزادہ دونوں شاخیں لیکر سمندر میں اُتر پڑے۔ ایک دم ان میں سے روشن ہو گئی۔ اور سب سمندر کے جانور نظر آنے لگے۔ جب وسط سمندر میں پہنچے۔ شہزادہ نے کچھ گول گول چیز سرخ رنگ کی بہتی ہوئی دیکھی۔ ملکہ سے کہا۔ کہ اگر اجازت ہو۔ تو ان کو اٹھا لوں۔ اس نے روکا۔ مگر شاہزادہ کب مانتا تھا۔ نظر بچا کر ان میں سے ایک کو اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

اور سمندر چیر کر ہندوستان میں پہنچ گئے۔ ایک سرائے میں اتر پڑے۔ ملکہ نے شہزادہ کو کچھ پیسے دیکر کہا۔ کہ کھانے کے لئے کچھ مٹھائی لاؤ۔ شہزادہ بازار میں گیا۔ اور اس لعل کا خیال آیا۔ اور یہ سوچکر کہ اگر اماں جان کو معلوم ہوجائیگا تو غصہ ہونگی۔ بنئے کو دیکر کہا۔ کہ مجھے مٹھائی دو۔ بنیا تھا عقلمند جھٹ تاڑ گیا۔ کہ یہ کم از کم ۱۰ لاکھ کی مالیت کا ہے۔ فوراً ۵ سیر مٹھائی اور ۵ سیر مہریں اسے دے دیں۔ شہزادہ ملکہ کے پاس لے آیا۔ ملکہ نے جب مٹھائی اور مہروں کو دیکھا۔ تو حیران ہوئی۔ اور پوچھا۔ کہ کس طرح سے یہ مہریں اور اس قدر مٹھائی پائی۔ میں نے تو صرف چند فلوس ہی دیئے تھے۔ اگر دھوکے سے لیا واپس کر آؤ۔ شہزادہ نے سب حقیقت کہہ سنائی۔ اس پر ملکہ خود بنئے کے پاس آئی۔ اور کہا کہ تم نے اسے بیوقوف لڑکا سمجھ کر لعل لے لیا ہے۔ اپنی مہریں لے لو۔ اور لعل واپس کر دو۔ بنئے نے معافی مانگ کر کہا۔ کہ آپ سے جس قدر ہو سکے مہریں لے جائیے۔ مگر لعل میرے پاس رہنے دیجئے۔ ملکہ اور شہزادہ سے جس قدر مال اٹھایا گیا۔ لے آئے۔ اور رہنے کے لئے ایک نیا مکان تعمیر کرایا۔ اور بہت سے نوکر ملازم رکھ لئے۔ ادھر بنیا وہ لعل وزیر کے پاس لیگیا اور وزیر نے بادشاہ کو دے دیا۔ اور بادشاہ نے اپنی لڑکی کو پہننے کو دیا۔ لڑکی دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پہن کر باغ میں جا بیٹھی۔ اسی درخت پر ایک طوطا اور ایک مینا بیٹھے ہوئے تھے۔ مینا نے طوطے سے کہا۔ کہ مجھے کوئی کہانی سناؤ۔ طوطے نے اول تو انکار کیا مگر مینا کے بہت سے اصرار پر اس طرح کہنا شروع کیا۔ کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی کو ایک لعل دیا۔ جسے وہ پہنکر اس قدر پھولی ہے۔ کہ جامے میں نہیں سماتی۔ اسے چاہیئے تھا۔ کہ کم از کم ایک درجن تو پہنکر پھولتی۔ شہزادی فوراً تاڑ گئی۔ اور اسی طرح اپنے کمرے میں غمگین

صورت بناکر پڑ رہی۔ بادشاہ کے کوئی لڑکا نہیں تھا۔ شہزادی کو اس حالت میں دیکھ کر حیران ہوا۔ اور دریافت کیا کہ کیا سبب ہے۔ شہزادی نے کہا کہ ایک درجن ایسے لعل مجھے اور چاہئیں۔ بادشاہ وعدہ کر کے دربار میں آیا اور وزیر کو بلا بھیجا اور کہا کہ ایسے بارہ لعلوں کی اور ضرورت ہے فوراً مہیا کرو۔ ورنہ جان کی خیر نہیں۔ وزیر یہ حکم سن کر بنئے کے پاس گیا اور اسے بہت دھمکایا۔ بنیا جلدی سے اس سرائے میں گیا مگر اسامی کو وہاں نہ پا کر بہت سٹ پٹایا اور تلاش کرنے لگا۔ آخر کار مشکل سے ایک عالی شان مکان کا پتہ شہر کے باہر نکالا۔ بہت سے چوکیداروں کو پہرہ پر پا کر اندر جانے کی جرات نہ کر سکا۔ اسے سوچتے بہت عرصہ نہ گذرا تھا۔ کہ شہزادہ محبوب عالم سیر کر کے اندر داخل ہوا۔ بنئے نے سلام کیا۔ اور بادشاہ کا پیغام کہہ سنایا۔ شہزادہ نے جواب دیا کہ میں بادشاہ کی رعایا نہیں ہوں۔ اگر اسے کچھ مطلب ہے تو خود یہاں آجائے۔ مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بنئے نے ویسے ہی بادشاہ سے جا کہا یہ سن کر بادشاہ کو غصہ تو آیا۔ مگر غرض کی طرف نگاہ کر کے خاموش ہو رہا۔ اس مکان پر گیا اور بعد ملاقات حرف مطلب زبان پر لایا۔ شہزادہ نے چار دن کا وعدہ کیا۔ اور بادشاہ کو رخصت کر کے اپنی ماں کو کل حالات سے اطلاع دی۔ اُس نے اجازت دی۔ اور وہی دو شاخیں ہاتھ میں دیکر کہا کہ بہرہ میں جاؤ۔ اور جتنے لعل درکار ہوں لا دو۔ شہزادہ روانہ ہوا۔ مگر جب وسط میں پہنچا۔ تو یکایک خیال آیا۔ کہ ان کے سرچشمہ کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ یہ خیال کر کے جدھر سے لعل بہتے آتے تھے۔ اُدھر کو روانہ ہوا۔ چلتے چلتے کہ ایک دریا کے دہانے پر جا نکلا۔ وہاں سے ایک چھوٹی سی ندی پر پہنچا گیا دیکھتا ہے کہ ایک حوض سے پانی اور لعل نکل بہتے ہیں۔ بہت دیر تک شہزادہ دیکھتا رہا آخر رہ نہ گیا۔ اس حوض میں کود پڑا

چند منٹ کے بعد جب پاؤں زمین پر پڑے اور آنکھیں کھولیں تو معلوم ہوا۔ کہ ایک بہت وسیع محل میں ہوں مگر وہاں نہ آدم نہ آدم زاد ہُو کا مقام سکتے کا عالم تھا۔ ایک لاش چھت سے لٹک رہی تھی۔ جس سے خون جاری تھا۔ قطرے ٹپک ٹپک کر پانی میں گرتے اور لعل بنتے جاتے تھے۔ بہت دیر تک دیکھتا رہا کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر ایک پردہ میں جا چھپا۔ اور کیا دیکھتا ہے کہ بہت سی پریوں نے آکر رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ اور نوحہ کرنے لگیں۔ اس لاش کو اُتار کر ایک پلنگ پر لٹایا اور روتی رہیں +

وہ ابھی رو ہی رہی تھیں کہ وہی فقیر جو شہزادہ محبوب عالم کو سمندر کے کنارے مسجد میں ملا تھا وہیں آکر بیٹھ گیا اور محبوب عالم کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ یہ تیرا باپ ہے۔ جس کو قصاب نے قتل کر ڈالا تھا۔ اور چونکہ کسی نے اس کی اچھی طرح سے تجہیز و تکفین نہ کی پریاں اس کو اٹھا لائیں کیونکہ یہ فارس کے اُس بادشاہ کو جس کی تجہیز و تکفین نہ ہو یہاں لے آتی ہیں یہ سنکر شہزادہ اپنے باپ سے چمٹ گیا شہزادہ کا چمٹنا تھا۔ کہ بادشاہ زندہ ہو گیا۔ پریوں نے اس پیر مرد کے جو حقیقت میں خواجہ خضر تھے حکم سے دونوں کو اٹھا کر ہندوستان میں ملکہ کے پاس پہنچا دیا۔ شاہ ہند شہزادے کی آمد کی خبر سن کر آیا۔ اور شاہ فارس کو دیکھ کر تعظیم بجا لایا۔ شہزادے کو اپنا اقرار یاد دلایا شہزادہ لعل تو نہ لایا تھا۔ مگر اُن کا راز اسے معلوم ہو چکا تھا۔ حکم دیا۔ کہ پانی کا پیالہ لاؤ اور اپنی انگلی میں چیرا دیکر خون کے قطرے اس میں ٹپکائے۔ جو لعل بن گئے۔ بادشاہ ہندوستان نے اپنی لڑکی کی شادی محبوب عالم کے ساتھ کر دی۔ اور اس نے پریوں کی مدد سے فارس میں آکر شاہ قصاب کو بُری طرح سے مارا۔ اور تختِ شاہی پر جلوس فرمایا +

شیخ چلی

نظارۂ چمن

از منشی دوارکا پرشاد گہر لکھنوی

ایک زمانہ تھا کہ شعر وحی الٰہی کہلاتے تھے۔ اور ان کی دُعا پُر اثر خیال کی جاتی تھی۔ اب نہ تو وہ وقت رہا۔ اور نہ لوگ اس کے قائل ہیں۔ ہمارے دوست منشی دوارکا پرشاد گہر نے اگست نمبر میں فخر ہندوستان لالہ لاجپت رائے کی بازوطنی پر ایک نظم بے بدل تحریر کی تھی جس کے لئے سخن فہم حضرات نے بے اختیار داد دی۔ اور ہمارے غائبانہ عنایت فرماؤں نے آزاد کو مبارکباد کے خط لکھے۔ حضرت گہر نے اپنی نظم کو عندلیب قفس کی زبانی بیان کیا تھا۔ اس میں ایک دعائیہ شعر تھا ؎

عجب بہار عجب ماجرائے چمن پھر ہو
ہزار داستاں گلشن میں نغمہ زن پھر ہو

خدا جانے اس شعر میں کیا کشش تھی کہ وہ بلبل خوش الحان باغ ہند میں آزاد ہو کر آ ہی گیا اور اب منشی جی اسکو نظر سے باغ ہند کی سیر کرتے ہیں منشی جی کا انداز الہامی پایا ایک شعر بے اختیار روانہ کرتی ہے

ہوئی ہے پھر نغمہ زن چمن میں قفس سے آزاد ہو کے بلبل
مبارک اہلِ وطن کہ رنگ لایا ہے پھر چمن ہمارا
ہوا فراقِ وطن میں کیا کیا دیارِ غربت میں حال اپنا
چمن کی جانب لگی تھی آنکھیں قفس میں خالی تھا تن ہمارا
مگر یہی دل کی آرزو ہے دیارِ غربت میں دم نہ نکلے
چمن سے پھولوں کی پتیاں ہی ملیں تمنا ہو کفن ہمارا

چمن کا دیکھ کے جلوہ عجیب بہار افزا ہوئی ہے بسکہ خزاں دیدہ چشم نرگس وا
کھڑے ہیں آج امنگوں کی دلفریب گھٹا قفس سے چھوٹ کے کتنی ہیں بلبل شیدا

ہزار شکر نظارہ ہوا چمن کا نصیب
خوشا نصیب کہ جلوہ ہوا چمن کا نصیب

قفس میں موسم ابر بہار تھیں آنکھیں وطن کی یاد میں اشکوں کا تار تھیں آنکھیں
گلوں کے دیکھنے کو بیقرار تھیں آنکھیں زمیں پہ فرش رہ انتظار تھیں آنکھیں

وطن کی یاد جب آتی تھی آہ غربت میں
اُمڈ آتی تھیں آنکھیں چمن کی حسرت میں

یہ کیفیت تھی وہاں اپنے داغوں کی وطن کے جلوہ میں جو شان تھی چراغوں کی
جہاں تھی نغمہ زنی ہر طرف کلاغوں کی قفس میں بیٹھ کے بلبلیں تھیں باغوں کی

نفس رہی تھیں [illegible] چمن کے لئے
تڑپتی رہتی تھیں حسرت کے قفس میں چمن کے لئے

بندھا تھا ہجر میں تاروں کی انجمن کا خیال چمن کے پھولوں کا نسرین و نسترن کا خیال
قفس میں بھی کبھی چھوٹا نہیں چمن کا خیال نہیں تھا جدا تھا مجھ سے نہ وطن کا خیال

چمن میں [illegible] دل اور بدن قفس میں تھا
وطن میں روح تھی [illegible] تن قفس میں تھا

قفس میں آگ لگاتی تھی دل جلوں کی صدا ستم [illegible] بیکسوں کی صدا
چمن میں گونجتی ہے آج شادیوں کی صدا گلوں کے دل کو کھلاتی ہے بلبلوں کی صدا

ملا ہے ہم کو دوبارا چمن مبارک باد
نوید بلبلوں آئی وطن مبارک باد

ہزار شکر خدا ہے کہ وہ گھڑی آئی خوشی بھی جس کی تھی سو جان سے تمنائی

مرادِ بلبلِ شیدا نے آج بھر پائی گلوں سے ملتے ہیں ہنس ہنس کے شیدائی

یہ دن یہ وقت یہ پیارا سماں مبارک ہو
یہ خوش گھڑی تمہیں اے مطرب مبارک ہو

مبارک آج کا دن ہو تمہارے گل بوٹو بہارِ گلشنِ قدرت کے خوش نما پودو
جو گذری ہم سے سنو اپنی سرگذشت کہو اٹھو گلے لگو آنکھیں ملاؤ ہموطنو

ہماری یاد نہ شاید تم ایک دم بھولے
تمہارا دیکھ کے ہم حال اپنا غم بھولے

ہمارے بعد کہو حال کیا تمہارا ہوا فراق کیسے ہمارا تمہیں گوارا ہوا
دل آہ تیغِ جدائی سے پارہ پارہ ہوا کہ قتلِ عام کو صیاد کا اشارہ ہوا

جو بلبلوں کو کہیں کھٹکا نظر آیا
کماں لیے ہوئے صیاد بے خطر آیا

کچھوں شکنجہ میں کیا کیا صدائیں آتی تھیں زبانِ تیغ سے پرسش تھی داد خواہی کی
چڑھی تھیں باڑھ پہ نوکِ سناں گواہی کی چھری تھی تیغ تھی گردن پہ بیگناہی کی

عجیب شکنجے میں کچھ بلبلوں کی حالت تھی
تڑپنے لوٹنے تک کی نہیں اجازت تھی

جو راگ بلبلیں آزادیوں کا گاتی تھیں چمن میں باندھ کے غول اڑتی کھلاتی پھریں
وطن کے راگ میں اوروں کا دل لبھاتی تھیں نئی بہار کی خوش خوش خبر سناتی تھیں

وہ طائروں کی خوش الحانیاں ہوئیں سب بند
ہمارے بعد غزل خوانیاں ہوئیں سب بند

مدام جوہرِ تیغِ ستم نخواہد ماند شکایتِ غم و رنج و الم نخواہد ماند
رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

جو گل کہ ہیں پژمردہ کاش جلد کھلیں
عجب نہیں ہے کہ بچھڑے ہوئے سب آن ملیں

درِ قبول تک آخر پہنچ گئی فریاد ہزار شکر ہوا ہم پہ مہرباں صیاد
خدا کے فضل سے ہم بلبلیں ہوئیں آزاد وطن کی دھن میں نہ کیوں گائیں اب مبارکباد

چمن عزیز چمن غیرتِ بہشت چمن
وطن عزیز وطن نعمتِ بہشت وطن

جو دور تجھ سے ہیں اور تجھ پہ ہیں نثار وطن وہی امید و خوشی کے ہیں انتظار وطن
عزیز دل سے تجھے ہیں جو ہونہار وطن وہ لاکھ بار ملینگے تجھے ہزار وطن

صبا قفس میں سنا اُن کو جا کے خوش خبری
ہوں کاش جلد وہ آزاد پا کے خوش خبری

خزاں کے بعد بہارِ گُل دیکھنا پھر ہو ہزار داستاں گلشن میں نغمہ زن پھر ہو
شگفتہ پھول کے مانند انجمن پھر ہو وہی نظارۂ نسرین و نسترن پھر ہو

چمن میں ہیں یہی دل کش ہزار کے نغمے
عجیب دیتے ہیں لطف انتظار کے نغمے

بنا کے زیبِ تن آزردیوں کا ہم جامہ منائیں کانگرس اور باغ میں کریں جلسہ
یہ طرز خود کے صیاد ہے بجا شکوہ صبا چمن میں سنا دے بہار کا مژدہ

شریک کانگرس اب بلبلیں چمن کی ہوں
محو دل میں ستم مشکلیں وطن کی ہوں

نفاق و بغض کو ہم سب سمجھ کے باعثِ شرم دلوں سے دور کریں اختلافِ نرم و گرم
تعشقِ اعتدالی سے ہوں گو شغل میں سرگرم مزاج سخت دلوں کا بھی ہم بنالیں نرم

جو عندلیب چمن کی سنیں خروش الحانی

ہو لب پہ غنچوں کے بھی نغمۂ ثنا خوانی

ترقیات کے جامے پہن کے پھول اُٹھیں — گُل اپنے بلبلوں کا ہار بن کے پھول اُٹھیں
چمن میں صدر نشین انجمن کے پھول اُٹھیں — پکار دیں ڈپٹی گیسٹ جب چمن کے پھول اُٹھیں

مخالفت کا ہٹا دیں چمن سے اب پنڈال
سجائیں باغ سا سورت میں ہم کے سب پنڈال

ہو پاس کیجئے سے وہ اب ڈیپوٹیشن — جو نیک بخت ہیں ہو درج حالت نیشن
ہماری بھی ہوں یہاں آج کس [illegible] ریلیشن — قفس میں بند ہوں اُف پا کے ہم ایجوکیشن

خیال ہجر کو ترمیم [illegible] ہوا
تو اپنے ہونے کا اندیشہ بھی [illegible] ہوا

جو کانگرس میں [illegible] ہوں ہم — فروغ ماہ ہوں اور جام آفتاب ہوں ہم
[illegible] ہوں ہم — یقیں ہے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں ہم

ہمارے [illegible] کے ہو جائیں [illegible]
چھڑیں [illegible] کانگرس کی بات

گوہر

انوکھی شان پیدا کر نرالی شان پیدا کر — دل پر آرزو میں اور بھی ارمان پیدا کر
فدائی کوئی [illegible] جان پیدا کر — پھر اُس کے دل میں اتنی حسرت ارمان پیدا کر
پریشانی [illegible] سامان پیدا کر — اگر کچھ کام کرنا ہے تجھے اوسان پیدا کر
عدو کی خصلتوں کا کوئی تو درمان پیدا کر — فریبی پر دغا مکار سب بے ایمان پیدا کر
پڑھا ہوں سبق [illegible] دشمن تو — مزے کی کوئی حسرت لطف کا ارمان پیدا کر
جفائیں تیری سہتے ہیں [illegible] — کوئی تو اس [illegible] احسان پیدا کر

قصۂ غم

نشہ کی کہانی - ایک بچہ کی زبانی

پنڈت پیارے صاحب فرزند ارجمند پنڈت برج موہن صاحب کیفی
جالندھری نے امرتسر ٹمپرنس سوسائٹی کے سولھویں سالانہ جلسہ پر ایک
مجمع عام میں پڑھی تھی۔ اب یہیں اشاعت کیلئے عنایت ہوئی ہے

بہت مایوس ہو کر آج اس جلسہ میں آیا ہوں — کہوں کیا جی کو غم کھاتا ہے اور میں غم کو کھاتا ہوں
مجھے کیفی سا چچا ہمدرد جو اس مجلس میں ملا ہے — تو میں سادہ دلی سے قصۂ غم کو سناتا ہوں

تمہیں ... ہے مجھے آس لئے جو داد پاؤنگا
جبھی ... ہوئی ... خدمت میں آؤنگا

مرے گھر آج گھر سے سیر کو نکلا — تو اک بازار میں چوپٹ کے جانا ہو گیا میرا
بہت سا جمگھٹا چاروں طرف ... نظر آیا — جدھر دیکھا ادھر ہی آدمی تھے اور غل بھی تھا

کوئی کچھ بات کہتا تھا کوئی کچھ راگ گاتا تھا
غرض ہر ایک دھن ... اپنا اپنا ہی سناتا تھا

جو دیکھی کیفیت یہ تو مرے جی میں یہ بات آئی — کہ اے دل! اے تماشا گاہ دنیا کے تماشائی!!
مطالع کام تیرا سیکھنے کا ہے تو شیدائی — ذرا تو دیکھ ہر سو جا کے تو کیا ہو یہاں بھائی

نظر آتے ہیں یاں بیٹھے ہوئے اچھے ہی سب انساں
نہیں مشکل اگر میں دور دل کا پا سکوں ارماں

یہ دل میں ٹھان کر میں اک طرف کی بزم میں آیا — تو اک دربار عالیشان برپا بیٹھے واں پایا

کئے تھا سر پہ اک باناتی نگیرہ وہاں سایہ　　بچھا تھا فرش قالینوں کا ساماں تھا گرانمایہ

کہیں ڈیننگ کی تھیں کرسیاں اور فرش مخمل کا

بڑی بھاری تھی تیاری نہ ساماں تھا کوئی ہلکا

کہیں تھا اطلسی کرسی پہ راجہ جلوہ گر کوئی　　کہیں اک ریشمی صوفے پہ ڈٹا تھا اینٹھکر کوئی

کوئی نواب اور سردار تھا اور تھا کنور کوئی　　کوئی راجہ تھا ان میں اور رئیس نامور کوئی

رئیسوں کی سبھا وہ مجلس با رعب کیسی تھی

بڑی رونق نہایت شان و شوکت اسپطاسی تھی

وہاں جو گفتگو تھی پولیٹکل اور سیاست کی　　تھیں باتیں حکمت عملی کی اور ملکی حکومت کی

تمدن کے مسائل پر تھی بحثیں اس جماعت کی　　تھیں تقریریں وہاں سب پیشوائی حکومت کی

بہت کچھ گفتگو تھی جاں نثاری یا وفائی کی

کہیں کوشش کی تھی اظہار پبلک میں صفائی کی

ہوا جب مجکو یہ معلوم تو جی خوش ہوا میرا　　لدا دل سے مرے رنج و تفکر یاس کا ڈیرا

مجھے چاروں طرف سے خوش کیا امید نے آگھیرا　　کہا دل نے یہ سمجھو بس ہوا سب کام اب تیرا

بڑھا آگے ادب سے اور آداب اک بجا لایا

کڑا جی کر کے بیٹھا حال دل سب اُن کو بتلایا

کہا میں نے اے سردار ملک و سرور قومی　　ہے میری دست بستہ آپکی خدمت میں اک بنتی

سنو تم سارے حکومت کے مشیر با اقبالی　　بڑا احسان ہو سن عرض گر تم ایک لڑکے کی

جنابا اپنے دل کا حال کیا تم کو بتلاؤں

سراپا درد ہے دل کا تمھیں کیا حال بتلاؤں

مجھے آنے لگا تھا ہوش ابھی کچھ تھی نہ گو عمر　　مجھے ہے یاد پاپا کا مرے تھا اک بڑا عہدہ

بہت عزت تھی اُن کی اور تھا اُنکا اونچا پایہ تھا　　کچہری کو وہ جب جاتے تو ہر اک بندگی کرتا

بڑی تھی ساکھ پاپا کی بہت کچھ مال تھا گھر میں
لدی رہتی تھی میری ماں جواہر اور زیور میں

یکایک ہوگئی پاپا کو عادت بادہ خواری کی — دھرم کو ہائے چھوڑا اور انھوں نے مے گساری کی
رہی دو اک برس جو لت انھیں یہ میگساری کی — تو اس نے اس بھرے گھر کی صفائی ہائے ساری کی

امانت جن کی ہاتھوں میں تھی سرمایہ بھی تھا جن کا
رہا گھر میں نہ انکے ہائے باقی اب بس اک تنکا

طبیعت ہوگئی پاپا کی جب حد درجہ متوالی — تو وہ عہدہ بھی اُن سے چھن گیا اور عشرت عالی
بہت جلدی بھرا گھر ہوگیا وہ سر بسر خالی — نہ کھانے کیلئے باقی رہی اب گھر میں اک تھالی

نشے میں اور بیکاری میں اُن کی یہ ہوئی نوبت
جو اک شب پی کے وہ سوئے تو اُٹھی صبح کو میت

بچے گھر میں تھے اک بچہ میں اور میری بہن — نہ والی تھا کوئی میرا نہ اُنکا تھا نہ گھر بار
یقیں تھا ہی مجھکو مرجاتی کبھی کی میری دکھیا ماں — نہ تھی میری یہ دولت تھے ہی بچے

بتاؤں کیا کہ کس مشکل سے ملنے مجھکو پالا ہے
رہی محنت میں ملا کر پیل آنکھوں کا نکالا ہے

مصیبت یہ کسی ماں پر نہ اے میرے خدا آئے — بتا گھر ہوں کسی کا نہ بچے بیٹھے بھوکے
جو دس بھوکوں کو دیکر کھائے سو ننگوں کو پہنائے — نہ کاتے اب سے ہوں کھانے اور کپڑے کو ترسائے

وہ جیتی تھی میری خاطر نہ تھا کچھ دھیان اپنے کا
نہ دے یہ سب کسی ان کو بُرا ہے دکھ رنڈاپے کا

مگر رب نے تو تھا سب کچھ دیا اسکا گلہ کیا تھا — کسی شے کی کمی گھر میں نہ کوئی شخص پاتا تھا
بھری جھولی تھا جاتا جو کہ خالی ہاتھ آتا تھا — دیا ایشر کی تھی ہم پر نہ کچھ قسمت کا گھاٹا تھا

مگر کھو دی ہمارے گھر کی جڑ اس مے گساری نے

بنایا لاکھوں کا گھر خاک ہے بادہ خواری نے

نصیحت رات دن تھی یہ ہی مجھکو میری نانا کی کہ اے بیٹا پڑیں گر آفتیں سب تجھ پہ دنیا کی
تو اسکا کچھ نہیں ہے غم اگر ہمت کو دانا کی کہ پا سکتا ہے کیسے کوئی پرمیشر کی کرپا کی

کہ بیٹا نشوں کے تم نہ ہرگز پاس تک جانا
کبھی پہلو میں اپنے تم نہ دشمن کو بٹھانا

نصیحت یہ میری بیٹا سنو اور اس کو تم مانو نشوں کے تیاگ دینے میں اپنا فائدہ جانو
خرابی ہے زمانے میں بہت کچھ ان کی پہچانو جہاں تک ہو سکے تم سے نشوں کی ناک تم [illegible]

نکالو شہر سے ان کو ہٹا دو ان کو دنیا سے
کرو ہمت تو نشے کو بہ آسانی ہٹا سکتے

نشوں کی [illegible] [illegible] ان کی [illegible] رحم کا [illegible]
کہیں دیسی کہیں ولایتی [illegible] کہیں جلوا غرض [illegible] شہر کو دیکھو نشوں میں آ گیا ڈوبا

کسی صورت [illegible] تم [illegible]
نشے کے [illegible] کوئی قانون ایسا تم بنا ڈالو

نہ [illegible] کا [illegible] کی [illegible] نہ [illegible] آئے [illegible]
کرو اے [illegible] تو راستی بھی جو تم کوشش تو [illegible] ابھی یہ نشوں کی [illegible] آتش

اگر تم لاٹ صاحب ہو گے زور سے جا کر
تو مسدودی کا نشوں کی پڑو گے ایکٹ بنوا کر

یہ سنکر عرض میری ایک اک تیوری پہ بل آیا ہر اک سردار کا چہرہ مری باتوں سے گرمایا
ہیں حیراں تھا کس لئے مزاج ان کا ہی بھڑکایا زباں پہ تو مری کوئی نہ گستاخی کا لفظ آیا

کہا چھیڑا انھوں نے تو ہوا ہے پاگل اے لڑکے
تو چھپ کے آیا ہے اسکول سے ماں سے یا لڑ کے

اے ناداں یہ جلسہ نظامِ سلطنت کا ہے — یہاں مضمون چھیڑو [illegible] پولیٹکل مصلحت کا ہے
ہمارا کام شاہی باوفائی مشورت کا ہے — کہ جلسہ یہ تو [illegible] تیری جرأت [illegible] کا ہے

ہمارا فرض اے لونڈے نہیں [illegible] ایسی اصلاحیں
کسی کے واسطے کیوں کام میں اپنے خلل ڈالیں

نشوں کو ہم جو روکیں شن اے طفلک نادان — سمجھ کہ کس جگہ [illegible] بازی [illegible] دوکاں
نہ ہو گا اس سے کیا محصول کا سرکار کے نقصاں — مشیر [illegible] شاہی کے [illegible]

بس اب یہاں سے ہٹو لے لڑکے اور اسکول کو جاؤ
نہ وقت اپنا گنواؤ اور ہمارے کان مت کھاؤ

ملا جب یہ جواب خشک ایسی بزمِ عالی سے — [illegible] میری شفقت حالی سے
نہ پایا ایک بھی ذرہ امید اُس بحر خالی سے — [illegible] اس [illegible] خیالی سے

پلٹ [illegible] آیا

[illegible] پایا

[illegible] — [illegible]
[illegible] قسمت [illegible] — [illegible]

[illegible] قانون ہے

کوئی [illegible] اپنا مضمون ہے

ذرا چپ ہو گئے وہ [illegible] — جو کہنا تھا بزم اولیس ہیں [illegible] اُن سے
مگر [illegible] کام ہی سکتا تھا مجھ کو میری قسمت — ہے محروم مرہم سے یہاں بھی زخم اس [illegible] کے

کہا یہ میر مجلس نے شاہے تو طفلِ مکتب ہے
ہمارے مقصد و اغراض کی تجھ کو خبر کب ہے

حقوق پولیٹکل ہم تو حاکم کو بتاتے ہیں — حکومت میں [illegible] اور نفع ہیں وہ دکھاتے ہیں

قوانین اور آئین جو خلافِ ملک پاتے ہیں　　نظر میں عام اور سرکار کی ہم اُن کو لاتے ہیں

سدھر جائے گی جب حیثیت پولیٹکل اپنی

تو مٹ جائیں گی یہ اس ملک میں باتیں بُری جتنی

چلا میں تیسری جانب جوابِ صاف یہ پا کر　　تو دیکھا ٹھنیوں تپیوں کا ہے اک عارضی مندر

بڑے پنڈت وہاں ہیں جٹ اور جوگی بھی ہیں اکثر　　نہ کرسی ہے نہ واں کوئی نہ ہے کچھ فرش دھرتی پر

کہیں آسن تنا کا تھا کہیں پر مرگ چھالا تھا

غرض اُن دونوں جلسوں سے یہ جلسہ کچھ نرالا تھا

کہیں ہوتا نراکار اور کہیں ساکار کا چرچا　　کہیں تھا آتما اور جیو میں ایشر کا جھگڑا

کہیں تھا سدھیوں کا اور کہیں تھا ذکر ردھی کا　　اہم برہم اسمی او تتوم اسی کا ذکر ہوتا تھا

کوئی شرتی سمرتی کی سند لاتا وہاں کوئی

کوئی درشن تو کرتا تھا اُپنشد کا بیاں کوئی

کتھا اپنی سنائی ان کو بھی پرنام کر کے　　نشوں کی ان سے نالش کی جو کی تھی پیشتر میں نے

سنایا قصہ بربادیٔ مے سر بسر میں نے　　دکھائے جو ہوئے ہیں آج نشوں سے ضرر میں نے

یہ سب کچھ سن کے اُن رشیوں نے مجھ سے فرمایا

کہ ہم ہیں بن کے واسی ہم کو دنیا سے مطلب کیا

ارے مورکھ یہاں دنیا کے دھندے چھوڑ بیٹھے ہیں　　پرم برہم اسی سے اپنے دل کو جوڑ بیٹھے ہیں

تعلق ہم تو اس سنسار سے سب توڑ بیٹھے ہیں　　تمہارا ستیا جگت ہے ہم تو لب کا موڑ بیٹھے ہیں

کہانی کیا سناتے ہو تم مے کے فتنوں کی

نہیں بھاتی ہمیں یہ داستان لیلیٰ و مجنوں کی

جو یہ سوکھا جواب ایسے مہا پُرشوں سے ہاتھ آیا　　تو میں نے ہو کے مایوس اس جگہ سے اپنا رخ پھیرا

ابھی اک اور جلسہ دیکھنا چوتھا میں باقی تھا　　کہ عقل نے نہ جہاں پر میں لازم اس کو بھی ہے جانا

لی میں نے راہ اِس رفتار سے اُس چوتھی محفل کی
کہ جیسے چلتی ہے گھُٹ گھُٹ کے سانس اک نیم بسمل کی

گیا میں جو تھے جلسے میں تو حالت اور ہی دیکھی — یہاں جو تھے انہیں تعلیم قومی سے تھی ہمدردی
کوئی تھا اُن میں دار العلوم قومی کا بدل حامی — کہیں ٹیکنیکل تعلیم کی تقریر ہوتی تھی

کہ اک کہتا تھا [illegible] کوئی جستجو کا بھول میں تم
کہ آزادی [illegible] اُن سے ہوگئی ہے گم

جواب اُن سے بھی جو [illegible] اطمینان کا پایا — کہوں کیا آپ سے میں اس سے جی میرا گھبرایا
ہجوم غم سے تنہا سا مرا دل لیکے پھر آیا — یہاں جلسہ سنا تو یاں کبھی میں فریاد کو آیا

سنا ہے آپ کا ہے کام نشوں کو فنا کرنا
اِس آبِ آتشیں سے صفحہ ہستی کو صفا کرنا

یقیں ہے آپ سے تو داد اپنے غم کی پاؤں میں — رکھو گے اُس پہ تم مرہم جو زخم دل دکھاؤں میں
نشوں نے جو خرابی کی اُسے کیونکر بتاؤں میں — نہ روؤں تم سے یہ رونا تو کس کے پاس جاؤں میں

نہیں کی اس نے بربادی فقط میرے گھرانے کی
بزرگو ہے نشوں سے حالت ابتر اک زمانے کی



تمیز گریۂ معشوق و عاشق چشم تر یوں ہو — کہیں موتی لڑکتے ہوں کہیں طوفان پیدا کر
عدو کو چاہتا ہے تو یہ میرے منہ سے نکلے گا — کوئی بہتان گھڑ مجھ پر کوئی طوفان پیدا کر
تمیز نیک و بد کیونکر ہو کیا ہو او بتِ کمسن — ابھی کچھ ہوش آنے دے ابھی اوسان پیدا کر
نگہ کو حکم دے چل پھر کے بازار محبت میں — جہاں جنس وفا بکتی ہو وہ دکان پیدا کر
دکھا کر جلوۂ رخسار پھر ٹکڑے دلِ عاشق — بہت سی آرزوئیں حسرتیں ارمان پیدا کر
نگہبانی کو میرے دیدۂ بیدار ہی رکھ لے — نہیں تو اِس طرح کے ایک دو دربان پیدا کر

لندن کی ہوا

تمہید

منوہر کے چچا بچارے سیدھے سادھے اولڈ فیشن کے آدمی شاہی زمانہ دیکھے غدر کی گولیوں کی آواز اب تک اِن کے کان میں گونجتی ہے۔ ذرا کہیں دنگا فساد ہوا اور انہیں غدر کا شبہ ہوتا ہے۔ بچارے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ ہر وقت یہی دعا کرتے ہیں۔ کہ یہ چند روزہ زندگی عزت آبرو سے گذر جائے۔ اِسی لئے کبھی جلسوں میں نہیں جاتے۔ گورے رنگ والوں کا رتبہ ان کے نزدیک خدا کے برابر ہے۔ شام کو جب کبھی گاڑی میں سیر کرنے کو نکلتے ہیں تو سائیس کو برابر یہی تاکید ہوتی ہے۔ کہ صاحب لوگوں کی گاڑیوں سے بچائے رکھنا۔ جہاں سامنے سے کسی صاحب کی گاڑی آئی۔ اور اِن کی روح فنا ہوئی۔ سائیس سے کہا ایسے میں ایک طرف کو دبائے رکھنا۔ چلانا شروع کیا۔ گاڑی پاس سے ہو کر گزری اور انہوں نے جھک کر سلام کیا۔ جان نہ پہچان وہ بھلا کیوں خاطر میں لانے لگے۔ بڑی مہربانی ہوئی تو سر ہلا دیا اور اِن کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ ساہوکارے کی کوٹھیاں سب بڑے بڑے شہروں میں ہیں ہزاروں روپیہ کی آمدنی ہے۔ گھر میں سے دیکھئے ایک بھتیجا ہے۔ بھائی تو غدر کی نذر ہو گئے۔ انہیں کی نشانی کو دیکھے جیتے ہیں ؛

ستیہ پرکاش تو شروع ہی سے چنچل تھا۔ اِس پر لندن کی آب و ہوا نے اثر کیا فتنہ سے قیامت بن گئے۔ ناز پروردہ کبھی کسی کی ذرہ بھر بات نہ سنی جو جی میں آیا سو کیا۔ بھلا ایسی طبیعت پر جب آزادی کا رنگ چڑھے تو وہ کیا کچھ نہ ہو گی ؟

منوہر کے چچا تو ولایت کب بھیجنے والے تھے۔ وہ تو منوہر نے ہی فیل مچایا۔ اور ڈوب مرنے کی دھمکی دی۔ کھانا پینا حرام کر دیا۔ ڈرے کہ لڑکا ہے ضدی کہیں جان پر نہ کھیل جائے۔ ولایت بھیجدیا۔ اگر وہ جانتے کہ ولایت کی آزادی کی آب و ہوا منوہر کو ایسا نڈر بنا دیگی کہ کلکٹر صاحب کو بھی دھیان میں نہ لائے اور صاحب لوگوں کو سلام نہ کرے تو یقین ہے منشی جی منوہر کو ولایت بھیجنے کی کبھی غلطی نہ کرتے وہ تو اسے ویسا ہی بھولا سمجھتے تھے جب وہ گاڑی میں بیٹھا ان کا ہاتھ اُٹھتے ہی اپنا ہاتھ بھی سلام کو اُٹھا دیا کرتا تھا۔ اور صاحب کی صورت دیکھکر سہم جاتا تھا +

ولایت کیا بھیجا ایک مصیبت مول لے لی۔ بیچارے کلیجہ پکڑے پھرتے ہیں۔ آزادی کی ترنگ میں خدا جانے کیا واہی تباہی بک دیگا۔ بادشاہ و رعیت کا مقابلہ کیا؟ اور کہیں لینے کے دینے پڑیں +

منوہر ذہین لڑکا آٹھ سال ولایت رہا۔ تمام یوروپ کی سیر کی۔ رات دن آزادی کے چرچے سنے۔ انگریزوں میں بے تکلفی کی ملاقاتیں کیں اخبار پڑھے جلسے دیکھے۔ انگریزی تہذیب کا ایک ایک نقطہ سیکھا۔ وہ بھلا اس زمانہ میں تیرا ماں۔ خواہ نخواہ کسی کو کیوں سلام کرنے لگا۔ بوڑھے چچا بھی سچے اُنہوں نے جو زمانہ دیکھا تھا اُس زمانہ میں صاحب بڑی چیز تھی! وقت نکل گیا اب تو منوہر ہاتھوں سے نکل گئے۔ اب پچھتائے ہوت کیا جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت +

ہمارا غنچہ

منشی جی۔ منوہر کے چچا!

ہمایوں مرزا۔ ان کے پرانے دوست!

(۱)

ہمایوں مرزا۔ آداب عرض منشی صاحب۔ کہئے مزاج تو اچھا ہے +

منشی جی۔ بندگی۔ شکر ہے اچھا ہوں۔ زندگی کے دن پورے کرتا ہوں۔

ہمایوں مرزا۔ کیوں کیوں۔ خدانخواستہ آپ اس قدر حراساں کیوں ہیں۔

منشی جی۔ کیا کہوں اس لڑکے منوہر نے ہمارا ناک میں دم کر دیا۔ ولایت کیا بھیجا گھر برباد کر لیا۔ چنگا بھلا شیشم کے کٹڑے میں مکان تھا۔ آپ لوگوں سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ دو گھڑی رادھا حلوائی کی دوکان پر جا بیٹھتے تھے۔ ہمارے صاحب کیا آئے۔ شہر بدر ہی کر دیا۔ اب یہاں اتنی دور شہر سے باہر پڑے ہیں۔ بچہ تک کی آواز نہیں آتی۔ البتہ کبھی کبھی کوٹھیوں میں کتے بھونکتے سنائی دیتے ہیں نہ ہم میں اتنی ہمت کہ گاڑی کسوائیں اور شہر جائیں۔ نہ تم میں اتنی مروت کہ گھڑی دو گھڑی کو ادھر ہی نکل آیا کرو۔ اچھا بہت گئی تھوڑی رہی۔ یہ بھی اس اُجاڑ میں کٹ جائے گی۔ خوش رہیں ہمارا کیا ہے۔

ہمایوں مرزا۔ بھئی ہم سے تو تمہاری بیجا شکایت ہے۔ ہم تو کبھی کبھار یہاں تک پہنچ بھی جاتے ہیں۔ البتہ تم شہر کی طرف کبھی رُخ نہیں کرتے۔ ایسا بھی کیا ہے کبھی آٹھویں ساتویں نکل آیا کرو۔ باہر تو اچھی ہوا کے لئے آکر رہا ہے نا۔

منشی جی۔ مرزا جی تمہاری بھی بڑھاپے میں عقل بولا گئی ہے۔ بھلا پہلے جو محلوں میں رہیں تھے۔ ان سے کوٹھی میں رہنے والوں کی صحت اچھی ہے۔ اور بھی تو لڑکے ہیں پڑھے بھی لکھے بھی۔ مگر جتنا دماغ ہمارے منوہر کا بگڑا ہے۔ کسی کا نہ ہوگا۔

ہمایوں مرزا۔ ذرا بلوایئے تو سہی ہم بھی ذرا ملاقات کر لیں۔ میں تو جب سے ولایت سے آئے ہیں ملا ہی نہیں اُس دن اسٹیشن پر ریل سے اترتے دیکھا تھا۔ جب تو کرشٹانوں کی سی وضع بنا رکھی تھی اب تو بھلے آدمیوں کی سی ہوگی۔

منشی جی۔ اجی توبہ کرو۔ بلانے کی بھی ایک ہی کہی منوہر اب وہ منوہر نہیں رہا ہے

کہ مرزاجی کو چچا ابا کہیں اور آواز سنیں تو اندر سے ہی غل مچاتے دوڑے آئیں
اب تو اطلاع کرائیے۔ اگر ان کا مزاج چاہے۔ تو گھڑی دو گھڑی بات کریں
نہیں پھر تشریف لائیے۔

ہمایوں مرزا۔ ارے۔ تو کیا ہم سے بھی؟

مرزاجی ابھی بات ختم بھی نہ کرنے پائے تھے۔ کہ منوہر منہ میں سگار لگائے
عینک چڑھائے۔ پتلون میں ہاتھ دیئے برآمدے میں آکھڑے ہوئے ایک ہاتھ
میں اخبار تھا اور اسے پڑھکر وجد میں آرہے تھے۔

ہمایوں مرزا۔ تنے کیوں بھئی ولایت کیا گئے دو حرف سلام کے بھی روادار نہیں۔

منوہر۔ (نظر اُٹھا کر) آہئے مرزا صاحب کہئے مزاج تو اچھا ہے۔ معاف کیجئے گا
میں نے دیکھا نہیں۔

ہمایوں مرزا۔ شکر ہے۔ اب تو دیکھ لیا۔

منوہر۔ کہئے صاحبزادہ کو ولایت کب بھیجئے گا۔

منشی جی۔ (دبی آواز سے) بخشئے۔ ہم نے آپ کی ولایت سے توبہ کی۔

ہمایوں مرزا۔ تم جو ہو آئے۔ سبکے سب ولایت تھوڑا ہی جایا کرتے ہیں۔

منوہر۔ ہاں سب کو ہی جانا چاہئے۔ کم از کم وہ لوگ جو صاحب مقدور ہیں تو ضرور
جائیں۔ تاکہ واپس آکر اپنے ملک ہندوستان کی حالت سنوار سکیں۔ آپ
کسی دن تشریف لائیے گا۔ میں اس معاملہ میں آپ سے بحث کرونگا۔

ہمایوں مرزا۔ میں اب ہی حاضر ہوں۔ اِدھر تشریف لے آئیے۔

منوہر۔ مجھے اِس وقت فرصت نہیں۔ بہت سے اخبار پڑھنے کو ہیں۔ پھر کبھی تشریف
لائیں۔ تو عرض کروں۔ آداب عرض (منوہر اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے)

منشی جی۔ دیکھا آپنے ہندوستان کو سنوارنے کا جنون سوار ہے۔ کوئی اِن سے

چھے۔ کہ اب ہندوستان میں کیا بھش ملا ہے۔ اور پھر بچارے ایک یہی سنوارنے والے رہگئے ہیں۔ میں ان ہی باتوں سے ڈرتا ہوں۔ کل رسوں سے دو ایک وکیل آرہے ہیں۔ اور ایک لکچر کی تجویز ہے۔ میری روح کانپتی ہے۔ کلیجہ بلیوں اچھلتا ہے۔ زمانہ نازک ہے۔ کہیں اس بڑھاپے میں مٹی خراب نہ ہو۔

مایوا مرزا۔ منشی جی آپ بھی ناحق گھبراتے ہیں۔ جلسے میں جانے سے کیا ہوتا ہے۔

منشی جی۔ مرزا جی تمہیں خبر نہیں۔ یہ کوتاہ اندیش سرکار کے خلاف طوفان باندھتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں صاحب لوگوں کے برابر درجہ ملنا چاہیئے نہیں تو ہم لکچر دیں گے۔ تمہارا ناک میں دم کریں گے۔ ولایتی چیزیں نہ خریدیں گے۔ بھلا سوچو تو سہی۔ کہیں بادشاہ اور رعیت کا بھی مقابلہ ہؤا ہے۔

ہمایوں مرزا۔ ہیں۔ یہ باتیں۔ یہ پڑھکر لکھکر کیا سوجھی۔ سنا نہیں۔ ؎

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن
بخونِ خویش باید دست شستن

منشی جی۔ بھئی اپنی اپنی قسمت ہے۔ ؎

بلبل کو دیا رونا تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

میں تو وہ گھڑی نہیں پاتا۔ جب میں نے ولایت بھیجنا منظور کیا۔ مجھے کیا خبر تھی۔ کہ لڑکا یوں ہاتھ سے نکل جائیگا۔ بھائی کی روح مجھے کوستی ہوگی اصل پوچھو تو میں اس معاملہ میں بالکل بے گناہ ہوں۔ تم ہی کہو۔ کہ

میں نے کس مجبوری میں اسے ولایت بھیجنا منظور کیا ہے۔

ہمایوں مرزا۔ اچھا خدا اسے نیکی دے۔ خود سمجھ جائے گا۔ جہاں لک بنے
سمجھاتے رہو۔ لو اب اجازت۔ چلتا ہوں۔

منشی جی۔ اچھا بندگی۔ ملتے رہا کیجئے۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ چل پلاؤ ہا
ہے۔ جو دم مل بیٹھے غنیمت ہے۔

ہمایوں مرزا۔ بندگی (گھبرائی ہوئی آواز میں) ہاں آؤں گا ردل بنا حضور ر
آؤں گا۔ مجھے جیلخانہ جو جھانکنا ہے۔ باغی لوگوں کے گھ نے میں بھی
بغاوت میں گرہ انا جاتا ہے۔ وہ تو خیر ہوئی میں حمید کو س تھ نہیں لایا
کہیں اسے پتلون کوٹ دیکھ۔ یہاں کا ہی جھٹکا پڑ جاتا۔ ا [illegible] میں
باغیوں میں دھرا جاتا۔

بازار

مرزا جی کی اپنے ہمخیال سے ملاقات +

(۲)

اجی میر صاحب آئیے۔ ابے روک لے۔ ابے روک۔ لے۔ حسینی
روک لے +

میر صاحب۔ کہئے کہاں سے سواری آئی۔

مرزا جی۔ کہیں نہیں ذری منشی جی کی طرف گیا تھا وہ تو یو ں کہو بڑی
خیر ہو گئی۔

میر صاحب۔ کیوں کیوں کیا ہوا۔

مرزا جی۔ ارے میاں کان میں سنو۔ میری تو روح اب تک کانپ رہی
ہے۔ توبہ توبہ (میر صاحب کے کان میں) منشی جی کا بیٹا باغی ہو گیا۔

میر صاحب۔ ہیں؟

مرزا جی۔ (نہایت دھیمی آواز سے کان میں) اجی انگریزوں کو برملا گالیاں دینا ہے کالکٹر تک کو تو دھیان میں لاتا ہی نہیں۔

میر صاحب۔ اس لمڈے نے بھی کیا رنگت پلٹی ہے۔ قسمت بچارے منشی جی کی کیسے بھلے آدمی ہیں۔ اولاد کی طرف سے یوں ہی مجبور تھے۔ لے دے کے ایک بھتیجہ تھا جس سے ذرا کلیجہ ٹھنڈا تھا اس نے یہ گل کھلائے خدا بچارے پر رحم کرے۔

مرزا جی۔ اجی اس کا تو ولایت بھیجنا ہی درست نہ تھا۔ یہ سارے نتیجے اس ایک غلطی کے ہیں۔

میر صاحب۔ ہم نے تو جبھی کہہ دیا تھا منشی جی نہ مانے اب اپنے کئے پر پچھتاتے ہوں گے۔

میر صاحب ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ مرزا صاحب کی نظر ایک شخص پر پڑی جو دوکان پر کھڑا سودا لے رہا تھا اور حساب اپنی پاکٹ بک میں درج کرتا جاتا تھا۔ دیکھتے ہی رنگ فق ہو گیا۔ سانس پھول گیا۔ گھبراہٹ کے مارے آواز بند ہو گئی۔ میر صاحب غضب ہو گیا یہ خفیہ پولیس کا آدمی ہماری باتیں لکھ رہا ہے۔ میر صاحب نے جو مڑ کر دیکھا گھبرا گئے چکر آگیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ بصد خرابی اسی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ کوچوان نے ہنٹر دیا اور گھوڑا بھاگا۔ میر صاحب اور مرزا صاحب نے گھر جا کر ہی دم لیا۔ خدا ان کی حالت پر رحم کرے ورنہ خوف کا صدمہ تو سخت ہوا ہے۔

منوہر کا بنگلہ

آخر اس میں ڈر ہی کیا ہے۔

(۲)

منوہر۔ اگر تم میرے ساتھ ہوا خوری کو چلا کرو تو بھلا اس میں کونسا عیب ہے۔ مانا کہ کوٹھی

کی ہوا اچھی ہے۔ مگر تم تو چار دیواری سے باہر نکلتی ہی نہیں۔

بیوی۔ تمہاری عقل کو تو ولایت جا کر کیا جانے کیا ہو گیا ہے۔ شرم حیا رہی یا نہیں میں تو مر جاؤں مگر گھر سے باہر قدم نہ رکھوں۔ سوا کمبخت [illegible] بھی فٹن میں سیر کو نکلتی ہیں۔ میں تو جب کبھی اس کا خیال کرتی ہوں۔ مجھ پر شرم کے مارے گھڑوں پانی پڑ جاتا ہے۔

منوہر۔ اس کے جواب میں [illegible] دو چار حرف [illegible] بات کر سکتی ہو۔ [illegible] تمہیں چھپ [illegible] پڑھانا [illegible] کہ عورت کہلاتی ہیں اور [illegible] وہ سب گناہ ہیں۔

بیوی۔ [illegible] اور جاہل کی بھی تمیز نہیں ہے [illegible] میری بات [illegible] سیر کرنے ہی میں تہذیب [illegible] جائے۔

منوہر۔ آہا تم بڑی چچا کی باتوں [illegible] تمہارے نزدیک بھی جو کچھ میں اپنی بساط کے موافق ملک کے [illegible] کر رہا ہوں مجھے نہ کرنا چاہیے۔ تم لوگ کتنے سادہ لوح ہو کہ کسی معاملے کو سوچے بغیر ہی اپنی رائے دیتے ہو۔ میں سمجھ کے پھیر سوا کیا کہوں

بیوی۔ مجھے معاف کرو۔ بھولی منہ سے نکل گئی۔ پہلے چھیڑ تو خود نکالتے ہو جب کوئی جواب دے تو چڑ جاتے ہو۔

منوہر۔ اجی ہمیں کیا۔ ہم نے اپنا فرض سمجھ کر کہہ دیا۔ ہماری طرف سے ساری عمر قید میں گذار دو اپنا کیا بگڑتا ہے جب کسی کا قید میں رہنے کو جی چاہے تو کوئی کیا کرے ہم تو یہی کہیں گے کہ مہذب بننے کی کوشش کرو اور جان بوجھ کر قید میں نہ پڑو۔

بیوی۔ جسے تم قید سمجھتے ہو وہ ہمارے لئے جوہر شرافت ہے اور میں جب تک جان

میں جان ہے اس سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتی۔

منوہر۔ اچھا تو یہاں بنگلہ ہی میں ٹینس کا انتظام کرا دوں۔ میرے دوستوں کی بیویاں

اور لڑکیاں آ جایا کریں گی دو گھڑی ورزش ہو جایا کرے گی۔

بیوی۔ میں باز آئی ایسے دوست سے۔ مجھے معاف کرو میں تمہاری ورزش کے بغیر ہی بھلی چنگی ہوں

منوہر۔ تمہاری عقل تو دنگ کرنے والی ہے۔ جو ورزش کرتے ہیں وہ پہلوان ہی ہوتے ہیں کیا؟ ورزش تو

صحت درست رکھنے کے لئے ہے ہماری عورتیں جب ہی تو آئے دن بیمار رہتی ہیں۔ غریب

عورتیں تو بچاری دن بھر کچھ کام کرتی ہیں مگر جن کے پاس پیسے ہوئے بس پلنگ سے ہلنا حرام۔

بیوی۔ چلو بس رہنے دو میرا منہ نہ کھلواؤ۔ جن کی نقل کرتے ہو وہ تو گھر کا بڑا کام کرتی ہیں نا

اور ہو آج تم ولایت ہو آئے۔ ہم کیسے ہو گئے۔۔۔

منوہر۔ تمہارا مزاج تو چڑچڑا ہوتا جاتا ہے۔ کچھ بھی تو گھر کا کام نہیں کرتیں تو

ورزش تو کرتی رہو۔

بیوی۔ تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ شریف زادیوں کی زبان سے ورزش کی صلاح دیتے ہو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بیوی۔ [illegible]

[illegible]

منوہر۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

تہذیب والیوں کو۔

منوہر۔ آخر اس نے تمہارا لگاڑا کیا تھا۔

بیوی۔ دیکھو بار بار وہی خیال ہے برا تو کبھی آتا دو دو نوالہ سب کو یا تہذیب ہی کہا۔

منوہر۔ انگریزی دیکھئے اوہو چار بج گئے۔ سہ بجے مجھے کچہری پہنچنا ہے۔ تمہارا تو یہی قصہ پڑا ہے۔

بازار

لچھمن۔ مسٹر منوہر کا نوکر۔

حسینی۔ مرزا صاحب کا سائیس۔

(۴)

لچھمن پانی پینے کو دکان سے ہٹا۔ پڑھے لکھے دل میں برا ہوا۔ اگرچہ نہیں۔ قاعدہ ہے تھا مگر دی داؤں کی سی بری لگی تھی۔

حسینی۔ بھائی جان مجھے بیٹھتے ہوئے دیا۔ بچہ ہو۔

لچھمن۔ کہاں ہے حسینی۔ آؤ۔ ایسے ہم بھی کیا کوئی مرزا جی کے نوکر ہیں؟ جو نمیوں کی چال پہ رہیں ہم آئے۔ ایک دن لچھمن دیکھ یا کبیر تمہارے پچھوں کی کھال اُدھیڑ دیں۔

حسینی۔ ایسے پاس بیٹھو ابھی رہ جائے۔ آئے وہ صاحب ٹیکے ساری دنیا ٹکڑی ٹکڑی رہی ہے۔ سانپ پیر کا لنڈا گھو دیوں کو کھلایا۔ مرزا جی سے کہتا ہے فرصت نہیں کل آنا۔ ہمیں تو ایسی عقل ہے۔

لچھمن۔ حسینی یہ۔ بھئی تو بڑا ذلیل۔ لیے اس منوہر کے ہاتھوں تو نے کیا کچھ نہیں کیا۔ یا خدا جھوٹ نہ بلائے تو آپ بھی ایک آدھ کپڑا اُٹھی ''دھنتوں'' کا ہو گا۔ لے جس کا کھانا اُسے ہی گالیاں سنانا یہ کون ایمان ہے۔

حسینی۔ بچے ابھی پوری کے چھیر میں نہیں آئے۔ جب ان صاحب کی ایک ٹھوکر لگی ساری

خیر خواہی ناک کے رستے نکل جائے گی۔ ابھی ولائتی ٹھوکر کا مزہ نہیں چکھا۔

پچھمن۔ تو تو ہے غبی۔ ڈنکا کا بیٹھے بٹھائے سر پڑا ہے جو ٹھوکر دیں۔ بھائی جان جب ان سے بات ہے آپ ہے یہ دیکھ لو کہ ہم لوگوں کے دن پھر گئے۔ وہ تو نوکر بڑھ گئے ہیں۔ مالی بہشتی۔ خانساماں۔ چوکیدار رہے الگ۔ بڑے لالہ کا تو بس پسینہ کا نہ دم نکلتا تھا۔ اس نے آتے ہی یہاں بنوا دیں۔ جاتے ہیں پھڑکے رہتے ہیں۔ اور میرا تو کام بس یہ رہ گیا ہے۔ جہاں سچ یہ جھاڑ دی۔ اخبار اکٹھے کر کے رکھ دیئے۔ اور باہر دروازے پر بیٹھے رہے۔

حسینی۔ ہاں بھئی تب ہی تم بہت بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو۔ چچا تو جھینک ہی رہا ہے مرزا جی کتنے نیچے کہ پیاسے پر ترس آتا ہے۔ بڑھاپے میں مٹی پلیت ہے۔ تمہاری بلا سے تم تو تر نوالے چکھتے ہو۔

پچھمن۔ یہ تو ہے اپنی اپنی قسمت۔ جیسی جس کا لکھا ہے اُس کو مل گیا ہے۔ پرسوں جلسے میں ہاتھ سے گئے تھے۔ جھٹ ایک روپیہ اللہ کا دلوا دیا۔ بھائی لال جی … باتیں اُن کی تھیں۔ اور کہا کہ حسینی تم تو کبھی سلام کو بھی نہیں آتے … سے کچھ چھین … توڑی پیتے۔ کچھ دیتے ہو۔

حسینی۔ یار میں گیا اور میری کھٹکٹ کیا۔ وہ امیر تھا … اللہ نے اوپر سے … دیا ہے۔ مجھے کب دھیان میں لاتا ہے۔ کبھی دو نے جیب میں آئی۔ مگر پھیر ہی پاؤں کے پیچھے کا ہو رہا۔ کہاں جاؤں امیروں کے بچے طوطے کی سی آنکھیں بدل لیتے ہیں۔

پچھمن۔ کبھی آؤ تو ٹھاٹھ دیکھو۔

حسینی۔ اچھا دیکھو آؤں گا۔ عید آئی ہے کچھ دلوا دیں تو وقت نکل جائے۔

پچھمن۔ آنا مگر پہلے میرے پاس کہیں سیدھے اندر چلے جاؤ۔ تو سچ مچ بگڑ ہی جائیں ان کے پاس تو کلکٹر صاحب بھی بغیر خبر کئے نہیں جاتے۔ اور دروازے پر فقیر

تک کے جانیکا حکم نہیں۔

حسینی۔ جی نہیں جو اس دن مرزا جی کے ساتھ گیا تو نوبجا نہیں پہر دروازے پر تھوڑی دیر دیکھا کیا۔ اتنے میں گھنٹی بجی میں گھبرایا کہ یہ کیا بلا نازل ہوئی بھاگا۔

مسٹر منوہر کا لکچر

تہذیب آباد خاصا بڑا شہر تھا۔ ویسے تو کچھ زیادہ رونق نہ تھی۔ مگر طالبعلموں کی کثرت۔ کالجوں کی زیادتی۔ اور نئی روشنی کے نوجوانوں کی ایک معقول تعداد ہونے کے باعث ترقی یافتہ شہروں میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ کوئی تحریک ایسی نہ تھی۔ جس کی تائید میں یہاں جلسے نہ کئے جائیں۔ اور جس کے شیدائی یہاں نہ نکلیں۔ مسٹر منوہر نے اسے اور بھی مشہور کر دیا تھا۔ اور جب کبھی مسٹر منوہر کے لکچر کی خبر آس پاس کے شہروں میں پہنچ جاتی تھی۔ لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ ہندوستانی تو ہندوستانی انگریز تک اس کا لکچر سننے آتے۔ اور اس کی انگریزی قابلیت پر عش عش کرتے تھے۔ کامل دو ڈھائی گھنٹے بلا اٹکاؤ بولنا اس کے لئے معمولی بات تھی ؎

آج "حب الوطنی" پر لکچر تھا۔ سینکڑوں آدمی ہمہ تن گوش بنے سن رہے تھے۔ مسٹر منوہر نے ایک عجیب تمہید کے ساتھ لکچر شروع کیا ؎

"وہ ملک کتنا گرا ہوا ہے جس میں یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ حب الوطنی انسانیت کی شرط ہے میرے عزیز و بزرگوار اور بھائیو۔ دنیا میں کونسی ایسی مخلوق ہے۔ جسے خود سے محبت نہیں۔ جو ٹھٹے اور برے میں تمیز نہیں کر سکتی۔ جس چیز کو آپ اپنا کہتے ہیں۔ ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہئے۔ کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتے اور اس کی حفاظت کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ ملک اور وہ قوم جس کے افراد اپنے ملک اور اپنی قوم کے متعلق اپنا فرض نہیں سمجھتے۔ تہذیب سے کوسوں دور ہے

پیارے ہندوستانیوں ۔ زندہ دل ہندوستانیوں ۔ تمہارے باپ دادا تہذیب کے چشمہ تھے ۔ کیا تم یہ پسند کرتے ہو ۔ کہ تم ان رشیوں کی اولاد ہوتے ہوئے انکی فضیلت پر فخر کرتے ہوئے مہذب قوم کہلاؤ ۔ میں سمجھتا ہوں ۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا ۔ جو اس بے عزتی کے لئے تیار ہو ۔ پیارے ہم وطنوں اگر تم میں ہمت ہے ۔ اور تم اس بے عزتی کو گوارا نہیں کر سکتے تو کچھ کر کے دکھاؤ زبانی باتوں سے کام نہیں چلتا ۔ تمہاری فضیلت کا باعث تمہارا جوہر کمال تھا ۔ دیکھو وہ کمال ہاتھ سے نہ جانے پائے ۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے ۔ کہ انگریزی چیزوں کی چمکیلی اور عارضی بھڑک پر نہ جاؤ ۔ بلکہ اپنے ملک کی دستکاری کی قدر کرو اپنے باکمالوں کی حوصلہ افزائی کرو ۔ نقصان اٹھا کر بھی غیر ممالک کی مصنوعات کو ترجیح نہ دو ۔ ولایت میں کوئی شخص غیر ملک کی چیز نہیں خریدتا جب تک وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور نہ ہو ۔ یہی ہماری ترقی کا ذریعہ ہے ۔ اور یہی تمہارے لئے راہ نجات ہے ۔ کتنے لوگ ہیں ۔ جو آج سے یہ قسم کھاتے ہیں کہ آئندہ کوئی ولایتی چیز استعمال نہ کریں گے ۔

مسٹر منوہر نے لکچر ختم کیا ۔ تالیوں کے شور سے آسمان گونج اٹھا ۔ لوگوں نے قسمیں کھائیں ۔ کہ اب ولایتی چیز استعمال نہ کریں گے ۔ تو خوشی خوشی گھر آئے ۔ کئی دن تک لوگوں میں منوہر کی قابلیت اور حب وطنی کا چرچا رہا ۔

(۵)

منوہر کے چچا تو بھلا جلسے میں کب جانے والے تھے ۔ اُن کی گھر بیٹھے ہی روح فنا ہو رہی تھی ۔ کہ منوہر کی گرفتاری کی اب خبر آتی ہوگی ۔ بار بار نوکر کو بلا کر پوچھتے تھے ۔ کہ "منوہر آیا" جب انتظار کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی تو بولے ارے بچھمن ذرا جانا ۔ مجھے آج خیر نظر نہیں آتی ۔ اس لڑکے کو کیا خبط سوار ہوا

ہے۔ کہ سرکار کو ہی گالیاں دیتا ہے۔ کیا کروں کمبخت موت بھی تو نہیں آتی۔ منشی جی ابھی یہی جی ہی جی میں یہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ مسٹر منوہر گاڑی پر سوار آنکلے دو ایک وکیل بیرسٹر ساتھ تھے۔ منشی جی آداب عرض کرتے ہوئے مسٹر منوہر کے کمرے میں چلے گئے +

ایک۔ آج تمہارے چچا بہت بگڑے نظر آتے ہیں۔ بیچارے پرانے وقتوں کے آدمی ہیں۔ ڈرتے بہت ہیں۔

دوسرا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ ڈرتے کس بات سے ہیں؟

پہلا۔ بھئی اُن کی تمہاری ہی تو سمجھ ہے نہیں۔ انہوں نے شاہی زمانہ دیکھا ہے۔ اُن کے نزدیک تو

گر شاہ روز را گوید شب است این
بباید گفت اینک ماہ و پروین

منوہر۔ [illegible] تو ماشاءاللہ آپ فارسی شعر کو شاید [illegible] کرنے [illegible]

[illegible]

پہلا۔ [illegible]

منوہر۔ [illegible] دیکھا؟

دوسرا۔ [illegible]

ان میں [illegible] منشی جی [illegible] منوہر کے گھر [illegible] ذرا اطمینان ہوا تھا۔ پلنگ پر پڑے سوچ رہے تھے۔ کہ آخر ولایت میں ایسی کیا بات ہے جس نے سادہ لوح منوہر کو اس قدر بدل دیا۔ اسی خیال میں تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ اب ایک اور نظارہ پیش نظر تھا +

خواب

منشی جی ولایت کی سیر کر رہے ہیں۔ لاٹھی ٹیکتے چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک چیز میں ایک کشش ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ٹھیرنے پہ مجبور کرتی ہے۔ مگر پیچھے سے بھیڑ کی رو ٹھیرنے نہیں دیتی۔ منشی جی ایک حسرت آلود نظر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے جہاں جلسے کا سامان تھا۔ مگر عورتیں ہی عورتیں نظر آتی تھیں۔ منشی جی چکرائے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ عورتیں کیسی بے حیا ہیں کہ کرسیاں میزیں لگائے بیٹھی ہیں۔ نہ کسی کا ادب نہ لحاظ مرد کی ذرا عزت نہیں کرتیں۔ منشی جی یہی سوچ رہے تھے کہ ایک نوجوان لڑکی نے انہیں اجنبی سمجھ کر کرسی دی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اور لکچر اس مضمون پہ شروع ہوئے کہ گورنمنٹ کو اس بات پہ مجبور کیا جائے کہ وہ عورتوں کو بھی پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی اجازت دے اور حقدار سمجھے۔ منشی جی انگریزی آدکیا سمجھتے۔ مگر خوش قسمتی سے ایک بوڑھی عورت جو ایشیائی زبانوں کی عالمہ تھی اور عرصہ تک ہندوستان میں رہ آئی تھی پاس بیٹھی تھی اس نے سارا ماجرا منشی جی کو سمجھایا۔ اور جلسہ کی غرض بیان کی۔ منشی جی نے جو عورتوں کو گورنمنٹ سے یوں لڑتے دیکھا۔ ہوش ٹھکانے آ گئے اور چلا اُٹھے +

"تمہارے منو مہر کا کچھ قصور نہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے درست کہتا ہے میں آج تک غلطی میں تھا۔ عادل حاکم سچائی کی کبھی مخالفت نہیں کرتے" +

پردیسی سیلانی

مخزن میں "رویائے مقصود" کے عنوان سے ایک مضمون شایع ہوا تھا میں نے آزاد کے مقاصد کو اسی انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔

لاکھ روپیہ کی جان کے واسطے

صرف چار آنے خرچنا بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا۔ اور ساتھ ہی جگہ جگہ ہیضہ ہونا بھی ممکن ہے اس لئے وقت رہتے کیوں نہیں ایک شیشی عرق کافور گھر میں ڈال رکھئے۔ یہ ڈاکٹر ایس کے برمن کا تیار کردہ

عرق کافور

۲۲ برس سے تمام ہندوستان میں لاکھوں بار کا آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں احاطہ بمبئی میں قحط اور ہیضہ پھیلا تھا۔ تب اسی عرق کافور سے ہزاروں اشخاصوں کی جان بچتی تھی۔ اور تین مہینہ میں ایک لاکھ شیشیاں فروخت ہوئی تھیں۔ بلکہ ہزاروں سارٹیفکٹ اس کے موجود ہیں۔ منگا کر دل بھر جیئے۔ نقلی عرق سے ہوشیار

قیمت مہر چار آنہ۔ ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ر

امتحاناً بلاقیمت دیا جاتا ہے

ضرور آزمائیے۔ اگر آپ بلاقیمت اس عرق کافور کو آزمانا چاہیں تو صرف محصول ڈاک کے واسطے دو پیسے کا ٹکٹ بند لفافہ میں بھیجئے۔ اور اسی خط دالیں دس خواندہ اور رئیسوں کے نام و پتہ صاف طور پر لکھ دیجئے۔ پتہ لکھنے میں مقام ڈاکخانہ و ضلع لکھئے گا۔

المشتہر ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ڈاکٹر باٹلی والا کا ایگیو رکیور

جملہ اقسام کی تپ انفلوئنزا وغیرہ کا شرطیہ علاج

صرف چند رایوں کا خلاصہ

میں نے اس کو قابل اعتبار و پر اثر پایا۔ ۔ ۔ سرجن میجر جنیفر
بیشک پر تاثیر و مفید ہے۔ ۔ ۔ ۔ سرجن میجر پوئنٹر
اسکے استعمال سے بہت فائدہ ہوا ہے چیف انجینیئر گریٹ ای سی سی مزری ا
سب سے زیادہ سود مند نافع ہے دیری پورنڈی پی فروسٹ پادری

اس سے تپ فوراً ہی ہو جاتا ہے جی سی رشی سول انجنیر۔
در اصل یہ جان بلب آدمی کے لئے آب حیات ہے۔
پی۔ جی۔ ڈیلی ۔ ۔ ۔ ریلوے ڈیپارٹمنٹ
قیمت ایک روپیہ فی بوتل

المشتہر

ڈاکٹر ایچ۔ ایل۔ باٹلی والا۔ وادر بمبئی کے پتہ سے ملیگا

کانگرس نمبر مفت

جو صاحب آزاد کے نئے خریدار ہوں۔ اور سالانہ قیمت پیشگی بابت سنہ ۱۹۰۸ء بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں۔ انہیں آزاد کا کانگرس نمبر مفت نذر ہوگا۔ یہ وہ نمبر ہے جس کی متعدد درخواستیں روز آتی ہیں۔ اس لئے جلد درخواست بھیجیں۔ تاکہ بعد میں مایوس نہ ہونا پڑے۔

منیجر آزاد لاہور

درخواست کے وقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

لختے بردار دل گذر د ھسکہ بچشم
من قاش فروش دل صد پارۂ خویشم

پیارے ناظرین! کیا آپ کو کبھی ضرورت سفر نہیں پیش ہوتی؟ جب آپکو گاڑی کے چھوٹنے کا وقت کون بتلاتے؟ میری ملنے میں تو یا آپ خود اسٹیشن تک قدم رنجہ فرمائیں یا اپنے کسی ملازم کو تکلیف دیں۔ اچھا اگر آپنے اس قدر مشقت اٹھا کر یہ امر دریافت بھی کر لیا تو آپکو یہ نہیں معلوم کہ وہ گاڑی جس پر آپ سوار ہونگے کون کون شہر ہو کر اور کتنے عرصہ میں اسٹیشن منزل مقصود پر اور پھر اسٹیشن پر کس سواری کے ذریعہ سے جہاں آپ کا منشا ہے۔ پہنچتے ہیں پہنچنے تک گاڑی کہیں راہ میں تو تبدیل کرنا پڑے گی؟ جس جگہ کا آپنے عزم کیا ہے وہاں پہنچکر آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ وہاں کون کون عمارتیں لائق دید ہیں؟ وہاں کسی بزرگ کا عرس یا میلہ تو آپکے زمانہ قیام میں نہ ہوگا؟ وہاں سے اپنے پیارے بچوں، چہیتی بیوی اور بہن بھائیوں کے لئے کیا کیا چیزیں تحفتاً لائیں گے +

میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ آپکو مذکورہ بالا باتیں ایک معمر و سن آدمی یا ریلوے ملازم ہرگز نہیں بتا سکتا! پھر آپ ایک ایسا رہنما کیوں نہ اپنے ساتھ رکھیں جو آپکو تمام سفر کی قسم کی دقت نہ ہونے دے اور دروازہ پر یہ تمام و آسایش حاضر پہنچا دے۔ **ہاں** اب آپ فرمائیں یہ سوال کیجئے کہ اس **رہنما** کا کیا نام ہے اور کیا اجرت لیگا؟

پیارے مسافرو! میں اب اس بیمثل اور لاجواب رہنما کا نام اور اجرت بتاتا ہوں مگر اس شرط سے کہ آپ فراموش نہ کریں۔ سنئے اور یاد رکھئے اس رہنما کا نام جو ماہوار ترمیم ہو کر شائع ہوتی ہے۔ **اردو ریلوے گائڈ** ہے اور قیمت صرف چار آنہ فی جلد بلا محصول اور ۱ للعہ سالانہ پیشگی مع محصول ڈاک +

اشتہار دینے والے تاجرو! چونکہ اردو ریلوے گائڈ میں کم سے کم تمام دنیا کی معلومات کا ذخیرہ ہے جا بجا جہاں تک اقبال کی طرح بکتا نہیں ریلوے بک اسٹال ریلوے اسٹیشنوں، ڈاکخانوں، ہوٹلوں، کلب گھروں اور دیگر سوداگروں کے یہاں سے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ماہوار فروخت ہوگی۔ لہٰذا ہم وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ واقعی آپکو اس سے بہتر کوئی ذریعہ اشاعت قیامت تک نہیں مل سکتا! ہمکو دخل دینا آپ کا فرض ہے +

اب آپ حضرات یہ سوال کریں گے کہ ایسا لائق رہنما عنقریب چھپنے والا ہے کہاں سے ملیگا؟ اور اس میں اجرت طبع اشتہار کیا دینا ہوگا +

دوستو! میں آپکو اس گائڈ کے ملنے کا پتہ پھر بتاؤں گا ذرا ایک بات سن لیجئے! وہ یہ کہ پہلے صرف آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجکر **مکمل جنتری بابت ۱۹۰۸ء** اور ایک کاپی تازہ **اخبار تفریح** کی **مکمل مفصل اشتہار "اردو ریلوے گائڈ"** اسی وقت سے جہاں سے کہ یہ **گائڈ** آئیگا بلا قیمت منگا لیجئے تا کہ آپکو **گائڈ** مفصل مضامین و اجرت طبع اشتہار وغیرہ سے پوری پوری واقفیت ہو جائے اور گائڈ مذکور آپکے انڈر وٹیوس سے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

اب میں حسب وعدہ آپکے سامنے ذرا جلی حرفوں میں **اردو ریلوے گائڈ** وغیرہ کے ملنے کا پتہ تحریر کرکے پیش کرتا ہوں۔ پڑھئے اور کسی یادداشت میں لکھ رکھئے وہ۔

یہ ناشد پاو نقد دامعہ کا سب سے بڑا اور مشہور مطبع

نولکشور اسٹیم پریس لکھنؤ

درخواست کے وقت آزاد کا حوالہ ضرور دیں

اردو زبان اور ملک کا مصلح کل

آزاد

مرتبہ بشن سہائے آزاد

نمبر ۶	دسمبر ۱۹۰۷ء	جلد ۲

فہرست مضامین

قیمت سالانہ قسم اول ۳ روپے قسم دوم ۲ قسم سوم (بلا تصویر) ۱ مع محصول ڈاک

آزاد پریس لاہور میں چھپکر مالک کے اہتمام سے شایع ہوا

پولیٹیکل لٹریچر

ہندوستان میں آثار بیداری کے ساتھ ساتھ یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے - کہ ایسا پولیٹیکل لٹریچر جو ملک میں حقیقی جذبات اور جائز خواہشات پیدا کرنے والا ہو ملک کے روبرو پیش کیا جائے ہم خود ان ملک محسوس کر رہے ہیں - کہ محض اسی لٹریچر کی کمی ہے کہ بعض اوقات ناتجربہ کار اور مبتدی سیاست کی دشواریوں سے ناواقف لوگ ملک کے لئے مصائب لاتے اور ہندوستان کی ترقی میں زیادہ الجھن ڈال دیتے ہیں - آزاد کی اشاعت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک کو اس قسم کی تصنیفات کی ذاتی لائبریری کی ضرورت ہے انگریزی میں تو ایسی بہت سی کتابیں ملیں گی مگر اردو علم ادب ابھی تک ان سے محروم ہے اس اہم ضرورت کو محسوس کر کے ہم نے ایسی تصنیفات جو با مذاق محبان وطن کی الماریوں کی زینت اور ان کی خدمت میں باریاب ہونے کے لائق ہوں اردو میں شائع کرنیکا ارادہ کیا ہے اس سلسلہ میں انگریزی تصانیف کے تراجم کے علاوہ ملک کے نامور زمانہ شناس اہل قلم کی تصانیف بھی شائع کی جائیں گی اور ان کی اشاعت کا انتظام اچھے کاغذ صحت اور خوبصورتی کے ساتھ ہو گا - اس سلسلہ کا آغاز مشہور محب ہند سر ہنری کوٹن کی لاجواب تصنیف

نیو انڈیا

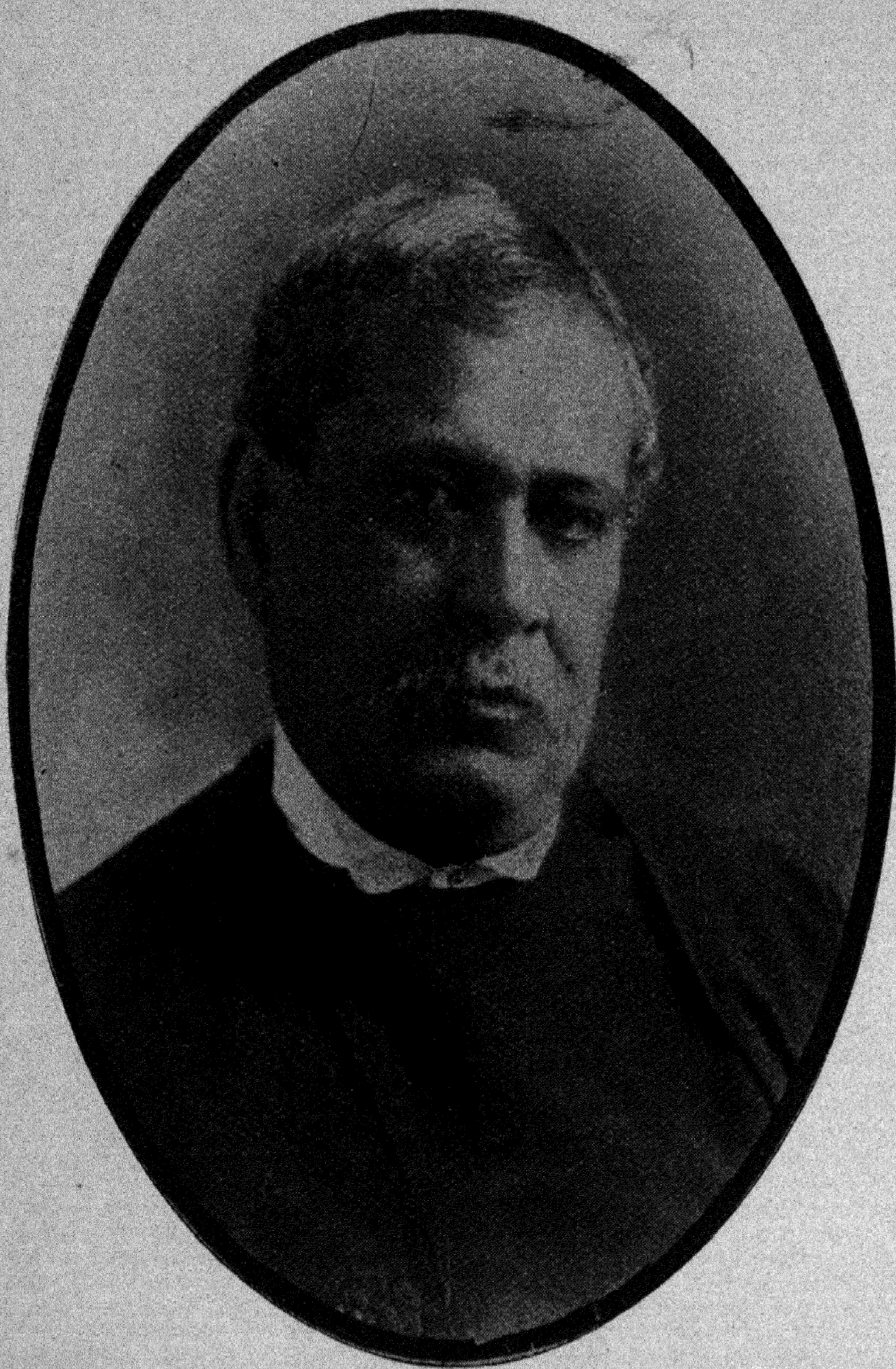
کے ترجمہ سے ہو گا - اور آئندہ سہ ماہی کم از کم سو صفحہ کی ایسی ہی تصنیف ملک کے بہبود پیش کی جائیگی مگر اس سلسلہ کی کامیابی کے لئے کم از کم پانچ سو ایسے محبان وطن کی ضرورت ہے جو اس سلسلہ کی مستقل خریداری منظور کریں - ہم پیشگی قیمت نہیں مانگتے صرف عہ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر نام درج کرا لیجئے اور پھر ایک تصنیف آپکی خدمت میں بصیغہ ویلیو پی ایبل بھیجدی جائیگی یہ کوشش کی جائیگی کہ سال کی چاروں تصانیف کی قیمت کسی صورت میں للعہ سے زیادہ نہ ہو اس ارادہ کی کامل تکمیل کیلئے محبان وطن کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے -

نیاز مند بشن سہائے آزاد مالک و ایڈیٹر



D. E. Wacha.

C. S.P.



Dr. Rosh Behari Ghose.

C. S. P.

فہرست مضامین رسالہ آزاد جلد دوم

جولائی ۱۹۰۷ء لغایت دسمبر ۱۹۰۷ء

ہاف ٹون تصاویر ۱۲: سر فیروز شاہ مہتہ۔ مسٹر رومیش چندر دت۔ مسٹر جسٹس رانیڈے۔ راجہ راوی ورما۔ سوامی رام۔ سوامی وویکانند۔ نظام حیدر آباد دکن۔ ڈاکٹر راش بہاری گھوش۔ مسٹر واچا۔ مسٹر گھا پر ڈے۔

ب

ج

جلد کے نمبر رسالہ میں صفحہ کے نیچے درج ہیں

سال اوّل

آزاد کی اپنے سرپرستوں سے اپیل

پیارے ناظرین آزاد بفضل خدا اب ایک سال کا ہوا۔ اس قلیل عرصہ میں جو ہر دلعزیزی آپکے آزاد کو حاصل ہوئی اور جو حیثیت اس نے اپنے معاصرین میں پیدا کرلی وہ حوصلہ افزا امیدیں ہیں جنہوں نے باوجود مالی مشکلات اور پریس کی دشواریوں کے آزاد کی خدمت کیلئے میرے حوصلوں کو قائم رکھا اور مجھے اس فرض کو جسے شوق یا شہرت کی نیت سے نہیں بلکہ ملکی خدمت کی آرزو نے اپنے ذمہ لیا تھا انجام دینے کی ہمت دی۔ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی پریس کی دشواریوں سے مجبور ہوکر میں آزاد کے لئے ایک پریس قایم کرنیکی ضرورت محسوس کرتا اور مالی کمزوری سے اسے ناقابل عمل سمجھ کر اس فرض سے سبکدوش ہونیکا ارادہ کرتا تھا تو آزاد کی ہونہار صورت حسرت آلود نگاہ اور لب خاموش اشاروں سے یہ کہتے معلوم ہوتے تھے کہ "یہ شرط وفا نہیں" آزاد کی اشاعت جن اغراض کی تکمیل کے لئے کی گئی ہے اسکے سامان بہم پہنچ گئے۔ ملک کے مسلمہ لیڈروں اور نامور ہر دلعزیز مضامین نویسوں نے قلمی سرپرستی کا اعزاز بخشا اور میری اپیلیں جو وقتاً فوقتاً بحالت مجبوری ناظرین آزاد سے کی جاتی رہیں۔ بالکل بے سود ثابت نہیں ہوئیں۔ بلکہ بعض احباب نے اپنے حلقہ اثر میں آزاد کو پہنچانے کی کوشش کی جس کا شکریہ ادا نہ کرنا کفران نعمت ہوگا۔ مگر جن مقاصد کی اشاعت آزاد کی اشاعت سے مقصود ہے ان کی تکمیل کے لئے مزید امداد کی ضرورت ہے۔ سال اول کی کارگذاری کی رپورٹ اور نئے سال کے نئے ارادوں کی کیفیت مختصراً ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور اس کے بعد میں ناظرین آزاد کے فیصلہ پر چھوڑتا ہوں کہ انہیں اپنے آزاد کی کس قدر فکر کرنی چاہئے۔

جنوری سنہ ۱۹۰۶ء سے پیشتر اردو میں ایک بھی پولیٹکل رسالہ نہ تھا۔ جو رسالے اچھے انتظام سے شائع ہوتے تھے ان میں زبان آرائیوں اور اردو لٹریچر کی نزاکت کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ کی جاتی تھی۔ دو ایک رسالے لٹریچر کی خدمت کے ساتھ ساتھ پولیٹکل مضامین میں بھی کبھی کبھی زور قلم دکھاتے تھے۔ مگر ایسا رسالہ ایک بھی نہ تھا جس کی اشاعت محض پولیٹکل اغراض سے ہو اور جو ملک میں صحیح مذاق پیدا کرنے کے قابل ہو۔ اہل ملک کے حقوق کی نگہداشت کرے اور ان کی غلطیاں انہیں بتلائے اور جب کبھی اختلاف رائے سے کسی معاملہ میں الجھن پڑ جائے۔ تو کسی ایک فریق کا طرفدار نہیں۔ بلکہ سب قوموں اور تمام ملک کا ثالث بنکر انہیں ایک دور اندیش معالج کار کی طرح خطروں سے بچائے اور سچائی کا راستہ دکھائے۔ ملک میں اتحاد کی روح پھونکے اور مختلف مذاہب کے اہل قلم کے لئے ہندوستان کے مختلف فرقوں کی مشترکہ اغراض کی تکمیل کے لئے ایک ایسا پلیٹ فارم جس کا مذہب ہندوستان اور عقیدہ خدمت ملکی ہو۔ دنیا میں کوئی شخص ایک وقت میں کبھی سب کو خوش نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہر ایک معاملہ پر رائے زنی کرتے ہوئے اور اپنے پاک فرائض کو انجام دیتے ہوئے ضمیر اور راستی کے سوا کسی کو اپنا رہبر نہ بنائے۔ یہ اغراض کچھ ایسے پسندیدہ ثابت ہوئے کہ آزاد کی اشاعت کا اعلان ہوتے ہی اخباری دنیا میں اس کے متعلق تحسین ہونے لگی اور اس قسم کے او رسالوں کی اشاعت یا لٹریچر کے رسالوں میں پولیٹکل رنگ کی جھلک دکھانے کی فکر کی جانے لگی اور میرے اور آزاد کے لئے یہ باعث کمال مسرت تھی کہ جو خیال مجھ ناچیز نے پیش کیا اور جس کی اشاعت کا بیڑا آپ کے آزاد نے اٹھایا وہ ملک میں اس قدر پسند کیا گیا کہ اوروں نے بھی اس کی تقلید کی۔ مگر آپ کے آزاد میں باوجود اس تقلید کے بھی کچھ خصوصیات ہیں جو اسے اپنے ہمعصروں میں ممتاز بناتی ہے اور وہ ان معزز احباب اہل قلم کی توجہ ہے جن میں سے بعض نے تو نیازمند ایڈیٹر کی دلی دوستی اور خدمت ملکی اور بعض نے محض خدمت ملکی کے جوش میں غائبانہ طور پر آزاد کی امداد کی اور اس کی سرپرستی سے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں جانتا ہوں کہ جب کبھی اہل ملک نیازمند ایڈیٹر کو آزاد کی کامیابی کی مبارکباد دیتے ہیں تو اس سے زیادہ ان احباب کی دماغی قابلیت اور حب قومی کی داد دیتے ہیں جنہوں نے اپنی لگاتار دماغی محنت سے آزاد کو

اپنے معاصرین میں ممتاز اور اپنے اغراض میں کامیاب بنایا۔ یہ ان ہی احباب کی دماغی قابلیت کا نتیجہ تھا۔ کہ امریکہ میں جہاں فن اخبار نویسی درجہ کمال پر ہے آزاد پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور وہاں کے اخبارات نے اسکے مضامین کے ترجمے خاص اہتمام سے اپنے کالموں پر شایع کیے۔ اردو اخبار نویسی کی تاریخ میں یہ پہلی بات تھی جس کا فخر آپ کے آزاد کو حاصل ہوا مگر کیا یہ تمام کامیابی اور ہر دلعزیزی ان مقاصد و اغراض کی جنہیں لیکر آزاد شایع ہوا منزل مقصود ہے؟ نہیں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے جب تک آپ کی امداد شامل نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا جیسا کہ میں نے جولائی گذشتہ میں کہا تھا۔ آزاد نے ایسے وقت میں جنم لیا جب زمانہ سینکڑوں اُمیدیں پیش کرتا تھا اور ہر طرف بیداری کے آثار نظر آتے تھے اور پرورش ایسے زمانہ میں پائی جب ہر طرف سے بھیانک اور خوفناک آوازیں ڈراتی تھیں۔ ایک طوفان تھا جو ملک میں مچا ہوا تھا۔ ایک طرف گورنمنٹ کا جبر و تشدد اور بیگناہوں کی گرفتاری دوسری طرف نامہ نگاروں کا جوش اور بے چینی کی گرم بازاری۔ وقت آیا اور نکل گیا اور بڑے بڑے اہل الرائے اخبارات اس سے موثر ہوئے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آزاد پر زمانہ کے انقلاب کا کوئی اثر نہیں ہوا اس کے مقاصد اور اغراض میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور یہ اب بھی اسی سچائی کی پالیسی کا حامی ہے جس کا پیشتر تھا۔ اس کے نزدیک کسی معاملہ پر رائے زنی کرنے کے لئے ضمیر سے بہتر رہبر نہیں اور یہ اسی کی پیروی کرتا ہے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے تو آزاد کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے تو اس چھوٹی عمر میں یہ کام خاصا اطمینان بخش ہے۔

تاخیر اشاعت کا مرض جو عموماً سب اخبار اور رسالوں میں پایا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ باوجود سخت کوشش کے آزاد اس سے نہ بچ سکا اور مجھے بحالت مجبوری اس سال دو مجموعی نمبر شایع کرنے پڑے۔ میں حیران ہوں کہ اس بیقاعدگی کی عذر خواہی کن الفاظ میں کروں کیونکہ پریس کی مشکلات اور ایک نئے پریس کے قایم کرنے کی دقتیں جو بجائے خود میرے لئے خواستگار معافی ہیں ہوتے ہوئے بھی میں ایک لفظ بھی اس تقصیر کے عذر میں کہنا نہیں چاہتا۔ اور میں گنہگار کی طرح خاموشی میں معافی کا طلبگار ہوں جو تقصیر کے جواب میں اپنی نیچی نظروں سے جرم کا اقبال کرتا ہے۔ مجموعی نمبروں کی تلافی تو آزاد کے خاص نمبروں نے کردی اب تاخیر اشاعت کے لئے میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ کی امداد شامل حال رہی تو آیندہ یہ ناگوار صورت پیدا نہ ہوگی اور عنقریب جنوری اور فروری کے دونوں نمبر حاضر خدمت ہونگے۔ اور آیندہ

ہر مہینہ کے تیسرے ہفتہ میں آزاد حاضر ہو جایا کرے گا +

سال گذشتہ کی رپورٹ تو مینے آپکی خدمت میں پیش کر دی اب سال آیندہ کے ارادے عرض کرتا ہوں جن کا آغاز محض آپکی امداد اور قدر دانی کی امید پر کیا جاتا ہے ورنہ آزاد کی مالی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی خدا آپکی ہمت میں برکت دے اور آپ اس سال تو کم از کم اپنا خرچ برداشت کرنیکے قابل اپنے آزاد کو بنا دیں تاکہ مالی مشکلات میرے حوصلے پست نہ کریں اور وہ ارادے جو آزاد کی خدمت کے متعلق ابھی میرے ذہن عمل میں آسکیں +

(۱) ماہ جنوری سے آزاد کی ضخامت میں اسی قیمت میں ۸ صفحہ کا اضافہ کیا جائیگا +

(۲) تصاویر اور کاغذ میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوگی - کاغذ سودیشی بڑھیا آزاد کے لئے منگوایا گیا ہے اور اسکے پہنچ جانے پر آیندہ قسم اول کے لئے ولایتی کاغذ استعمال کیا جائیگا +

(۳) اختلاف رائے کے متعلق ایک مضمون بحث طلب ہمیشہ شائع ہوگا - اور وہ ایک ستہ جواب اور لکھنے والے کا جواب دیئے جانے پر مکمل سمجھا جائیگا +

(۴) بہت سے نئے مستند مضامین نگار جن سے اوراق آزاد ابھی تک محروم ہیں - آزاد کے پلیٹ فارم پر اپنے خیالات ظاہر کرینگے +

غرض اس قسم کے بہت سے نئے ارادے ملک کے روبرو پیش کیا چاہتا ہوں جن کی تکمیل محض آپ کی امداد پر منحصر ہے - سال گذشتہ آزاد کے لئے مشکلات کا سال تھا خدا کرے سال نو اطمینان اور ترقی کا سال ہو اور یہ سب کچھ آپ کی طاقت میں ہے جن احباب نے ابھی تک اپنے حلقہ اثر میں آزاد کیلئے کوشش نہیں کی وہ اگر آزاد کی ترقی چاہتے ہیں اور اس کی زندگی کی قدر کرتے ہیں وہ کوشش کریں - ایک ایک دو دو خریدار دیدینا کوئی بڑی بات نہیں صرف اسی تحریک کی ضرورت ہے اس نمبر میں دو مطبوعہ فارم خریداری ارسال ہیں تاکہ آپکو اپنے دوستوں سے درخواست لکھوانے کی تکلیف نہ کرنی پڑے - ہمت کیجئے اور دیکھئے کہ آزاد کیا کر سکتا ہے +

جن احباب کے چندے ختم ہو گئے ہیں وہ بھی بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں - یہ بھی بڑی امداد ہوگی - کیونکہ ان دونوں کام زیادہ ہے اور وی پی بھیجنے میں وقت کی ضرورت ہے ایک منشی کی تنخواہ بچانا ہی بڑی امداد ہے +

نیازمند
لبشن سہائے آزاد مالک و ایڈیٹر

نوٹ - لالہ لاجپت رائے اور مسٹر کھاپرڈے کی تصاویر باوجود انتظار وقت پر نہ پہنچ سکیں اس لئے شامل رسالہ نہیں ہیں - آیندہ حاضر ہوں گی +

کانگرس نمبر

آزاد

افسانہ رہنما

از فخر ہندوستان لالہ لاجپت رائے لیڈر پنجاب

امید و خوشی۔ رنج و غم تو دنیا کے ضروری مرحلے ہیں مگر ان کی تفریق بھی عجب اثر رکھنے والی ہے وہ امید جو ناامیدیوں سے پیدا ہو۔ وہ خوشی جو رنج کے بعد نصیب ہو۔ وہ رنج جو خوشی کے عالم میں صورت دکھائے! انسانی طبائع پر سحر کا اثر رکھتا ہے۔ جب ہم اس مصیبت کا خیال کرتے ہیں جب آزاد کے قلمی سرپرستوں کا ممتاز ممبر ہم سے یکایک چھین لیا گیا۔ اسکے بیش بہا مضامین زینت اوراق آزاد کرنیکی امید کا خون ہوگیا اور ایک ایسی مایوسی کا دل پر تسلط ہوا جسکا قبضہ نہایت مضبوط معلوم ہوتا تھا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! آہ پیارے ناظرین وہ مایوسی کیسی صدمہ شکن تھی۔ وہ ایک ایسا درد تھا جسکا درمان نہیں تھا مگر تو ہمارے دیگر معزز احباب جن کی تحریریں ہمیشہ عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور جنہوں نے آزاد کو اپنے مقاصد میں کامیاب بنایا ہے ہر وقت ہماری حوصلہ افزائی کو تیار تھے۔ مگر یہ ایک ایسی کمی تھی جو کسی ظالم کی برچھی کی انی کی طرح دل میں کھٹک رہی تھی اور نہ صرف ہمیں اور ہمارے ناظرین کو بیقرار کر رہی تھی۔ بلکہ قلمی سرپرستوں کی انجمن کو بھی افسردہ کر دینے والی تھی۔ مارچ کے آزاد میں جب پریس کی آزادی کا ناتمام مضمون پڑھتے تھے اور اسکے پورا کرنیکا وعدہ خیال کرتے تھے تو جو حالت دل پر

گذرتی تھی۔ وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس افسردگی کے بعد جو خوشی حاصل ہوا اس ناامیدی سے جو امید پیدا ہو۔ اس کا دل پر کیا اثر ہوگا۔ ذرا پہلو پر ہاتھ رکھیئے اور پوچھیئے ہم میں تو اسکے بیان کرنیکی طاقت نہیں۔ مبارک ناظرین آزاد مبارک۔ مبارک اہل قلم مبارک اور اگر اجازت ہو تو ہم خود کو بھی ایکبار مبارک کہیں۔ نہیں تمہارا حبیب عین مایوسی کے عالم میں ملگیا اور ہر دوکیا ملا علم و فضل اور آرائے نیک کا خزانہ ملگیا جس سے اوراق آزاد مالامال ہوتے رہے ہیں اور ہونگے +

جس قدر خطوط آزاد کے قدردانوں نے آزاد کے سرپرست لالہ لاجپت رائے کے مضامین کا سلسلہ شروع ہونیکا وقت دریافت کرنے کے لئے بھیجے تھے۔ ان کا فرداً فرداً جواب دینا دشوار تھا۔ اسلئے ہم جواب نہ دینے کی گستاخی کی معافی چاہتے ہیں۔ اور جواب میں اس قدر عرض کرتے ہیں کہ سلسلہ تو شروع ہو گیا اور اس سلسلہ کا آغاز ایک ایسی تصنیف سے ہوا ہے جسے ایام جلاوطنی نے متبرک بنا دیا پس سلسلہ تو نہایت مبارک ہے مگر اس کا انحصار آپکی ہمت اور کوشش پر ہے۔ قدردانی کا بہترین طریقہ توسیع اشاعت ہے۔ (ایڈیٹر) +

مانڈلے فورٹ اپر برہما ۲۳۔ جون ۱۹۰۷ء

آج جس بستی میں میں بدنصیب ہند کے ساتھ پیار کرنے کے جرم میں قید ہوں وہ ۲۲ برس پہلے ایک آزاد۔ خود مختار۔ نیک مزاج مگر سادہ لوح قوم کا دارالخلافہ تھا جس بنگلہ میں بیٹھا ہوا میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ اُس سے ۲۰۰ گز کے فاصلہ پر جنوب کی جانب اُس ملک کے آخری تاجدار کے محلات شاہی ہیں جو اپنی شان۔ اپنی سجاوٹ۔ اپنی سج دھج۔ اپنی بناوٹ۔ اپنی رنگارنگی اور اپنی کمزوری بزبان حال سے اس قوم کی زندہ دلی۔ سادہ لوحی اور رنگین مزاجی کی ساکن شہادتیں ہیں۔ ان محلات کے گرداگرد مختلف موقعوں پر وہ لوہے کی توپیں بڑی اور چھوٹی پڑی ہوئی ہیں۔ جن کو اس قوم کے سادہ لوح مگر علیش پسند حاکم اپنے لئے باعث قوت خیال کرتے تھے۔ مگر ضرورت کے وقت جن کو چلانے کی کسی کو جرأت

تک نہ ہوئی۔ اِن محلات شاہی کے احاطہ میں مختلف قسم کے درخت کھڑے ہیں۔ جو اپنے قدرتی جوبن میں اُس قدرتی خوبصورتی و رنگینی کا گویا نمونہ ہیں۔ جو اِس قوم کا سنگار شمار کی گئی ہے +

اگر اِس ملک کے باشندوں کے حالات و روایات صحیح ہیں۔ جو اُن کی پولٹیکل ماتحتی سے پہلے سیاحانِ یوروپ نے قلمبند کئے ہیں۔ تو سچ مچ یہ ملک مولانا آزاد کے نیرنگ خیال کا "ملک فراغ" تھا۔ جہاں تمام اولاد آدم جو اِس ملک میں آکر جاگزین ہوئی تھی۔ اور جنہوں نے اس ملک کو اپنا وطن مالوف بنایا تھا۔ "مسرت عام اور بےفکری مدام کے عالم میں بسر کرتی تھی"۔ جن کا ملک ملک فراغ تھا جس کے باشندے آرام کے بندے قدرتی گلزاروں میں گلگشت کرتے تھے۔ ہرے ہرے سبزہ کی کیاریوں میں لوٹتے تھے۔ آب حیات کے دریاؤں میں نہاتے تھے۔ جہاں ہمیشہ باوجود مشرقی آفتاب کی روشنی و طپش کے وقت صبح کا اور موسم بہار کا رہتا تھا۔ جہاں کے باشندے خدا کے پانی کو شربت شراب سے زیادہ مزہ دار اور دودھ سے زیادہ قوت دینے والا سمجھتے تھے۔ جن کو سیدھے سادے کھانے اور جنگلوں کی پیداوار بن خوان نعمت کا مزہ دیتی تھیں۔ جن کے لئے آب و ہوا قدرتی غذائیں تیار کر کے زمین کے دسترخوان پر چن دیتی تھی۔ جہاں "نسیم کی شمیم میں ہوائی خوش بوئیوں کے عطر مہک رہے تھے۔ جہاں بلبلوں کے چہچہے۔ خوش آواز جانوروں کے ترانے جان زات سنائی دیتے تھے۔ خوبصورت چرند پرند آس پاس کلیل کرتے پھرتے تھے۔ جابجا درختوں کے جھرمٹ تھے۔ اُن کے سایہ میں برہما دا لے چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ عیش و آرام کے قدرتی سامان اِس بہتات سے تھے۔ کہ ایک شخص کی فراوانی سے دوسرے کے لئے کمی نہ ہوتی تھی۔ اور کسی طرح ایک کو دوسرے سے رنج نہ پہنچتا تھا۔ سب کی

طبیعتیں خوشی سے مالامال اور دل فارغ البال تھے +

مگر ہمارے افسوس یہ زمانہ ناہنجار کبھی کسی کو مدت مدید تک ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔ آخر اس باغ عدن کی مہک خوشبو حسد لالچ کے شہزور شہزادوں کو کھینچ لائی۔ اول اول تو لوگ اِس گلزار میں گلگشت کے بہانے سیر و تماشا کے لئے آنے لگے۔ آہستہ آہستہ فریب کے جاسوس اور سینہ زوری کے جنات اپنی شعبدہ بازیاں دکھلانے لگے۔ حتےٰ کہ چند روز کے بعد کھلم کھلا غارت تاراج۔ لوٹ۔ مار آن پہنچے۔ اور ڈاکے مارنے لگے۔ ۲۵ برس پہلے جن کو اہل ملک سینہ زوری کے جاسوس۔ زیادتی کے ایجنٹ سمجھے جاتے تھے۔ یا یوں کہو۔ کہ ۲۵ برس پہلے جو ملک کے مالک تھے۔ وہ آج اگر چوں وچرا کریں۔ تو ڈاکو ہیں۔ اور اُس وقت جو ذرا سی حیل وحجت پر سفاکوں کی طرح گردن زدنی تھے۔ وہ آج ملک کے مالک ہیں۔ اُن کا حکم چار دانگ برہما میں قانون کی منزلت رکھتا ہے۔ اُن کی حکم عدولی جرم ہے۔ اُن کے قانون کی خلاف ورزی قابل سرزنش اور اُن کی حکومت و سلطنت کی بدخواہی بغاوت اور سیڈیشن ہے۔ سچ ہے دنیا میں یہ نقشہ قدیم سے چلا آیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ زمین گول ہے۔ زمانہ اور قسمت بھی گول ہیں۔ آج جو اوپر ہیں کل وہ نیچے۔ آج جو آزاد کل وہ پابند۔ قدرت کا قانون ایسے ہی کھیل اور تغیر دکھاتا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ باوجود اِن تبدیلیوں اور تغیرات کے قدرت بھی قانون کی پابند ہے۔ اُس کا ہر ایک نظارہ قانون کی اسی بنا پر مبنی ہوا ہے۔ اور مستقل۔ کبھی نہ بدلنے والے اور نہ ٹلنے والے اصولوں و قوانین کا پابند ہے۔ قدرت کی خوبصورتی۔ اور اُس کی دلچسپی۔ اُس کے تغیرات اور اُس کے استقلال دونوں میں ہے۔ وہ مستقل بھی ہے اور چنچل بھی ہمیشہ حرکت کرتی ہے۔ اور اُس کی تمام حرکتیں مقررہ

مقررہ قوانین کے تابع ہیں۔ ہمیشہ بدلتی ہیں مگر تمام تبدیلیاں کبھی نہ بدلنے والے اصولوں کے ماتحت ہیں۔ اس ملک برہما میں جو تبدیلی اِس ۲۲ سال کے عرصہ میں وقوع میں آئی۔ اور جس کی رفتار دن بدن تیزی پر ہے اُس کا مطالع ابن آدم کے لئے دلچسپی اور منفعت سے خالی نہیں +

۲۲ برس ہوئے اپر برہما منجملہ اُن چند ایشیائی ممالک کے تھا جس کے باشندے گذشتہ دو ہزار برس کے اندر یا یوں کہو۔ کہ تاریخی زمانہ کی روشنی میں حضرت آدم کی طرح اپنے باغ عدن میں رہتے تھے۔ جنہوں نے نہ کبھی کسی پر فوج کشی کی اور نہ کبھی کسی بیرونی طاقت کے سامنے سرخم کیا۔ نہ کبھی کسی پر چڑھ کر گئے اور نہ کسی سے مار کھائی۔ نہ کسی کے پیراہن آزادی کو داغی کیا اور نہ اپنے دامن خودمختاری پر کوئی دھبہ لگنے دیا۔ حیرانی تو یہ ہے کہ بدبخت ہندوستان کی ہمسائگی میں ہونے کے باوجود۔ نہیں نہیں اُس کی بغل کا ملک ہونیکے باوجود بھی برہما کس طرح اُن غیر قوموں کی دست برد سے بچا رہا۔ جنہوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کیا۔ اور باری باری اپنی دلاوری۔ ہمت۔ شجاعت۔ سینہ زوری اور چالاکی کا نشانہ بنایا۔ ہمارے ناظرین جانتے ہیں۔ کہ ملک برہما ہندوستان کی مشرقی حد میں صوبہ آسام سے ملا ہوا ہے۔ آسام اور برہما کے درمیان ایک معمولی سا سلسلۂ کوہستان حدفاصل ہے۔ جنوب میں برہما کی حد برہم پوتر سے سیراب کردہ علاقوں سے ملتی ہے۔ خلیج بنگالہ کی طوفان زدہ لہریں جس طرح ہندوستان کے مشرقی کنارے کو دھوتی ہیں۔ اُسی طرح برہما کے جنوب مشرقی ساحل سے بھی ٹکراتی ہیں پس باوجود اِس قربت و نزدیکی ہمسائیگی کے بھی اگر برہما اِس قدر عرصہ دراز تک آزادی کے دامن عصمت کو محفوظ رکھ سکا۔ اور غیر اقوام کے لالچ و حسد بھری نگاہوں کی تاثیر بد سے بچا رہا۔ تو اِس کا سبب اور کوئی نہ تھا۔ سوائے اِسکے

کہ ہندوستانی ایک گونہ اُس کی حفاظت کا باعث ہوئے۔ ایشیائی ممالک میں جس قدر پولیٹکل طوفان آئے وہ مغرب کی جانب سے آئے۔ یا کبھی کبھی شمال سے بھی۔ ہندوستان پر جس قدر بیرونی حملہ آور آئے۔ وہ مغرب کی طرف سے۔ شمال سے جب کبھی کسی تند خو قوم نے دخل دیا۔ تو صرف اس طرح پر اور اس قدر جیسی آندھی آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ کچھ خس وخاشاک چھوڑ جاتی ہے۔ اور باقی اُڑا لیجاتی ہے۔ مگر مغرب سے جو پولیٹکل لہریں اُٹھیں۔ اُنہوں نے ملک پر مستقل اثر چھوڑا۔ ہندوستان پر جو لوگ چڑھے وہ عموماً اس کی دولت کے لالچ میں آئے اور آتے ہی اُن کے دامن مراد اس طرح بھر گئے۔ کہ کبھی اُن کو آگے جانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ہندوستان میں اس بہتات سے اُن کو دولت وعیش وعشرت کے سامان حاصل ہوئے۔ کہ یا تو طبیعت سیر ہوگئی اور یا اُن کے مزے کبھی ختم نہ ہوئے۔ جو چیز پائی ضرورت سے زیادہ پائی۔ یہاں تک کہ جس قدر محنت ومشقت اُس کے حاصل کرنے میں درکار تھی اُس سے زیادہ اُس کو رکھنے میں ضروری معلوم ہوئی۔ اگر آرزو کا دامن نہ بھرا تو اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے میدان ہمیشہ کافی ووافی ملتا رہا۔ اور اگر من مانی حکومت مل گئی۔ تو اُس کو رکھنے کے لئے ہمیشہ مستعد وخبردار رہنے کی ضرورت معلوم ہوئی علاوہ اس کے نئے دعوے داروں کی آمد بھی ہمیشہ ہندوستان کی حدود سے آگے بڑھنے کی مانع ہوئی۔ چنانچہ یورپین اقوام نے بھی جس وقت ایشیا کی طرف اپنی عنان توجہ کو پھیرا۔ تو سب کی نظر ہمیشہ اوّل ہندوستان پر ہی پڑی۔ ہندوستان ہی سب کی ہمت الوالعزمی اور حوصلہ کا نشانہ رہا۔ واسکوڈی گاما نے جب مشرق کی طرف رُخ کیا تو ہندوستان ہی اُس کا منزل مقصود تھا۔ اُس کے بعد اہل پرتگال ڈچ اہل فرانس اور

انگریزوں نے جب مشرق کا رُخ کیا۔ تو سب سے پہلے ہندوستان کو ہی اپنا مدعا بنایا۔ پیچ ہندوستان کا ہی سایہ تھا۔ جس نے مشرقی ایشیا میں جاپان اور چین کے سوائے برہما۔ سیام اور انام جیسے چھوٹے ممالک کو غیر قوم کے دخل و تصرف سے بچایا۔ ہر ایک صاحب نظر انسان کے لئے ایسے ملک کے حالات کا مطالعہ پر از دلچسپی و فائدہ ہونا چاہیئے۔ جو تاریخی زمانہ میں کبھی کسی غیر قوم کی پولٹیکل ماتحتی میں نہیں آیا +

عبارت مندرجہ بالا میں ہم نے لفظ "پولٹیکل ماتحتی" کا استعمال ارادتاً کیا ہے۔ کیونکہ گو برہما پولٹیکل طور پر اس سے پہلے کبھی کسی غیر قوم کا ماتحت نہیں ہوا مگر اس میں کچھ شبہ کرنے کی گنجایش نہیں۔ کہ مذہبی۔ اخلاقی اور سوشیل (سماجک) تاثیرات کی وجہ سے مدت مدید سے وہ ہندوستان کا شاگرد رہا ہے۔ دنیا میں اگر ۲۵ برس پہلے کوئی ملک۔ ایسا تھا یا اب بھی ایسا ہے جہاں برہم ساکھی منی گوتم کی تعلیم کا اثر پورے زور میں دیکھ سکتے ہیں۔ تو وہ ملک برہما ہے۔ کیونکہ جس روز سے برہما نے بدھ مذہب کو اختیار کیا۔ اُس روز سے آج تک اور کسی مذہب کو اس ملک میں کسی قسم کا دخل حاصل نہیں ہوا۔ دو ہزار برس ہوئے۔ جب مہاتما بدھ کی تعلیم برہما پہنچی۔ اُس روز سے آج تک اُس کا خالص تسلط اُس ملک اور اس کے باشندوں کی آتماؤں (روحوں) پر رہا۔ نہ یہاں پر۔ "شنتوازم" کی کوئی شعاع پہنچی۔ اور نہ مہاتما "کنفیوشنس" کی تعلیم کا کوئی پرتو پڑا۔ اسلام اور یہودی اور عیسائی مذاہب کا بھی کبھی یہاں اثر نہیں پہنچا۔ ہندوازم کی تاثیرات بیشک کچھ کچھ پائی جاتی ہیں۔ مگر وہ بھی اس قدر جس قدر بدھ ازم اپنے ساتھ لایا۔ چونکہ بدھ مذہب خود اپنی اصلیت میں "ہندوازم" سے نکلا تھا۔ اِس لئے لازمی تھا کہ ہندوؤں کے قانون اور اُن کے رسم و رواج اور اُن کی تہذیب اپنا اثر اُس

ملک پر ڈالتے۔ بدھ دھرم کی تلقین ہندو دھرم کے نشانات سے پُر ہے۔ اسلئے
بدھ تہذیب بھی ان نشانات سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ پس برہما میں ہم ایک
عجیب نظارہ پاتے ہیں۔ نسل سے اہل برہما منگولین تبلائے جاتے ہیں۔ یعنی
اُسی شاخ نسل انسانی کے بچے شمار کئے جاتے ہیں۔ جس سے اہل جاپان۔ اہل
چین اور اہل تبت ہیں۔ برہما کے مشرق اور شمال اور جنوب میں چاروں طرف
منگولین نسل آباد ہے۔ اس لئے لوگ اہل برہما کو انسانی شجرہ نسب میں جاپانیوں
چینیوں اور تاتاریوں کے بھائی بند کہتے ہیں۔ لیکن اپنی طرز معاشرت اور رسوم
ورواجات میں تو وہ یقیناً انڈین ہیں۔ ہر ایک اہل برہما اپنے آپ کو منوجی[۵۱]
کے قانون کا پابند کہتا ہے۔ اہل برہما کی زبان بھی منگولین ہے۔ یعنی اُس
نسل سے ہے۔ جس سے جاپانی اور چینی اور تبتی پیدا ہوئے ہیں۔ گو برمن زبان
اور برمن تحریر میں آرین سنسکرت کی تاثیرات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ تاہم شاید
یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ اگرچہ اہل برہما کا خون اور اُن کا جسم اور اُن کی زبان منگولین
ہیں۔ مگر اُن کا دل ودماغ اور اُن کا مذہب انڈین ہے۔ نیپال کے گورکھا لوگوں
کی نسبت بھی یہی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہماری نگاہ میں تو گورکھا لوگوں کی نسبت
اہل برہما کی شکل وصورت ہندوستانیوں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔
بہت سے برمن ایسے ہیں۔ جن کو بستہ قد ہندوستانیوں سے تمیز کرنا مشکل
ہے۔ اُن کے ناک ویسے چپٹے نہیں ہیں جیسے گورکھا لوگوں کے۔ اور نہ اُن کی
آنکھیں بالکل جاپانیوں اور چینیوں کے مشابہ ہیں۔ تاہم شاید یہ کہنا درست نہ
ہوگا۔ کہ اپنی شکل وصورت۔ خط وخال میں اہل برہما۔ جاپانی اور چینی لوگوں

۵۱۔ گو منو کا قانون۔ مروجہ برہما ہندوستان میں مروجہ منو سمرتی سے مختلف ہے +

کی بہ نسبت ہندوستانیوں سے نزدیک تر ہیں۔ مگر یہ کہنا بالکل غلط نہ ہوگا۔ کہ اپنے رسم ورواج اور طرز معاشرت میں وہ بمقابلہ جاپانیوں اور چینیوں کے ہندوؤں سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں +

اِن وجوہات سے اہل برہما کے حالات اور اُن کے زوال کی تاریخ ہندوؤں کے واسطے خصوصاً بہت دل چسپ ہے +

بودھ مذہب نے ہندوستان میں جنم لیا۔ ہندوستان میں پرورش پائی۔ ہندوستان میں وہ اپنے زوروں پر آیا۔ اور یہاں سے وہ باقی دنیا میں پھیلا۔ مگر سات سو آٹھ سو یا ہزار سال کی برتری کے بعد ہندوستان میں اُس کا نشان نہ رہا اور وہ اپنی مذہبی حیثیت سے جلاوطن ہوگیا۔ تاہم کون ہندو اس امر سے انکار کرسکتا ہے۔ کہ پورانک ہندوازم پر یا اُس کے بعد کی ہندو تہذیب اور معاشرت اور تمدن پر بدھ مذہب اور اُس کی تعلیم نے اپنا گہرا اثر نہیں چھوڑا۔ ہمارا تو یہ یقین ہے۔ کہ قومی حیثیت سے بدھ مذہب ہندوستان کی بربادی اور اُس کی پولٹیکل تنزل کا کارن ہوا۔ بدھ مذہب کے جملہ کمزور پہلو ہندوازم میں سرایت کر گئے۔ بدھ مذہب کو نکالنے اور جڑ سے اُکھاڑنے کے جوش میں ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کے پیشواؤں نے اُن تمام کمزوریوں کو اختیار کر لیا جن سے بدھ مذہب عوام لوگوں کی نگاہ میں پسندیدہ ہو چکا تھا۔ حتےٰ کہ بدھ مذہب کی تاثیرات سے موثر اور کمزور شدہ ہندو تہذیب نے ہندوؤں کے دل و دماغ کو ایسا غیر حقیقی اور کمزور کر دیا۔ کہ ہندو طاقت اُس سے کھوکھلی ہوکر پھر کبھی پنپنے نہ پائی۔ مگر سب سے زیادہ کمزوری ہندوازم کو اپنے ہی اختلافات سے حاصل ہوئی۔ ہندوازم کی "Tolerance" بے حد آزاد خیالی اور بے اندازہ فرقہ بندی اُس وقت میں ہندوازم کی بربادی کا باعث ہوئیں۔ جبکہ ہندوازم

میں سے پولٹیکل طاقت کے اصول سلب ہو چکے تھے۔ اور جبکہ دنیا کے نوجوان مذاہب اپنے عالم شباب میں جوانی کی مضبوطی اور عالی حوصلگی کے زعم میں دنیا میں پولٹیکل برتری کے دعویدار تھے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ دنیا کے تمام کاروبار مذہبی احکام سے منضبط ہوتے تھے۔ اور جبکہ مذہب دنیا کے انتظام میں اختیار کامل رکھتا تھا۔ اور سراسر حکومت کرتا تھا۔ ہندوازم کی عمر رسیدہ عمارت جس کو بدھ ازم[لہ] نے اپنے حملوں سے ضعیف اور کمزور کر دیا تھا۔ دنیا کے نئے مذاہب کے سامنے تاب مقابلہ نہ لا سکی +

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گو نئے تسخیر کردہ ممالک میں مدت مدید تک بدھ مذہب کا بول بالا اور قومی کیرکٹر پر اُس کا اثر غالب رہا۔ مگر ہندوستان میں اُس کی بنیادیں بیخ و بن سے اُکھڑ گئیں۔ (باقی آئندہ) +

لاجپت رائے

ناظرین آزاد یقیناً میرے ساتھ اس خوشی میں شریک ہونگے۔ کہ آزاد نے اپنی زندگی کا پہلا سال بخیر و خوبی ختم کیا۔ اس قلیل عرصہ میں جو جگہ ناچیز آزاد نے اہل ملک میں اپنے لئے پیدا کر لی ہے وہ نہایت مسرت بخش ہے۔ یہ تمام کامیابی معزز احباب اہل قلم کی لگاتار دماغی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ جب اہل ملک نیازمند کو آزاد کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُن احباب کی کوششوں کی داد دیتے ہیں جن کے بیش بہا خیالات وقتاً فوقتاً آزاد میں ظاہر ہوتے رہے اور جنہوں نے آزاد کو اس درجہ پر پہنچایا۔ جس پر آج ہم فخر کرتے ہیں۔ پیارے ناظرین ان کوششوں کی قدردانی کا طریقہ صرف توسیع اشاعت ہے۔ ایڈیٹر

لہ یہاں بدھ مت سے مہاتما بدھ کی پاک تعلیم نہیں بلکہ رائج الوقت مذہب کی طرف اشارہ ہے +

ہندوستانی طلبا انگلینڈ میں

از بھائی پرمانند ایم۔ اے مقیم لندن

ہمارے معزز دوست بھائی پرمانند ایم۔ اے سے ناظرین آزاد بخوبی آشنا ہیں۔ ایسے ہی ہونہار محبان وطن میں سے ہیں جن سے ہندوستان کی بہتری کی امید کی جاتی ہے ڈی۔ اے۔ وی کالج لاہور کیلئے آپ بغرض تکمیل تعلیم ولایت تشریف لیگئے ہیں اور واپس کر برائے نام تنخواہ پر کام کرینگے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس طرح اپنی زندگیاں مبارک کاموں میں صرف کرتے ہیں ذیل کے مضمون میں ہمارے دوست نے ان اثرات کو بیان کیا ہے جو ایک نوجوان کے دل پر ولایت پہنچکر ہوتے ہیں۔ ایڈیٹر

انگلینڈ یا یورپ میں ایک دفعہ پھر جانا ہمارے ہاں ایک خاص عزت اور لحاظ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ عزت اور لحاظ بہت درجہ تک بجا ہے۔ یورپ کی سوسائٹی کی تصویر ہماری سوسائٹی سے اس قدر مختلف ہے۔ کہ اس تصویر کا دیکھ لینا زندگی میں ایک خاص دلچسپی اور فائدہ رکھتا ہے۔ اور میں اس سے بڑھ کر کوئی ضروری بات نہیں سمجھتا۔ کہ ہمارے بزرگ بھی ایک دفعہ اسے دیکھیں۔ اس کو دیکھے بغیر موجودہ دنیا اور زمانہ کی رفتار کو سمجھنا۔ یا اُس کا نقشہ دل میں ذہن نشین کرنا ناممکن سا امر نظر آتا ہے +

اس مدعا کو سامنے رکھ کر انگلینڈ یا یورپ میں آنا اور بات ہے۔ اور نوجوان طلبا کو یہاں روانہ کرنا بالکل اور۔ ہمارے نوجوانوں پر انگلینڈ کے دو مختلف اثر ہوتے ہیں۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ کوئی نوجوان ان اثروں سے بچ سکتا ہو +

اس کا ایک پہلو تو نہایت عمدہ اور مفید ہے۔ جوں ہی کہ ایک نوجوان

ہندوستان کی چار دیواری سے قدم باہر رکھتا ہے ۔ اُس کی ایک طرح سے آنکھیں کھُل جاتی ہیں۔ اُسے انسانی درجہ اور برابری کا علم ہوتا ہے ۔ جس کا وہ ہندوستان کے اندر رہ کر اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ تب اپنا سارا ملک جو کہ وسعت میں اتنا لمبا۔ چوڑا اور چلتے پھرتے جیوؤں سے بھرپور ہے ۔ اُسے ایک وسیع جیل خانہ نظر آتا ہے ۔ جس میں سے انسان کی عظمت کا نام ونشان ہی گم ہو گیا ہے اور جس کے رہنے والے مہربانی ۔ رحم اور حقارت کی تو ہر گوشہ سے امید رکھ سکتے ہیں۔ مگر عزت اور پیار کی ہرگز نہیں +

دنیا میں اُن سے کوئی اتنا بھی ڈر نہیں رکھتا۔ جتنا کہ بھیڑ اور بکری سے ۔ "بھیڑ بن پریت" کہیں بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ جونہی کہ جہاز بحر الہند سے نکلتا ہے۔ وہی انگریز اصحاب جو کہ ہندوستان میں اُس کی شکل دیکھنا گوارا نہ کرتے ۔ اور جن کو دیکھ کر اُس کا ہاتھ خود بخود سلام کے لئے اُٹھ جاتا تھا۔ اب وہ اُس کے ساتھ اپنا رویہ بدل لیتے ہیں ۔ لیکن ابھی تک اُسے یہ تبدیلی صرف ذاتی مہربانی یا خوش اخلاقی کے طور پر نظر آتی ہے ۔ جہاز سے انگلینڈ میں اُترا ۔ تو اُسے محسوس ہونے لگ جاتا ہے ۔ کہ وہ بھی ایک انسان ہے جسے دوسرے انسانوں کے ساتھ خواہ وہ سفید رنگ کے ہی ہوں ۔ برابری کا دعوے ہو سکتا ہے ۔ ریلوے گاڑی میں ۔ گھوڑے کے امنی بس میں وہ انگریز اصحاب اور مستورات کے ساتھ بیٹھتا ہے ۔ جو کہ سب اُس سے مہربانی اور اخلاق سے پیش آتے ہیں ۔ پہلے چند دن تو اُسے دل میں حیرانی اور جھجک محسوس ہوتی ہے ۔ مگر تھوڑے عرصہ میں اُسے اپنے درجہ کا ٹھیک یقین ہو جاتا ہے ۔ ایک میرے دوست نے جو کہ بی ۔ اے ہیں ۔ یہاں آتے ہی مجھ سے ذکر کیا ۔ کہ انہیں اس بات کو دیکھ کر تعجب سا ہوا ۔ کہ یہاں پر غریب لوگ بھی رہتے ہیں ۔ جو کہ ہمارے نوکروں کا کام کرتے ہیں ۔ بیان کرنے میں تو یہ سیدھی سادی

بات ہے۔ مگر اِن شخصوں کے لئے جنہوں نے ہندوستان کی غلامی تمام باہر نہ رکھا ہو۔ یہ صرف وہم وقیاس ہی رہتا ہے +

کہا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں سفر کرنے سے تجربہ اور علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر آج کل میں تو ہندوستان کے لئے سب سے بڑا یہ فائدہ سمجھتا ہوں۔ کہ اُسے انسانی درجہ کا ٹھیک علم حاصل ہو جائے +

تھوڑے عرصہ کے بعد اُسے یہاں کی سوسائٹی کی اونچ نیچ معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں پر بھی ادنےٰ جماعتیں ہیں۔ درمیانہ جماعت ہے۔ اور اونچی جماعتیں ہیں۔ ان میں خود ہی اُسے بعض قسم کے لوگوں کے ساتھ ملنے سے عار پیدا ہوجاتا ہے۔ اپنے مزاج کے مطابق اُس کا خاص قسم کے لوگوں سے میل ملاپ پیدا ہوجاتا ہے۔ ان سوشیل تمیزوں کے علاوہ یہاں پر ایک خاص قسم کی پولیٹکل تعلیم بھی خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ وہ بذریعہ اخبارات اور عام جلسوں۔ لکچروں اور بڑے بڑے Demonstrations کے +

یہاں کے اخبارات اور جلسے ہماری طرح وہمی وخیالی مضمونوں اور مباحثات سے بھرے ہوئے نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر ایک بات وہ ہوتی ہے۔ جس کا عام پبلک کی زندگی سے تعلق ہوتا ہے۔ اور ہر ایک شخص اس کے بارہ میں اپنے حقوق اور فرائض کو سمجھتا ہے یا سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر روز اخبار میں ان معاملات پر بحث کرتی ہیں۔ جو کہ اِس وقت ملک اور گورنمنٹ کے سامنے ہیں۔ تھوڑے دن ہوئے یہاں پر ایک بڑا معرکہ ہوا۔ سارے ملک میں ایک ہل چل پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ جھگڑا ریلوے کمپنیوں اور کام کرنے والے آدمیوں میں تھا۔ مختلف کمپنیوں نے حصے اکٹھے کرکے روپیہ جمع کیا۔ اور ریلوے لائن بنائی۔ روپیہ کے لئے علاوہ محنت دوسری ضروری چیزیں ان کے بنانے میں خرچ ہوتی ہے۔ تھوڑے

عرصہ سے اِن کام کرنے والوں نے اپنی سوسائٹی بنا کر اپنے آپ کو اکٹھا کر لیا۔ اِس سوسائٹی نے چند شکایات کمپنیوں کے سامنے پیش کیں۔ کمپنیوں نے سوسائٹی کو یہ جواب دیا۔ کہ تم کون ہو۔ جو ہمارے اور ہمارے نوکروں کے درمیان دخل دیتے ہو۔ جھگڑا اسارا اس بات پر آگیا کہ سوسائٹی کا کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ سارے کام کرنے والے اِس بات پر آمادہ ہو گئے۔ کہ کام یک لخت چھوڑ دیں۔ اگر اُن کی سوسائٹی کی ہستی کو مان لیا نہ جاوے۔ لاکھوں آدمیوں نے بذریعہ رائے کے کاغذ کے (جو کہ سوسائٹی کی طرف سے جاری کیا گیا) اِس پر طیاری ظاہر کی۔ کمپنیاں (جو کہ دولتمندوں کی بنائی ہوئی ہیں) اِس بات پر بضد تھیں۔ کہ وہ سوسائٹی کو نہ مانیں گی۔ دو چار روز اگر یہ جھگڑا جاری رہتا۔ تو کام کرنے والے کام چھوڑ دیتے۔ ریلیں بند ہو جاتیں۔ اور انگلینڈ کی اندرونی اور بیرونی تجارت کئی سالوں کے لئے بالکل تباہ ہو جاتی۔ پارلیمنٹ کے (بورڈ آف ٹریڈ) کے پریزیڈنٹ نے اِس میں دخل دیا۔ اور دونوں پارٹیوں میں ایک بیچ کا راستہ نکالا۔ ایک صلح کرانے والی کمیٹی بنا دی گئی۔ جس کے پاس کمپنی اور ریلوے سوسائٹی اپنے اپنے امور فیصلہ طلب پیش کرے۔ اس کا فیصلہ دونوں کے لئے حاوی ہو چند ماہ تک سارا ملک اِس جھگڑے میں پھنسا ہوا تھا۔ اور جلسے اور لکچر اِس پر ہوتے تھے۔ اور اخبار بھی اسی پر مضمون لکھتے تھے ♦

آج یہاں انگلینڈ کی بیرونی پالسی کا معاملہ درپیش ہے۔ جرمنی کا شہنشاہ لندن میں آیا ہوا ہے۔ کچھ سالوں سے انگلینڈ اور جرمنی کے درمیان اندرونی کشمکش ہے۔ انگلینڈ کسی نہ کسی طرح جرمنی کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ یوروپین قوموں کو آپس میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ اُن کی طاقت بڑھانے کے لئے وسیع میدان ایشیا اور افریقہ میں پڑا ہے۔ جرمنی انگلینڈ کے پھیلاؤ کو پسند نہیں کرتا۔ پوشیدہ طور پر کہا جاتا ہے کہ فارس کو مدد دیتا رہا ہے

اِسی طرح انگلینڈ افریقہ میں کانگو میں سے (جو کہ بلجیم کے ماتحت ہے) اپنی ریلوے لائن بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ شمال سے جنوب تک افریقہ میں انگریزی ریلوے ہو جاوے جرمنی بیچ میں ہے۔ اور وہ اس کے برخلاف اپنی آواز اُٹھائیگا۔ انگلینڈ کے مدبروں کی شروع سے ایک پالسی رہی ہے۔ کہ اگر میٹھا دینے سے دشمن مرجاوے تو زہر دینا فضول ہے۔ آج کل جرمنی کے شہنشاہ کی ہر طرح سے دلجوئی کی جارہی ہے۔ اور ہر ایک انگریز سمجھتا ہے۔ کہ ایسا کرنے میں اُس کے ملک کی بہتری ہے اخبارات اِسی بات پر زور دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس بات پر طیار کرتے ہیں شہنشاہ کی سواری لنڈن میں سے گذری۔ لاکھوں۔ کروڑوں آدمی چیرز دینے کے لئے ساری سڑک کے کناروں پر موجود تھے۔ اِسی طرح ہندوستانی معاملات اور پالیسی پر بحث اور لکچر ہوتے ہیں۔ الغرض ایک تحریک زندہ ہے۔ اس پولیٹیکل زندگی کو بھی یہاں پر قومی زندگی سمجھا جاتا ہے۔ اِس لئے جو ہندوستانی نوجوان اس زندگی میں رہتا ہے۔ اُسے خود بخود اس سے موثر ہونا پڑتا ہے۔ پبلک رائے کی کس قدر یہاں قدر ہے۔ رخصتوں میں پارلیمنٹ کے ممبر جابجا اپنی پالیسی کے لکچر دے رہے ہیں۔ تاکہ ملک کو خاص اصلاح کے لئے طیار کریں۔ خود وزیراعظم اور اُس کے دوسرے ساتھی جگہ بہ جگہ پھرتے ہیں۔ اور اپنے خیالات کا ایک طرح سے پرچار کرتے ہیں۔ ہر ایک شخص اُن سے سوال پوچھنے کا مجاز ہے +

جب کوئی ایسا بل پارلیمنٹ میں پیش ہو۔ جس کے برخلاف پبلک رائے ہو۔ تو ہزاروں۔ لاکھوں مل کر ڈیمانسٹریشن کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کو وہ بل چھوڑنا پڑتا ہے۔ الغرض یہاں رہکر یہ یقین ہوتا ہے ۔ کہ حقیقت میں گورنمنٹ کوئی خدائی چیز نہیں۔ بلکہ لوگوں کے اپنے آرام و حفاظت کے لئے ایک اختراع ہے۔ یہ اِدھر اُدھر کی باتیں میں نے اِس لئے یہاں عرض

کیں - کہ یہاں کی سوسائٹی ایک زندہ سوسائٹی ہے - اور ہمارے نوجوان بھی اس سے تھوڑی بہت زندگی حاصل کرتے ہیں +

لیکن ہزاروں نوجوان یہاں سے واپس ہو کر گئے ہیں - انہوں نے پھر وہاں جا کر اپنی قوم و ملک کو اسی حالت میں لانے کے لئے تو کچھ کیا معلوم نہیں دیتا ؟ اس کی خاص وجہ ہے - کہ ہمیں اس دوسرے پہلو پر غور کرنا پڑتا ہے - وہ یہ ہے کہ جہاں پر ہماری علمیت عامہ میں اس قدر بے بہا ایزادی ہوتی ہے اس کے ساتھ یہاں کے طریقے ایسے ہیں - کہ اس کے اندر ہمارا کریکٹر (Character) تباہ ہو جاتا ہے - میں نہیں کہتا کہ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں - مگر عموماً کوئی ہی ایسا نوجوان ہوگا - جو اس زہریلے اثر سے بچا ہو - اس جہاز میں جہاں ہم تھوڑی بہت آنکھیں کھولتے ہیں - ہمارے چلن کی بیخ کنی کی بنیاد پڑ جاتی ہے - اول تو کتنے ہی طالب علم ہیں - جنہوں نے کبھی ماس نہیں کھایا ہوتا - وہ فوراً ماس کھانا شروع کر دیتے ہیں - اور ان میں سے بہتیرے ممنوع چیز کا بھی استعمال کرنے لگ جاتے ہیں - میرا تو یہ تجربہ ہے - کہ آدمی ماس کھائے بغیر گذارہ کر سکتا ہے - تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے - مگر جب ہم تھوڑی سی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنے اصول یا دھرم کو چھوڑ دیتے ہیں - تو میں اسے کیریکٹر کی بڑی کمزوری سمجھتا ہوں - آگے چلئے - یہاں پر کھانا کھاتے وقت عموماً لوگ پانی کی جگہ شراب وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں - اکثر لوگوں کو میں نے دیکھا - جو کہ خود بخود دل میں شرما کر تھوڑا تھوڑا شراب وغیرہ کا استعمال بھی شروع کر دیتے ہیں - میں یہاں یہ نہیں عرض کرتا - کہ کھانے پینے کا دھرم سے کیا تعلق ہے بلکہ صرف یہ کہ ہمارے نوجوان کس طرح آہستہ آہستہ ان باتوں میں پڑتے ہیں جن کا استعمال وہ ہرگز وہاں پر نہ کرتے - اس سے آگے چلکر وہ یہاں کے لباس

کے علاوہ رواجوں میں بھی پڑنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اُن کا بہت سا روپیہ اور وقت اس کے دھیان میں چلا جاتا ہے ✦

سب سے بڑھ کر بُرا اثر ہماری اخلاقی حالت پر ہوتا ہے۔ یہاں کی سوسائٹی کی معمولی حالت ہماری سوسائٹی کی حالت سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں شروع ہی سے بچے چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ پھرتے ہیں اور اُن سے ہی دوستی کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ بڑے ہو کر بھی لڑکیوں کی سوسائٹی میں رہنا اُن کے لئے معمولی بات ہے۔ شروع سے ہی ایک خاص حد کا ضبط وہ قدرتاً سیکھ لیتے ہیں۔ ہمارے نوجوان جو اس قدر عرصہ بالکل ضبط میں پلے ہوں۔ دوسری لڑکیوں سے کبھی میل ملاپ نہ رکھا ہو۔ اچانک ایسی سوسائٹی میں آپڑتے ہیں۔ جہاں پر یہ میل و ملاپ معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ اُن کی ضبط کی زنجیریں بالکل ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور اس خاص حد سے گزر جاتے ہیں۔ جو کہ یہاں کی سوسائٹی میں ایک ضروری اور معمولی بات ہے اس کا اثر بہت زہریلا ہوتا ہے۔ کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اچھے شریف لڑکے اس سے بالکل اخلاقی اور جسمانی طور پر تباہ ہو گئے۔ ان دل کش ترغیبوں میں پھنسکر ہمارے نوجوان انگریزی کریکٹر کی وہ خوبیاں جو کہ اس قوم کو بڑا بناتی ہیں نہیں سیکھ سکتے۔ کیونکہ یہ کمزوریاں کریکٹر کی بنیادیں کمزور کر دیتی ہیں مثلاً ہمارے نوجوان جو کہ یہاں سے واپس ہو کر جاتے ہیں عموماً وہ مذہب سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ خوبی اُنکے اندر کہاں سے آجاتی ہے انگریزی قوم کے رگ و ریشہ میں اپنے مذہب کی محبت بھری پڑی ہے ہر ایک کو کوئی ہی ایسا شخص ہوگا جو کہ اپنے چرچ میں نہ جاتا ہو اور کچھ تھوڑا بہت دان پاتر میں نہ ڈالتا ہو ✦ بڑے بڑے اچھے بھلے مانس نوجوان یہاں آ کر بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسلئے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گو ہمارے نوجوانوں کے یہاں آنے میں مختلف اور بیشمار فائدے ہیں مگر چلن کا کمزور یا تباہ ہو جانا سب سے بڑا خطرہ ہے ✦

پرمانند

ہماری بہبودی کا مدار

از لالہ امولک رام پلیڈر راولپنڈی

ہمارے محترم دوست ان محبان وطن میں سے ہیں جنکے پہلو میں ایک ہمدرد دل قومی تنزل کے درد سے بیقرار ہے اور راستی کی پیروی میں جو تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں - اُن کا مردانہ وار ہمت و استقلال سے مقابلہ کرتے ہیں - اور اُف نہیں کرتے - پولیس کی غلط بیانیوں کی بدولت راولپنڈی میں جس مصیبت کا سامنا ہوا - اس سے منہ نہ موڑا - اور یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی امتحان راستی میں تکالیف کی پرواہ نہیں کرتے - ذیل کے مضمون میں ایک قابل تقلید نصیحت کی گئی ہے - ایڈیٹر

اِس میں تو کلام نہیں - کہ فی زمانہ ہندوستان کی حالت خواہ پولیٹکل - سوشیل یا اکنامک Political Social Commercial [illegible] بہت ہی گری ہوئی ہے - اور اگر یہی حالت رہی - تو وہ ہندوستان جو ہزاروں سال کی غیروں کی مطابعت کے باوجود آج تک زندہ ہے مر جاوے گا - گذشتہ اور حال کی عمل داری اغیار میں بڑا فرق ہے - یہ ہم کو ایک بڑا سبق دینے والی بات ہے ہمارے بزرگان آریہ فاتحان ہند نے پہلے پہل وہ تمیز فاتح اور مفتوح اقوام میں قایم کی - جس کی تجدید ایک دوسری شاخ خاندان آریہ ہماری تخریب اور بربادی کا باعث بن رہی ہے - مگر پھر بھی سابقہ زمانہ کی تمیز ایسی بری نہیں تھی - جیسے کہ موجودہ تمیز ہے - سابقہ زمانہ میں فاتح قوم اس ملک میں آباد ہو گئی تھی - اور گو اُس نے وسترا اور اشر کو ذلیل قرار دے دیا تھا - تاہم ایک گونہ اُن کو اپنے اقتدار کی ترقی اور فاتح قوم میں قومیت کا فخر حاصل کرنیکا موقع ... لفظاً نہیں عملاً دے دیا تھا - جو ... نے ہندوستان کی اتھا ...

علم اختلاط قومی کا مطالع کیا ہے۔ اُن کو معلوم ہے۔ کہ بہت سی اقوام منجملہ اصلی باشندگان ہند آریوں میں شامل ہو گئیں۔ آپس میں شادیاں بھی ہو جاتی تھیں۔ اور ادبیہ قوم کے طریق رہایش اور رواج کے اختیار کرنے سے آہستہ آہستہ وہ آریوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ بادجہ یاد رکھا جاتا ہے۔ کہ راجپوت جنہیں اگنی کل بھی کہتے ہیں۔ اصلی آریہ نہیں تھے۔ مگر ضرورت کے وقت برہمنوں نے اُن کو آریہ کا رتبہ دے دیا۔ اسیریا اور بے بیلون کی فتوحات کا چنداں حال اب تواریخ موجودہ سے نہیں ملتا۔ مگر یونانی فاتح جو ہند کے قرب و جوار میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ بھی آریہ قوم سے تعلق و رواج وغیرہ کے ذریعہ ملتے گئے۔ مسلم فاتح بھی اس ملک میں ٹھہر گئے تھے۔ اور خواہ عافیت جان و مال ایسی اُن کے زمانہ میں نہ ہو جیسی اب ہے۔ مگر چونکہ وہ بھی اسی کشتی میں سوار تھے۔ اور کسی اور ملک کو اپنا گھر نہیں سمجھتے تھے۔ ہندوستان کی بھی حالت موجودہ زمانہ سے بدرجہا بہتر تھی۔ کسی غیر فاتح قوم نے ہندوستان کی آرزوؤں اور اُمنگ کو ایک خاص احاطہ کے اندر جکڑا نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ آج کے زمانہ میں جکڑے گئے ہیں۔ یونانی اور ہندوستانی تو آپس میں رشتہ کرتے تھے۔ یہ ایک خیال ہو سکتا ہے۔ کہ باقی مدارج میں انہوں نے کوئی تمیز رکھی ہو۔ زمانہ اسلام میں سلاطین مغلیہ نے ازدواج کے ذریعہ تعلقات باہمی بڑھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ یک طرفہ اور قلیل مقدار میں ہی رہی۔ کیونکہ انہوں نے قاعدہ قدرت کو چھوڑ کر زور سے اس مرحلہ کو طے کرنے کی کوشش کی۔ مگر اور کسی طرح کی تمیز فاتح اور مفتوح قوم میں نہیں تھی۔ مغلوں کے بڑے جرنیل۔ مالی افسر اور صوبجات کے گورنر ہندو تھے۔ غرضیکہ مفتوح قوم کے افراد کی آرزو اور اُمنگ کے واسطے کوئی قید نہیں تھی۔

ممکن ہے - کہ عملاً - اوسطاً اُن کو فاتح قوم کے افراد کے مساوی موقع نہ ملتا ہو مگر اصولاً اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا - حاکم وقت اپنی عنایات کی تقسیم میں اپنی ذاتی واقفیت کو بہت عمل میں لاتے تھے - اور کچھ تعجب نہیں کہ چونکہ اہل ہنود کو عام طور پر بارگاہِ حاکم وقت میں اتنا دخل نہیں ہو گا - جتنا کہ اہل اسلام کو - اُنکے حق داروں کو حصہ کم ملتا ہو - مگر قسم عنایات میں کوئی فرق نہیں تھا - زمانہ حال اور سابق میں ایک اور بڑا فرق یہ ہے کہ زمانہ سابق میں کسی بادشاہ نے خواہ وہ کتنا ظالم کیوں نہیں تھا مفتوح ہندوستانیوں کو اخنہ کرنے کی کوشش نہیں کی - جیساکہ فی زمانہ کمال کامیابی سے کی جاتی ہے - انگریزی مثل ہے - کہ Oportunity Makes a man انسان کی پوری طاقت اور قابلیت کے ظہور کے واسطے موقع درکار ہے - اگر ایک قوم کو چند پشت اور صدیوں تک اپنی قابلیت اور طاقت کے اظہار کا موقع قطعاً نہ دیا جاوے - تو وہ جہاں تک اسی طاقت اور قابلیت کا تعلق ہے مردہ ہو جاوے گی +

گذشتہ تواریخ کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے - کہ بنگالی قوم میدان جنگ میں بڑی بہادر ہو چکی ہے - اتفاقات زمانہ کے باعث وہی قوم تھوڑا عرصہ ہوا ہے - کہ بزدلوں میں اول سمجھی جاتی تھی - اب ہندوستان میں ہندوستانیوں کو اعلےٰ مدارج مالی - فوجی - تعلیمی وغیرہ میں اپنی قابلیت یا لیاقت کے اظہار کا موقع دینا تو ایک طرف اُن کو صاف الفاظ میں لارڈ کرزن نے کہدیا ہے - کہ وہ اُس کی اُمید ہرگز نہ رکھیں - ہر صیغہ میں امپیریل Imperial اور پراونشل Provincial ملازمت کی تمیز کر دی گئی ہے - اس سے پیشتر گو عمل کچھ ہی ہو مگر قیصر ہند کا اعلان ۱۸۵۸ء کچھ ڈھارس دیتا تھا - اب تو

وہ بھی جاتا رہا۔ موجودہ اس عام یوں تو باعث خوشی ہے۔ مگر غور سے دیکھو تو زمانہ سابق کی غیر مکمل حکومت اور انتظام میں کسی نہ کسی قاعدہ ایوولیوشن [illegible] کے مطابق سر اُٹھانے کا موقع ملجاتا تھا۔ سکھ جاٹ۔ راجپوت اور مرہٹہ نے سلطنت مغلیہ کے ایام میں ادبار میں یہانتک عروج پالیا تھا۔ کہ سر ولیم ہنٹر کی یہ رائے کہ انگریزوں نے ہند مسلمانوں سے فتح نہیں کیا۔ بلکہ اہل ہنود سے بالکل صحیح ہے۔ اب یہ امکان بھی معدوم ہوگئے پھر سوال یہ ہے کہ ہم کریں تو کیا؟

پولٹیکل معاملات میں سوائے عرضداشت کے اور کچھ نہیں۔ اور عرض داشتوں کا قبول ہونا اپنے ہاتھ میں نہیں۔ جبتک وہ قانونی طور پر آپ کو محروم رکھ سکتے ہیں۔ آپ کو کسی حق کے ملنے کی اُمید نہیں۔ سماجک یا سوشیل معاملات میں ضروری ہے کہ تعلیم ملک میں خوب پھیل جاوے۔ ہماری تعلیم کا سلسلہ غیروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کو پوری مقدار میں پڑھانے کے واسطے ابھی دیر ہے۔ الغرض تعلیم کا سلسلہ ہماری کل بہبودی کا مدا ہے اور اگر ہمیں کامیاب ہونا ہے۔ تو اس کو جلدی ایک قومی بنیاد پر قائم کرکے عالمگیر کر دینا چاہیئے۔ مگر ہمارے تمدن کا ایک اور پہلو ہے۔ جو بالکل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اور اگر اُس کے واسطے ہم کسی قدر قربانی پر طیار ہوں [illegible] تو ہم جہاں تک ہماری اکنامیکل [illegible] غلامی ہے۔ وہ ختم ہو جاوے گی اسی غلامی کی مختصراً تواریخ دینے کی ضرورت ہے۔ عملداری سرکار انگریزی سے پیشتر ہندوستان نہ صرف یہاں کے باشندوں کی ضروریات اور سامان عیش اور آرام کے مہیا کرنے کے لئے کافی تھا۔ بلکہ کل دنیا کی حاجتوں کو

بڑی خوبی سے پورا کرتا تھا۔ اور کپڑا وغیرہ ہر ایک چیز یہاں کے کاریگر ایسی نفاست اور افراط سے تیار کرتے تھے۔ کہ وہ غیر ممالک میں جاکر اتنا سستا بکتا تھا۔ کہ وہاں کے کاریگر اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ بیوپار اپنے باشندوں میں لیا۔ اور کل یورپ اور دیگر ممالک میں ہندوستان کی طیار کردہ اشیا اس افراط سے جانے لگیں کہ انگلستان کے کاریگر بھوکوں مرنے لگے۔ یہاں کی نفیس اشیاء کے مقابلہ میں اُن کی بھدی دستکاریاں کون پسند کرتا تھا۔ خصوصاً جب یہ اُن کے مقابلہ میں سستی ملتی ہوں۔ انگلستان کے کاریگروں کے واویلا پر ہندوستان کی اشیا پر ۶۰ سے ۸۰ بعض اوقات ۳۰۰ تک فیصدی ٹکس لگایا گیا۔ تاکہ یہ اشیاء انگلستان میں سستی بک نہ سکیں۔ صرف یہ ہی نہیں اہل دول لوگ پھر بھی ہندوستان کی عمدہ تیار شدہ اشیاء کو ترجیح دیتے رہے۔ جس کے روکنے کے واسطے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جو شخص ہندوستان کی تیار کردہ اشیاء استعمال کرے گا وہ مستوجب سزا جرمانہ اور قید ہوگا۔ اسی طرح کی قیود امریکہ میں رائج کی گئیں۔ امریکہ کی تیار شدہ اشیاء انگلستان میں آنے نہیں پاتی ہیں۔ مگر انگلستان کی تیار شدہ اشیاء اُن کو بلا محصول لینی پڑتی ہیں۔ بڑا باعث جس نے امریکہ نو آبادی اور سلطنت انگریزی میں لڑائی کرائی۔ اور امریکہ کو آزادی حاصل ہوئی یہ ہی تھا۔ انگلستان کی اس سلطنت کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہندوستان کے کاریگر کمزور ہو گئے۔ اور غیر ممالک کی تجارت اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ انگلستان کے کاریگر جب اُن کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ رہا۔ زور پکڑتے گئے۔ اور جب دخانی طاقت اُن کے ہاتھ آگئی۔ تو ہمارے کاریگروں کو تباہ کرنے کے واسطے آزادی تجارت Free Trade کا بہانہ لگا دیا۔ انگلستان نے

صرف اسی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ جب ہندوستان میں بھی کچھ کپڑا دخانی طاقت
سے بننے لگا۔ تو Countervailing duties
کو داخل کیا۔ اُس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہندوستان
کی تیار شدہ اشیاء انگلستان کی تیار شدہ اشیاء سے سستی نہ بک سکیں ٭
ان حالات کے معلوم کرنے کے بعد کون کہہ سکیگا۔ کہ بائیکاٹ کا قاعدہ
جو حال میں ایک حصہ ہند نے اختیار کیا ہے۔ کہاں تک بلا سند ہے انگریزوں
نے اس پر بڑی شدومد سے عمل کیا۔ اور اسی کے ذریعہ اپنی اکناکل آزادی
[illegible] حاصل کی۔ امریکہ نے بھی اسی پر
عمل کیا۔ آیرلینڈ بھی اسی پر عمل کر رہا ہے۔ ہمارے اور آئرلینڈ اور
دیگر ممالک میں فرق یہ ہے۔ کہ جہاں انگلستان اور دیگر ممالک کو ان
معاملات کے متعلق قانون بنانے کا اختیار ہے۔ ہندوستان کی ضروریات
کو گورنمنٹ ہند قوانین بنانے کے وقت خاص طور پر ملحوظ نہیں رکھتی
بلکہ اُس کی نظر میں معیار قومی قانون سلطنت انگریزی کی بہبودی ہے ۔
جن ممالک میں اپنی حرفت اور صنعت کو محفوظ رکھنے کے واسطے
قوانین بنائے جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو بھی کسی قدر قربانی
کرنی پڑتی ہے۔ مگر چونکہ وہ معنوی طور پر [illegible] عمل میں
آتی ہے۔ محسوس نہیں ہوتی۔ مگر اپنی ہستی کیواسطے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم اپنی
حرفت اور صنعت کی حفاظت کریں۔ اور اس کے واسطے ہر ایک تکلیف اور
خرچ برداشت کرنے کیلئے طیار رہوں۔ تکلیف اور خرچ بھی چنداں زیادہ نہیں۔
کچھ عرصہ تمہیں موٹے موٹے کپڑے پہننے پڑیں گے۔ اور بعض اشیاء کا
مول زیادہ دینا پڑے گا۔ مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ روز کے قحط اور بیماروں

کے ضائع ہونے کا باعث صرف افلاس ہے۔ ہندوستان کا کوئی حصہ اب ایسا نہیں۔ جہاں غلہ ہر ایک قسم کا کافی مقدار میں نہ ملجاوے۔ خواہ امساک بارش کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ قحط کی زیادتی کا باعث صرف یہ ہے۔ کہ میدان مزدوری بہت تنگ ہوگیا ہے حرفتوں اور صنعتوں کی بیقدری کے باعث ہمارے جولاہے۔ موچی۔ سنار۔ آہنگر۔ ہنرمند معیشت گئے۔ یا تو مرکھپ گئے۔ یا زمینداری کی طرف متوجہ ہوگئے۔ زمینداری کا میدان اتنا وسیع نہیں کہ غیر محدود تعداد کی روزی مہیا کرسکے۔ اس لئے اس افراط سے زمینداروں کی آمدنی کم ہوگئی۔ اور سرمایہ کے اجتماع کا موقع جاتا رہا۔ ذرا امساک بارش ہوئی۔ زمیندار کے پاس پیسہ نہیں جس سے اور جگہ کا آیا ہؤا غلہ خرید سکے۔ اور بھوک سے مرنا شروع ہؤا۔ افلاس کے باعث انسان کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ہیضہ۔ طاعون۔ بخارات موسمی وغیرہ امراض کے باعث اموات کی تعداد بڑھ گئی۔ بنگال کی حالت دیکھو۔ تھوڑے سے بائیکاٹ سے ہزاروں جولاہے۔ موچی وغیرہ جو زمیندار بن گئے تھے اور ملک چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اپنے قدیمی پیشہ پر واپس آگئے۔ اور اب پیٹ بھر کر روٹی کھا رہے ہیں۔ اگر ہندوستانی چاہتے ہیں۔ کہ ان کی ہستی قائم رہے۔ تو اُن کا یہ فرض ہے۔ کہ بائیکاٹ کے ذریعہ اپنی حرفت اور صنعت کی حفاظت کریں۔ اِس لفظ میں کوئی ممانعت قانون نہیں۔ اور اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں +

امولک

سُورت کا نظارہ[1]

سورت! وہ سورت جو آج ملک و قوم کے پجاریوں کا تیرتھ ہے اور جہاں آج وہ جاتری جن کا سال بھر انتظار میں گذرتا ہے عقیدتمندی کی مورت بنے ایک کشش سے کھینچے جاتے ہیں۔ اُن شہروں میں سے ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ کے شوقین کو سورت کی صورت میں وہ نقش دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ اوراق پریشان نظر آتے ہیں جنہیں وہ شوق سے دیکھتا اور دلچسپی سے پڑھتا ہے۔ سورت کا درجہ جیسا تاریخ میں ممتاز ہے ویسا ہی اس نے کانگرس کی تاریخ میں ایک قابل یادگار واقعہ پیش کیا ہے کانگرس کی بائیس سالہ زندگی میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ کانگرس کا انعقاد مقررہ مقام سے بدلا ہو اور اُس نے ایک میزبان کی مہمانی سے انکار کر کے کسی دوسرے میزبان کی دلگیری کی ہو۔ اگرچہ یہ واقعہ ایک افسوسناک بات ہے۔ کیونکہ مہمان اور میزبان دونوں کبھی خوشی سے اِس طریق کو پسند نہیں کر سکتے۔ کانگرس کا مقررہ مقام تبدیل کرنے میں غلطی یا مصلحت کی گئی۔ اِس مضمون پر اِس وقت

[1] ہندوستان ایڈیٹر الہ آباد۔ برگز "ہسٹری آف گجرات" انڈرسنز "ویسٹرن انڈیا" بمبئی کوارٹرلی ریویو نمبر ۷ و ۸ کلکتہ ریویو جلد ۹ کیمپ بلز "بمبئی گزیٹیر" ہربرٹ "انڈین میرز" "لطف اللہ کی سوانح عمری" مالا باری کی "گجرات اینڈ گجراتی" مرز "جینٹلمین آف بمبئی پریزیڈنسی" "پاسٹ اینڈ پریزنٹ" مطبوعہ ۱۹۰۳ء بریگیڈ کھسرو جی مستر "بمبئی سے دہلی" +

ہم بحث کیا نہیں چاہتے۔ کیونکہ یہ ایک علٰحدہ مضمون ہے۔ مگر ہم اس واقعہ سے اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں۔ کہ کانگرس کو ابھی بہت سی ابتدائی منزلیں طے کرنی ہیں۔ اور انہاں جملہ ایک مستقل فنڈ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ایسے ہی مواقع کانگرس کو اپنا مقام تبدیل کرنے پر مجبور کردیں اور دوسرا کوئی میزبان دعوت دینے کے لئے تیار نہ ہو۔ جو دوسرے کے مہمان کو جگہ دے سکے (اگرچہ کانگرس کی ہر دلعزیزی کے باعث یہ ایک دشوار امر ہے) تو اس وقت کانگرس کا انعقاد کس شہر میں ہوگا؟ اور اس کے کثیر اخراجات کا کون متحمل ہوگا؟ اگر مستقل فنڈ ہوگا۔ تو وہ ایسے موقعوں پر کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس فنڈ کی مدد سے وہ صوبے بھی جن میں یا تو جان نہیں یا اتنی توفیق نہیں۔ کہ کانگرس کو مہمان کرسکیں۔ کانگرس کے انعقاد سے فائدہ اُٹھا سکینگے اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ وہ محروم رکھے جائیں۔ محض اس لئے کہ یا تو اُن میں توفیق نہیں یا ایسے باہمت لوگ موجود نہیں۔ جو اس اہم ذمہ واری کو اپنے ذمہ لے سکیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ اوروں کی نسبت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان میں بھی کانگرس کو مقبول بنانا ضروری ہے۔ انہی خیالات کی کشمکش میں ریل جو اپنی کھٹ پٹ سے ہمارے خیالات کی تائید کرتی رہی۔ سورت جا پہنچتی ہے۔ اور وہ متبرک نظارہ ہمارے سامنے پیش کردیتی ہے جس کی تصویر کا عکس عرصہ سے ہمارے دماغ میں تھا +

سورت گجرات کے علاقہ میں خاصا بڑا شہر ہے اور مغربی احاطہ میں بمبئی کے شمال کی طرف ۱۶۷ میل کے فاصلہ پر دریائے تاپتی کے کنارے بمبئی۔ بڑودہ۔ سنٹرل انڈیا ریلوے کے علاقہ میں واقعہ ہے۔ سورت میں رہائش کی قیامت ہے۔ دریا کے کنارے صرف ایک چھوٹا سا ڈاک بنگلہ ہے ۔ جو

ریلوے سٹیشن پر جس کے وٹینگ روم نہایت خوبصورت ہیں چند رہائشی کمرے ہیں۔ روئی کے کئی کارخانے جو بلند حوصلہ تجاروں کی ہمت کی تصویریں ہیں۔ شہر کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں +

شام کو سیر کو نکلیئے۔ تو بازار میں عجیب نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ کہیں کمخواب بنی جا رہی ہے۔ کہیں زردوزی کا کام ہو رہا ہے۔ کہیں جڑیے اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور کہیں سنگدل پر نقش کیے جا رہے ہیں۔ یہ چیزیں گجرات کا تحفہ ہیں۔ ان کے کاریگروں کو کام کرتے دیکھنا خالی از دلچسپی نہیں +

فورسٹ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ "ان مسافروں کے لئے جنہیں برطانیہ کے عروج کی تاریخ سے دلچسپی ہے۔ بمبئی کے بعد سیر کا مقام سورت ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قوم برطانیہ کے اولوالعزم جہازران مدت کی سرگردانی کے بعد پہنچے اور یہاں ایک چھوٹی سی فیکٹری قائم کی۔ جو بعد میں ایک عظیم الشان ایشیائی تجارتی کمپنی کی بنیاد ثابت ہوئی۔ یہ چھوٹی سی فیکٹری ایک صدی بلکہ اس سے بھی کم عرصہ میں ایک ایسی عظیم سلطنت بن گئی جس کی عظمت و شوکت رشک "روم" ہے" +

یہ باتیں سورت کی تاریخی عظمت کا پتہ دیتی ہیں۔ موجودہ تاریخ میں بھی اس نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ مگر چونکہ ہماری غرض سورت کی تاریخ بیان کرنا نہیں۔ بلکہ اس کے نظاروں کی سیر کرنا ہے۔ اس لئے ہم اپنے ناظرین کی توجہ اس طرف منعطف کرتے ہیں +

سنہ ۱۵۴۰ء میں ایک مغل افسر نے جسے شاہ گجرات کی خدمات کے صلہ میں یہ خطہ زمین ملا تھا۔ اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور ایک عظیم الشان محل بنایا تھا۔ جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ یہ محل سنہ ۱۸۶۲ء تک انگریزی فوج کی رہائش کے لیئے استعمال کیا جاتا رہا۔ شہر کے گرد پکی فصیل ہے جو تقریباً چھ میل میں پھیلی ہوئی

ہے جس پر برج بنے ہوئے ہیں۔ مگر اب سب شکستہ پڑے ہیں۔ اِس فصیل میں بارہ دروازے ہیں۔ اور محل کی حفاظت کے لئے فصیل کے اندر ایک اور دیوار ہے موجودہ شہر جسے پرانے شہر کا دھندلا سا نقش کہنا چاہئے بہت آباد ہے۔ بڑے بڑے بازاروں کے دونوں طرف جو بدقسمتی سے اکثر آگ کی دیوتا کی بھینٹ ہو چکے ہیں۔ خوبصورت مکانوں کی قطار ہے۔ جن کے نقش و نگار والے لکڑی کے برآمدے نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ بازاروں اور گلیوں کے سوا مسٹر مالاباری کہتے ہیں کہ سورت میں کوئی قابل دید چیز نہیں۔ ان کا بیان ہے۔ کہ "سورت اپنی گذشتہ صورت کا عکس ہے۔ اس میں تجارت کا شوق مٹ چکا ہے صاحب ثروت لوگوں کو بیکار پڑے رہنے سے کام ہے۔ اور اس کا تمدن دن بدن گرتا جاتا ہے"۔ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ ۳۰ برس پیشتر جب مسٹر مالاباری نے سورت کے حالات قلمبند کئے تھے۔ درست ہوگا۔ مگر اِس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ شہر اور اِس کے باشندوں نے نہایت تیزی سے نمایاں ترقی کی ہے اور کانگریس کے انعقاد کا اِس قدر جلد انتظام ہو جانا بجائے خود ان کی ترقی کا زبردست ثبوت ہے۔ ماسوا اِس کے یہ امر واقع ہے۔ کہ موجودہ سورت نے اپنی سلطنت مغلیہ کے زمانہ کی عظمت کو قائم رکھا ہے۔ مسٹر مالاباری کہتے ہیں۔ کہ "سورت ایک صدی پیشتر ایک دلکش نظارہ پیش کرتا تھا۔ اگرچہ وہ بھی اس کے زوال کا زمانہ تھا۔ اِس قدر معلوم کرنے پر قدرتاً یہ اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر اِس کی بربادی کیونکر ہوئی۔ جواب میں صرف یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ساری بربادی طوفان اور آگ کی بدولت ہے۔ بلکہ طوفان نے آگ کی نسبت اِس کے برباد کرنے میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ بربادی کے بواعث میں وسیلۂ تاپتی کا خشک ہو جانا۔ اور جزیرہ بمبئی کی شان و ترقی بھی ہے" وہ شہر جو آگ اور طوفان سے برباد ہوا ہو آثار کے معاملہ میں قابل تعریف

نہیں ہوسکتا۔ اور جہاں تک قابل سیر مقامات کا تعلق ہے مسٹر مالاباری یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ "سورت میں بہت کچھ دیکھنے کے قابل نہیں" +

مسٹر فورسٹ لکھتے ہیں۔ کہ "سیلانی کے دل پر گذشتہ عظمت وشوکت کی یاد تازہ کرنے کے لئے اب صرف قبرستانوں میں قبروں کے نشان باقی ہیں۔ جنہیں فن سنگ تراشی کا اعلےٰ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ ان نشانوں میں سے جو انگریزی قبرستان میں ہیں۔ سب سے بڑا مینار کرسٹوفر اور سر جورج اوکسینڈن کا قبر کا ہے اگرچہ جورج اوکسیڈون کی قبر میں بناوٹ کے لحاظ سے کوئی دلفریبی نہیں۔ مگر یہ کہنے میں تامل نہیں۔ کہ یہ اس دلاور شخص کی شان کے قابل یادگار ہے جس نے انگریزوں کی مٹھی بھر فوج سے ساری مرہٹہ فوج کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی فیکٹری کو اُن کے حملوں سے بچایا۔ یہ عالی شان مقبرہ ایک مربع قبر ہے۔ جس کی بلندی ۴۰ فٹ اور جس کا قطر ۲۵ فٹ ہے۔ چاروں کونوں پر بڑے بڑے ستون ہیں جو گنبد کو سر پر لئے کھڑے ہیں۔ ان گنبدوں پر جانے کے لئے سیڑھیاں اور راستے ہیں۔ انگریزی قبرستان کے بعد ڈچ قبرستان کا درجہ ہے۔ اس میں صرف ایک قابل دید قبر مشہور عالم بیرن وان ریڈ کی یادگار ہے۔ یہ قبر دو گوشہ ہے۔ اوپر دو بڑے بڑے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ اور نیچے اوپر ستونوں پر گیلری بنی ہوئی ہے۔ بقول مسٹر فورسٹ سیلانی کے دل میں اُن اشہروں کی یاد تازہ کرنے کے لئے جن پر ڈچ لوگوں کا تسلط تھا۔ اب کچھ باقی نہیں سوائے اس کے کہ اُن کے قلعوں کے چند شکستہ برج دکھائی دیتے ہیں۔ یا پرانے قبرستان میں چند بڑی بڑی قبریں دریا کے کنارے دکھائی دیتی ہیں یا بمبئی اور مدراس میں پرانے کاغذات کا جو ذخیرہ ہے۔ اُن میں ان کا ذکر ہے +

قبرستان کے بعد ہم اس محل کی طرف لوٹتے ہیں۔ جسے یہاں کے لوگ قلعہ کہتے ہیں۔ یہ ایک تاریخی دلچسپی کا مقام ہے۔ شہر کے وسط میں دریا کے کنارے کھڑا آسمان سے باتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ اصل میں چھوٹے چھوٹے متعدد قلعوں کا ایک بے قاعدہ مجموعہ ہے۔ کونوں پر برج بنے ہوئے ہیں۔ جن کے اوپر سے شہر کا نہایت عمدہ نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ محل بجائے خود ایک قابل دید چیز ہے۔ اس کی دیواروں کا آثار ۸ فٹ ہے۔ اور قریباً ایک ایکڑ کے فاصلہ میں بنا ہوا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مینار قریباً ۸۰ فٹ بلند ہے۔ بقول مسٹر مالاباری یہ محل پتھر کی ایک مضبوط چٹان ہے۔ جو حوادث زمانہ کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ قلعہ مسلمانوں کی صناعی کا نمونہ ہے۔ اور دیکھنے کے قابل ہے محل کے پاس ہی بانکا سجیلا وکٹوریہ گارڈن ہے۔ جو قریباً ½ ۸ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہوگا۔ جس میں گجراتی گل بوٹے اجنبی کو اپنی طرف توجہ کرتے ہیں گلگشت چمن میں ہوپ برج کا دلکش نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اور پانی کی چمکیلی لہریں تماشائی کو محو کرتی ہیں۔ یہ پل دریائے ساپٹی پر بنا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان میں سب سے اچھا ریل کا پل ہے۔ اس کا پیارا نام ضلع کے ہردلعزیز حاکم سر تھیوڈر ہوپ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ پل کی ساخت عجیب ہے۔ نہایت مضبوط لوہے کی ۷ جالی دار محرابیں ڈھلے ہوئے لوہے کے ستونوں پر بنی ہوئی ہیں۔ اور یہ ستون ریت اور دلدل میں ۴۳ فٹ گہرے گاڑے گئے ہیں۔ لاگت کا اندازہ ۵۰ لاکھ روپیہ سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ محل سے ایک سیدھی سڑک ریلوے سٹیشن سے ہوتی ہوئی گھنٹہ گھر جاتی ہے۔ یہ نہایت عالی شان ۱۰۰ فٹ اونچا مینار ہے۔ جو ۱۸۷۱ء میں تعمیر ہوا تھا۔ اسکی ۸۵ سیڑھیاں ہیں۔ مگر اس پر سے جو نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اُس کے لحاظ سے

اس پر چڑھنا چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے ذرا آگے بڑھ کر ٹاؤن ہال ہے۔ یہ ایک خوبصورت چوگوشہ عمارت ہے۔ جو ۱۶۲۳ء میں جب سورت اپنی شان میں تھا۔ مسافر خانہ کے طور بنائی گئی تھی مگر اب ضرورت کے مطابق تبدیل کر لیا گیا ہے۔ ڈچ۔ انگریز اور اہل پرتگال کی فیکٹریاں جو نہایت عالیشان اور مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ اب بطور رہائشی مکانات کے استعمال ہو رہی ہیں +

معابد کی حالت کچھ اچھی نہیں۔ ان کی بابت مسٹر گبن نے سچ کہا ہے۔ کہ "زمانہ سلف کی صناعی کا کوئی اعلےٰ نمونہ نہیں" جامع مسجد میں ایک خصوصیت ہے جس کے لحاظ سے اسے دیکھ لینا چاہئے۔ یہ مسجد جینیوں کے بڑے مندر کی جگہ بنائی گئی ہے۔ پیچھے کے حصہ میں اب تک جینیوں کے زمانہ کے ستون دکھائی دیتے ہیں۔ اور مندر کے سب سے بڑے بت کو سرنگوں راستہ میں دروازے پر لگایا گیا ہے تاکہ صلح کل اور خدا پرست "نمازی اس پر پیر رکھ کر مسجد میں جائیں۔ یہاں سید ادرُس کی مسجد کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے جو ۱۶۳۹ء میں بنائی گئی تھی۔ اور جس کا مینار سورت میں غیر معمولی طور پر قابل دید چیز ہے۔ مندروں میں صرف ایک قابل تذکرہ ہے۔ اور وہ سوامی نارائن کا مندر ہے۔ اُس کے تین برج شہر میں ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ **ہسپتال مویشی** بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ بیمار جانوروں کا علاج کیا جاتا ہے۔ کمزوروں کی پرورش کی جاتی ہے۔ اور انہیں آس پاس چراگاہوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بچے پالے جاتے ہیں۔ اور وہ بیمار جانوروں کی تیمارداری کرتے ہیں۔ یہاں بازاری کتوں کے پنجرے بھی ہیں۔ اور یہ نظارہ دل دکھانے والا ہے۔ ناامیدی کے عالم میں مایوسی سے بھونکتے ہیں۔ مگر ان کی آہ و بکا۔ نالہ و فریاد کون سنتا ہے۔ ڈبلی بھیڑ۔ بکریوں۔ بیمار پالتو پرندوں بلکہ انگلش ہوسپٹل میں تو کیڑوں کموڑوں کی بھی پرورش کی جاتی

ہے۔ جیسے کہ کھٹمل۔ پسو اور چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے نہایت شوق سے پالے جاتے ہیں +

یہ ہیں موجودہ سورت کے مناظر کے مختلف حالات۔ وہ لوگ جو اس شہر کی تاریخ کے شوقین ہوں۔ اور گجرات کے اِس مشہور شہر کے عروج و زوال کا فسانہ پڑھنا چاہتے ہوں۔ اُن کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جو ہم نے مضمون کے شروع میں نوٹ میں درج کی ہیں۔ اور ان سب میں سب سے زیادہ دلچسپ برگ صاحب کی سٹی آف گجرات سٹرانا City of Gujrat ہے۔ جس میں سورت کے تاریخی حالات آباد ہونے کے زمانے سے لیکر موجودہ زمانہ تک نہایت وضاحت سے لکھے ہیں +

تاریخ ہند۔ لالہ جیارام ایم۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج نے مارشمن صاحب کی تاریخ ہند کا اردو ترجمہ کیا ہے جسے مسرز کیمن اینڈ کمپنی نے ایک خوبصورت کتاب کی صورت میں چھپایا ہے۔ کتاب کی خوبصورتی اور جگہ بجگہ تصویروں کی دلفریبی نے جہاں کتاب کو دلچسپ بنایا ہے۔ وہاں پروفیسر صاحب نے صحیح اور بامحاورہ ترجمہ سے اردو زبان کی تصانیف میں ایک قابل قدر اضافہ کرنے میں پوری کامیابی حاصل کی ہے پروفیسر صاحب کا نام ہی کسی تصنیف کے قابل قدر ہونے کے لئے کافی ہے۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ سررشتہ تعلیم پنجاب مدارس کے لئے متعدد کاپیاں خرید کر مصنف کی حوصلہ افزائی نہ کرے +

نصائح وفا کے نام سے ہمارے نوجوان دوست نواب محمد عمر خان وفا رئیس اعظم حیدرآباد دکن نے جن سے ناظرین آزاد بخوبی آشنا ہیں۔ اور باوجود اس صغیر سنی کے متعدد کتابوں کے مصنف ہوچکے ہیں۔ ایک دلچسپ اور سبق آموز کتاب تصنیف کی ہے جس میں آپ کے بہت سے مضامین کے علاوہ ایک دلچسپ انتخاب بھی ہے۔ چھپائی لکھائی کے لحاظ سے کتاب نہایت پاکیزہ ہے۔ اور ہر طرح مصنف کی حوصلہ افزائی کی مستحق +

کانگریس و معراج کانگریس

از منشی ھرگوبند پرشاد نگم ایم۔ اے

کانگریس کیا تھی؟ کیا ہے؟ اور کانگریس کو اب کیا ہونا چاہیئے؟ اور کانگریس کا معراج اصلی کیا ہے۔ جس کو مد نظر رکھ کر کانگریس ترقی کرنا چاہتی ہے اور جس کے حصول کے واسطے حامیان کانگریس اس قدر پاپڑ بیل رہے ہیں؟ چند سوال ہیں۔ جن کا جواب اس مضمون میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔ سوالات نہایت غور طلب ہیں۔ اور جن کے جوابات ماضی تو خیر جو واقعی ہیں۔ وہ ہونگے مگر آیندہ کی بابت جوابات نامکمل اور قیاسی ہی ہوسکتے ہیں اور بمصداق اینکہ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

میرے خیالات ناقص ہونگے۔ جن کو ناظرین والا تمکین کمال شوق سے اصلاح دیں اور درست کریں +

میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ اور ضروری بات ہے۔ کہ ردّ و بدل و بحث مباحثہ قومی کے بعد بزرگ لیڈران قوم کی رائے سے یہ طے ہوں میں پالٹیکس کے میدان میں شہسوار تو درکنار پیادہ بھی نہیں۔ بالکل پا افتادہ ہوں۔ تاہم افتاں وخیزاں تھوڑا بہت بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ بزرگان قوم و لیڈران ملک کے سایۂ عاطفت میں کچھ ترقی کرسکوں۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اس وادی دشوار گذار کی منزلوں کو کٹھن اور ناقابل گذر سمجھ کر چھوڑیں نہیں کچھ نہ کچھ ہو ہی جائیگا۔ ہ

مرد باید کہ ہراساں نشود مشکلے نیست کہ آساں نشود

ایک شخص جب قومی ارادہ کر لیتا ہے۔ تو اس کو مشکل آسان اور ناممکن ممکن نظر آتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک قوم کے افراد کام کریں۔ تو ممکن نہیں کہ پہاڑ کو بھی اُکھاڑ کر نہ پھینک دیں۔ سمندروں کو نہ پاٹ دیں۔ ندیوں کے رُخ نہ پھیر دیں ـــ دنیا کے ماضیات کو نہ بدل ڈالیں۔ اور تواریخ دنیا کے ہزاروں نئے صفحے نہ رنگ دیں ـــ ع

ہمتِ مرداں مددِ خدا

کانگریس کیا تھی؟

کانگریس کی ابتدا عجیب طرح سے ہوئی۔ اور یہ آغاز گو بادی النظر میں عجیب ہے۔ مگر مبصرانِ دوربین اور واقف کارانِ تواریخ ماضی وحال کے واسطے محض معمولی۔ کیونکہ ہر کام کی ابتدا حقیر اور ہر بڑی تحریک کا شروع معمولی ہوتا ہے۔ اور اوسط طبقوں کے لوگ اِس کی خصوصیت اور عظمت کو نہیں سمجھتے ـــ سب سے عجیب بات کانگریس کی ابتدا کی یہ تھی۔ کہ ایک محب بنی نوع انسان انگریز اس کا اصلی بانی ہے۔ مسٹر ہیوم کے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ ہندوستانی قوم کی پولٹیکل اصلاح اور قومی جہت کے واسطے کوئی ریپریزنٹیٹو باڈی ہونی چاہئے لیڈرانِ قوم بھی اِس بات کے واسطے آمادہ تھے۔ مگر ناتجربہ کاری اور مدتوں کی غلامی نے اِنہیں اتنا پائمال کر رکھا تھا۔ کہ سر نہ اُٹھا سکتے تھے۔ دل ہی دل میں سمجھتے تھے۔ سوچتے تھے اور خونِ جگر کھا کر خاموش ہو جاتے تھے ـــ قصہ مختصر سہرا ایک انگریز ہی کے سر رہنا تھا۔ واقعی اس امر کی ضرورت تھی کہ آزاد قوم انگریز کا کوئی سلجھا ہوا محسن بنی نوع انسان ہندوستانیوں کو آزادی کا راستہ دکھلائے۔ اور اس کی تدبیر کا بنیادی پتھر اپنے آزاد اور محسن ہاتھوں سے

رکھے۔ تعلیم کی کمی۔ بزدلی اور غلامی کے خیالات کی زیادتی کی وجہ سے جو حالت اس وقت عوام کی تھی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ تعلیم یافتہ گروہ میں بہت کم اور جاہل اور کم تعلیم یافتہ خصوصاً سرکاری نوکریوں کے متلاشیوں اور دولتمندوں نے اِس کی مخالفت کی۔ اور یہ مخالفت بجا تھی۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اس وفادار اور وفا شعار مودب مجمع کو شک کی نظر سے دیکھا۔ اور ان لوگوں پر مغایرت اور تحقیر کا فتوےٰ پاس کیا۔ جو اِس کے حامی تھے۔ پس لازمی نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ چند اُن لوگوں نے جن کی تعلیم کم تھی اور نوکری سرکاری کی تلاش رکھتے تھے۔ یا جو اس قسم کے کم تعلیم یافتہ گروہ کے سرپرست و والی وارث تھے۔ اِس کی مخالفت علانیہ کی اور حکام سرکار کو خوش کیا۔ اور اپنی خودغرضی اور مطلب پرستی میں کامیاب ہوئے۔ جو امرا تھے ان کو خطابات اور ملاقات اور شیک ہینڈ (مصافحہ) کی ایسی چاٹ پڑی تھی۔ کہ وہ ہرگز قومی تحریک میں شریک ہو کر حکام کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے بھی مخالفت کی۔ اور اِن میں اکثر صاحب دول تھے۔ رہے وہ عوام جو نہ خطابوں کے طالب تھے۔ اور نہ سرکاری ملازمت کی لیاقت اور خواہش رکھتے تھے۔ اور نہ اِن کو اپنی دولت کی ضبطی کا خیال تھا۔ وہ اِس سے بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے خائف رہے۔ مخالفت تو کر ہی نہ سکتے تھے۔ مگر اتنا نہ سمجھے۔ کہ یہ دردسر اُن ہی کے فائدہ کے واسطے مول لیا گیا ہے +

پنجاب میں ایک شخص بھی ایسا نہیں۔ جس کو کانگریس کے بانی ہونے کا فخر حاصل ہو۔ ممالک متحدہ میں صرف ایک دماغدار لاثانی شخص تھا۔ جس کا نام کانگریس نہ صرف کانگریس بلکہ ہندوستان کے صفحۂ تاریخ پر مثل آفتاب عالمتاب کے چمکے گا۔ جس کے نام سے مردہ رگوں میں جان دوڑتی ہے۔ اور جس کی روح ہندوستان کے گرے ہوئے بچوں کو اُٹھانے کی کوشش کر رہی

ہے۔ یعنی وہی زبردست مقرر پنڈت اجودھیاناتھ جس کی نورانی تصویر ہر محب وطن کے دل اور کمرہ میں موجود ہے۔ اور جس نے اپنی دلیرانہ تقریروں سے اُردو زبان میں عوام کو اس طرح سے چیتایا کہ سب نے کہا خوب! ان کو بتلا دیا کہ تمہارے حقوق کیا ہیں۔ اور ان کا طلب کرنا برٹش جیسی انصاف پسند حکومت میں بالکل جرم نہیں۔ لوگوں کی توجہ ادھر مبذول ہوئی۔ اور سوچنے لگے۔ مگر فلک کج رفتار کو کچھ اور منظور تھا۔ ہم سے ہمارے زبردست کام کرنے والے کو چھین لیا۔ اور پنجاب، وممالک متحدہ دونوں کو بیدست و پا کر دیا۔ منشی گنگاپرشاد ورما ایڈیٹر ایڈووکیٹ (انگریزی) و ہندوستانی (اُردو) سے پختہ مغز اور دیرینہ تجربہ کار ایڈیٹر بھی کانگریس کے بانیوں میں سے ہیں۔ اور آپ کا کام خاموشی اور راستی کے ساتھ رفتہ رفتہ خوب ہو رہا ہے۔ خداوندا! ان کو ہمارے سر پر مدت مدید تک قائم رکھیے تاکہ اپنی روشن رائے سے ہماری رہبری کرتے رہیں ؎

بعد مسٹر اجودھیاناتھ کے تقدیر ممالک متحدہ نے ایسا پلٹا کھایا۔ کہ باوجود اس کے کہ تعلیم اس صوبہ میں خاصی ہے۔ مگر آدمی عنقا ہو گئے۔ کام کرنے والے مفقود کوئی لائق ذی استعداد ہوا بھی تو اس نے روپیہ رولنے اور آنریبل بننے کا پیشہ اختیار کیا۔ اور جو شہرت کا طالب ہوا۔ اس نے اپنی انگریزی و ہندی گویائی کو قوت دی۔ اور مختلف مذہبی اور زبانی معاملوں میں شریک ہو کر نام (بدنام) حاصل کیا۔ اور اصلی پولیٹکل ریفارم کے میدان میں نہ صرف پیچھے ہی رہ گئے۔ بلکہ چلے بھی نہیں۔ کسی اور ہی راستہ پر پڑ گئے۔ ان کی شہرت ان کو مبارک اور ان کی گویائی ان کے واہ واہیوں کو مبارک۔ ملک کو اس سے کیا فائدہ؟

پارسی۔ بنگالی اور مرہٹہ لیڈروں کے زیر سایہ جن کے ہاتھوں نے اس پودے کو لگایا تھا۔ کانگریس نشوونما پاتی رہی۔ اور وہ زمانہ آگیا کہ گورنمنٹ کو معلوم

ہونے لگا۔ کہ کانگریس ایک قومی قوت ہوتی جاتی ہے۔ اور گذشتہ دو سال میں کانگریس کے حامیوں اور مخالفوں دونوں نے محسوس کیا۔ کہ واقعی کانگریس نے تعلیم یافتہ لوگوں میں قومیت کا ایک ایسا رشتہ مضبوط پیدا کر دیا ہے۔ کہ اس کا کہیں کہیں سے بھی توڑنا مشکل نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کو ہندوؤں سے برابر علیحدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور اس کا بھی موٹو (Motive) یہی ہے۔ کہ گورنمنٹ ہم سے خوش ہو۔ مگر اس جدوجہد کے مفاد و منفعت کو سمجھنے والے ہندو اور مسلمان بلاخیال اختلاف مذہبی شیر و شکر و گوشت و پوست ہیں اور بخوبی جانتے ہیں۔ کہ ہمارے پولٹیکل مقاصد ایک ہیں۔ اور ہم کو نفاق رکھنے میں سراسر زیان ہے +

کانگریس کیا ہے؟

کانگریس کیا تھی۔ کیونکہ اس نے رفتہ رفتہ باوجود صدہا طرح کی مخالفت کے اپنے مستقل مزاج پارسی۔ مرہٹہ اور بنگالی۔ مدراسی لیڈروں کے زیر سایہ ترقی کی عرض کیا گیا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اور حکام انگریزی کی خفگی سے ایسے خائف تھے۔ کہ باوجود ہمدردی کے اس میں شریک ہونے کا نام نہ لیتے تھے۔ تعداد ڈیلیگیٹان کم ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں امرا اس سے مصلحتاً گریزاں رہتے تھے اور رہتے ہیں۔ اوسط درجہ کے لوگ کچھ تو اپنا پیٹ کاٹ کر جاتے تھے۔ اور کچھ بچارے ایسے مجبور ہوتے تھے۔ کہ باوجود شوق کامل معذور رہتے تھے۔ ہر شہر اور ضلع سے جس نے چالیس پچاس روپیہ خرچ کرنے۔ بچارے اُس ہی کو اہالیان شہر نے ڈیلیگیٹ کر کے روانہ کر دیا۔ مگر اس میں ایلیکٹو سسٹم (طریقہ انتخاب) بالکل خاک میں ملجاتا ہے۔ اب تک بھی یہی طریقہ ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے۔ کہ

کانگریس فی الحال ایک مجمع کثیر ہوتا ہے۔ جس میں صحیح انتخاب اور ریپریزینٹیشن کی مطلق پرواہ نہیں۔ اور موجودہ حالت میں اس کو ایک بڑا میلہ یا تماشہ کہنا چنداں بیجا نہیں۔ انتہا یہ ہے۔ کہ ڈیلیگیٹ کارروائی نہیں سن سکتے اور مغموم ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہو گا اخبار میں پڑھ لیں گے۔ اب بتلایئے کیونکر اہل الرائے رائے دے سکتے ہیں۔ اور کیونکر مدبران قوم فکر و خوض کر سکتے ہیں؟

کانگریس کو اب کیا ہونا چاہیئے؟

پس کانگریس کو اپنی موجودہ شکل (کونسٹی ٹیوشن) کو بدل کر کوئی نئی صورت اختیار کرنی چاہیئے۔ اور وہ صورت کیا ہے؟ سب سے بڑا سوال ہے جس کا اس مختصر سے مضمون میں اختصار کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ معراج کانگریس کو واضح اور روشن کر کے اپنے سامنے رکھ لیا جائے +

مقصد کانگریس روز اول سے ہند اور ہندوالوں کی پولیٹیکل بہبودی اور ریفارم ہے۔ اور یہ مقصد بیش و کم اٹھارہ انیس سال تک پورا ہوتا رہا۔ حتے کہ رہبران قوم اور مدبران ملک کی ایک ایسے معراج پر نظر پڑی۔ جو واقعی کانگریس کا معراج ہونا چاہیئے۔ اور جس کو کلکتہ کی مشہور کانگریس کے برگزیدہ پریسیڈنٹ بزرگ اعظم ہندیاں مسٹر دادا بائی نوروجی نے اپنے دہن مبارک سے اس وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا۔ کہ یاد و شاید اور ملک اور قوم کا بچہ بچہ پکارنے لگا۔ کہ بیشک سواراج ہمارا معراج قومی ہے۔ اور اس سے کمتر کوئی چیز ہم کو تسکین و تشفی نہیں دے سکتی۔ اور یہ آرزو یہ معراج ایسا فطرتی اور جبلی تھا کہ لایق جج ہائی کورٹ

کلکتہ نے بھی فیصلہ دیا۔ کہ سواراج کا طلب کرنا ہندوستانیوں کی بجا آرزو ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی بغاوت کی بو نہیں۔ اور واقعی یہی معراج کانگریس کا ہے۔ اور رہیگا۔ اور حامیان قوم اور اراکین قوم اس امر کے متمنی ہیں۔ کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے۔ جب تک ہم کو سواراج نہ مل جائے +

اب معراج کانگریس تک پہنچنے کے واسطے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ کانگریس کو ایک کامل اور واقعی جمہور کے وکلاء کا مجموعہ بنایا جائے۔ اور اس کا قرار واقعی انسداد و انتظام اس طرح سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہر کس و ناکس کو ڈیلیگیٹ کانگریس ہونے کی اجازت نہ دیجائے۔ بلکہ ہر شہر اور ہر صوبہ کو ایک خاص تعداد ڈیلیگیٹان بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ اور عوام کے ووٹوں سے ان ڈیلیگیٹوں کا انتخاب ہو۔ جو شخص منتخب شدہ لوگوں میں سے صاحب ثروت ہوں۔ وہ اپنے کرایہ اور اخراجات سے تشریف لے جائیں۔ اور جو فقط خدمت قومی کے عوض منتخب ہوئے ہیں۔ اور جن کے ذرائع عمدہ نہیں ہیں۔ ان کے سفر خرچ اور زادراہ اور فیس ڈیلیگیشن کی متحمل عوام اور عوام کی ایسوسی ایشنز اور کلب ہار وغیرہ ہوں۔ تاکہ ایک فرد واحد بھی ایسا منتخب نہ ہو۔ جو کسی ایسی غیر ضروری وجہ سے شریک اجلاس کانگریس نہ ہو سکے۔ مجمع کانگریس کو دو یا ڈھائی ہزار سے متجاوز نہ ہونے دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے زیادہ مجمع تک نہ آسانی سے آواز پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ اس سے زیادہ لوگوں کا مجموعہ کسی غور اور خوض کے کام کو آسانی سے انجام دے سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی ضرورت ہے۔ کہ کانگریس کی کارروائی ایسی زبان یا زبانوں میں ہو۔ کہ جملہ ڈیلیگیٹان منتخب شدہ کل کارروائی کو کما حقہ سمجھ سکیں۔ نہ کہ مفت میں تالیاں پیٹ کر یا زور و شور

تقریروں سے جو چاہنا اس کو اپنے گروہ کو تقویت دیکر پاس کر دینے سے ہر اک لیڈر کو اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور یہ کانگریس جو اس وقت ایک مجمع بے ترتیب اور ہجوم فضول کا تماشہ ہوتا ہے۔ ضرور ہے کہ اُس قومی پارلیمنٹ کا بنیادی پتھر ہو جس کا سوراج کے حصول کے وقت بنایا جانا لازمی ہوگا +

نیز یہ کہ اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے۔ کہ اس سالانہ کانگریس کے ساتھ ساتھ ایک اسٹینڈنگ کمیٹی کا انتخاب بھی ہو۔ جس میں چند ممبر اور وہ لیڈران بذریعہ انتخاب جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز نہ ہو بنائی جائے۔ گو اس وقت بھی اس قسم کی کمیٹی موجود ہے۔ مگر اس کا عدم وجود برابر ہے۔ اور اس کی کارروائی باقاعدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امسال اس کی کارروائی سے بخوبی روشن ہے۔ جب اس امر کی اشد ضرورت تھی۔ کہ اس کمیٹی کا اجلاس کر کے گورنمنٹ کی خدمت میں کچھ التماس کی جائے۔ یہ کمیٹی بجائے اسٹینڈنگ کے لیٹی رہی۔ اور مطلق کوئی کارروائی عمل میں نہ آئی۔ جس کمیٹی کی تجویز راقم سطور ہذا پیش کرتا ہے۔ وہ ایسی باقاعدہ اور ایسے مستعد اصحاب و حامیان قوم کی ہونی چاہیئے۔ جو فوراً چند روز کے نوٹس سے بلا خیال ذاتی منفعت و نقصان کے شریک کمیٹی ہو کر ضرور اُن باتوں پر غور کریں۔ جن پر غور کرنے کی اُسوقت ضرورت ہو۔ پس اس میں بھی جو صاحب ممبران صاحب ثروت و اہل دول ہوں۔ وہ ذاتی اخراجات کے خود کفیل ہوں۔ اور جو صاحب خدمت قومی کے شیدا دولت و ثروت کمانے کی فکر سے برتر و افضل ہوں۔ اُن کے اخراجات کی کفیل قوم ہو۔ اور وہ قومی فنڈ ان کو روپیہ مہیا کرے جو اس کمیٹی کی استقامت کے واسطے جا بجا سے وصول کیا جائے +

اس امر کی اشد ضرورت ہے۔ کہ یہ کمیٹی ہر وقت کام کرتی رہے۔ اور

اس کا دفتر باقاعدہ ہو۔ اور اس کا ایک پریسیڈنٹ ہر سال منتخب کیا جائے۔
یا ہر تیسرے سال منتخب کیا جائے۔ اور وہ اور دفتر ایک ہی مقام پر مقیم رہیں —
پریسیڈنٹ کا کام جملہ امور اور مختلف سیکرٹریان کے کام کی دیکھ بھال اور جانچ
پڑتال ہو۔ اور کئی سیکرٹری منتخب کئے جائیں یا ملازم رکھے جائیں جو کلرکوں کی مدد سے
مختلف مدات سرکاری کی دیکھ بھال کریں اور ان کے حسن و قبح کو نوٹ کر کے پریسیڈنٹ
کی خدمت میں پیش کریں۔ اور اس طرح پر ان کی اور ان کے ذریعہ سے کل ملک کی
معلومات سرکاری معاملات کی نہایت باقاعدہ مکمل ہو۔ اور یہ مصالحہ ہر اجلاس
کانگریس کے واسطے تیار کیا جائے۔ اور اگر اثنا وسال میں کوئی شدید واقعہ پیش
آئے یا کسی خاص قانون کے خلاف آواز بلند کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ تو
اسٹینڈنگ کمیٹی فوراً اپنے ممبروں کو جمع کر کے باقاعدہ کارروائی کرے۔ اس سے
گورنمنٹ کو معلوم ہوگا۔ کہ ہمارے خلاف ایک کمیٹی ایسی باقاعدہ کام کرنے والی
اور ہمارے کام کی جانچ پڑتال کرنے والی موجود ہے۔ جس میں جملہ اہالیان قوم کے
پسندیدہ اور برگزیدہ اصحاب شریک ہیں۔ اور جن کا ہاتھ قوم کا ہاتھ اور جن کی زبان
قوم کی زبان ہے۔ تو ذرا گورنمنٹ کو بھی اور خصوصاً حکام گورنمنٹ کو مثلاً سیکرٹری آف
سٹیٹ اور وائسرائے اور مختلف صوبجات کے گورنروں اور لفٹنٹ گورنروں کو نیز
حکام ادنٰے کو معلوم رہیگا۔ کہ ہمارا کوئی مدمقابل ہمارا کوئی ادیب موجود ہے۔ اور
وہ بیقاعدگی اور ظلم اور جبر کرتے ہوئے شرمائیں گے۔ نہیں خوف کریں گے۔ خوف
اس امر کا نہیں۔ کہ یہ اسٹینڈنگ کمیٹی جملہ ہندوستان کو کھڑا کر دے گی۔ بلکہ اس بات
کا کہ ہم مہذب ملک کے رکن۔ باشندے اور ایک اعلٰے درجہ کے پارلیمنٹ کے
مقرر کردہ حکام ہیں۔ اور ہماری اور ہمارے ملک کی تہذیب کے یہ شایان نہیں۔
کہ بیجا نکتہ چینی اور حرف گیری کا موقعہ دیا جائے۔ پس ان کو اس امر کا خوف ہوگا۔

کہ کہیں ہم ایسا نہ کر بیٹھیں۔ جس سے ہماری قوم پر دھبہ آئے ÷

موجودہ حالت میں گورنمنٹ اور حکام گورنمنٹ کی خلاف ورزیوں کے دکھانیوالے چند اخبارات ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض کے ایڈیٹر واقعی صاحب رائے اور مدبر تجربہ کار ہیں۔ مگر اکثر اس قسم کے ہیں جو یا تو گورنمنٹ کو خوشامد کر کے دھوکے میں ڈالتے ہیں۔ اور رعایا کی تکالیف کو راست بواسطہ بلا کم و کاست بیان کرنے کی اخلاقی جرأت نہیں رکھتے۔ اور بعض اس قسم کے ہیں۔ جو خواہ مخواہ جا اور بیجا نکتہ چینی اور حرف گیری سے گورنمنٹ کو نفس تنگ کرتے رہتے ہیں جس سے گورنمنٹ اور پبلک دونوں میں سے ان کا وقار اُٹھ جاتا ہے اور انکے قول کی شنترسے زیادہ پروا نہیں کی جاتی۔ پس ضرورت ہے اس بات کی کہ باقاعدہ ٹھنڈے دل اور دماغ سے اپنی ملکی ریفورم اور ڈسپلن کی کوشش کی جائے۔ تاکہ تعلیم اور تربیت ملکی کے میدان میں ہم اپنے حاکموں سے بہت پیچھے نہ رہیں اور مدبرانہ طور سے ملک اور قوم کی ضروریات اور گورنمنٹ کے نقص اور رخنوں کو دیکھ سکیں اور ان کو رفع کرنیکی کوشش کرتے رہیں۔ اس کارروائی میں ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ مدت مدید صرف ہوگی۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ ایسے اہم کام کیواسطے ضروری ہے۔ کہ وقت صرف ہو ہتھیلی پر سرسوں جمانا ناممکن ہے۔ آج اگر غل مچانیوالے دس ہزار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو کیا ہو سکتا ہے اور اگر واقعی کام کرنیوالے ایک ہزار بھی پیدا ہو جائیں تو ملک اور قوم کی حالت روز افزوں ترقی کر سکتی ہے مگر باقاعدہ کام کرنیسے واقعی وقت کم صرف ہوگا۔ المختصر کانگریس کو ایک تماشہ کی اونٹی نوعیت سے اُٹھا کر اسکے معراج عظیم یا سواراج عظیم پر پہنچانا ہے تو ضرور رفتہ رفتہ کوشش کرنی چاہیئے اور باقاعدہ کام ہوا تو بیشک یہ اہم کام سہل اور یہ ظاہرا ناممکن منزل ممکن ہو جائیگی۔ اور [illegible] ہم غوشی میسر ہونی پہیلیوں کا کھیل ہو جائے گا ÷

ہر گوبند علم

فرمان شاہی

از منشی دوارکا پرشاد صاحب افق ملک الشعرا

ہندوستانی صرف ایک بنا پر جھگڑتے ہیں - اور وہ ۱۸۵۸ء کا فرمان شاہی جس میں ملکہ معظمہ مرحومہ نے ہندوستانیوں سے کچھ وعدے کئے تھے - ہمارے مہربان منشی دوارکا پرشاد افق نے اس فرمان کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جو ایک مرتبہ چھپ چکا ہے مگر بہت سے اشخاص تک نہیں پہنچا - اس لئے منشی جی ہمیں اشاعت کے لئے عنایت فرماتے ہیں - جسے ہم شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں - ترجمہ لفظی ہے اور مطلب میں سرمو فرق نہیں - ایڈیٹر -

کوئین وکٹوریہ کا شاہی فرماں — بہ مقصد ہند میں کرتا ہے اعلاں
ہو معلوم اہل دیہیم و نگیں کو — یقیں ہو والیان سرزمیں کو
جو عہد ان سے کئے ہیں کمپنی نے — جو کچھ ہیں صلح کے سوچے قرینے
وہ سب کے سب ہیں اینجانب کو منظور — رہینگے قایم و دائم بدستور
جمیگا یکدلی کا کارخانہ — برابر کا رہیگا دوستانہ
قلمرو فضل حق سے جو ملی ہے — بہت تائید یزدانی وہی ہے
نہیں وسعت ہمیں درکار اس میں — ہیں کافی اپنے کاروبار اس میں
نہیں کچھ دست اندازی جو منظور — جو ہے مطلب کہ بدنظمی ہو کافور
حقوق دوستی قایم رہیں گے — مراسم باہمی دایم رہیں گے
جو عزت والیان ہند کی ہے — جو ثروت حکمران ہند کی ہے
وہ ہوگی ما بدولت کے مساوی — نہیں منظور ہم ہوں اس پہ حاوی
ہوں ملکی حکمراں یا ہو رعایا — مبارک سب کو اینجانب کا سایا

خوشی اپنی ہے ان سب کے طرب سے — یہ ہے روئے سخن فرماں کا سب سے
کہ ہیں جس حالتِ عشرت میں آگریز — ہے جیسا ان کا نخلِ عیش گلریز
اسی صورت مفادِ ہند ہوگا — ہرا نخلِ مرادِ ہند ہوگا
سبق سوشل ہر اک کو یاد ہونگے — امان و امن سے دل شاد ہونگے
جو ہوگا امنِ ملکی اندرونی — ترقی ہوگی ہندوستاں کی دونی
ہے ذاتِ تاجدولت خاص پابند — ہے شاہی الفت و اخلاص پابند
کہ جو کچھ انگریزوں پر ہیں الطاف — انہیں سب پر روا رکھیگا انصاف
نہ غیریت کا دل میں دھیان ہوگا — برائے یکدلی سامان ہوگا
مقاصد یہ نہ چھوٹینگے ادھورے — فرایض ہونگے اِس جانب سے پورے
مسیحی دین کی صدقِ ارادت — جو اپنجانب کو ہے تاجِ سعادت
ہے اس کا صدق دل سے شکر احساں — ہے اُس کی برکتوں پر اپنا ایماں
اُس ایمان اور خالق کے کرم سے — امید ہر رکھیں لوگ ہم سے
ہم اپنا پاس دینداری کریں گے — یہ انصاف کو جاری کریں گے
حکومت ہوگی بے لوثی کی شاید — نہیں مطلب نہ زاہد ہو کہ زاہد
نہیں ہرگز کسی صورت سے منظور — کسی مذہب کے پلٹے جائیں دستور
رعایت ہوگی یکساں جزو و کل کی — رہیگا پاس استحقاقِ ملکی
حفاظت ہوگی قانونی مساوی — نہ کوئی بھی کسی پہ ہوگا حاوی
جو ہوں گے افسرانِ پایۂ تخت — یہ شاہی حکم ہے ان کے لئے سخت
وہ سمجھیں کل مذاہب کے مدارج — ہوں رسموں میں رواجوں میں نہ خارج
اگر کچھ دست اندازی کریں گے — نہ اس فرمان کا جو دم بھریں گے
نگاہِ شاہ میں ٹھہریں گے خطاوار — عتابِ سخت کے ہونگے سزاوار

علاوہ اِس کے ہے مرضیِ شاہی | یہی جب تک شاملِ الطافِ الٰہی
ہے یعنے جہانتک اینجانب کا امکاں | رہینگے سب کی بہبودی کے ساماں
بلاتفریق ذاتِ ملت و عام | لیاقت کا دیا جائے گا انعام
وہ عہدے پائینگے جو ذی علم و فن ہیں | دیانتدار لائق خوش چلن ہیں
بخوبی ہم کو یہ معلوم ہے بات | ہے جس کی قدر بھی ملحوظ دن رات
کہ سب متوطنانِ کشورِ ہند | جزو و کل ساکنانِ کشورِ ہند
وراثت پا کے اجدادِ کہن سے | محبت رکھتے ہیں اپنے وطن سے
ہم اِس اُلفت کو دل سے جانتے ہیں | حقوقِ واقعی پہچانتے ہیں
تحفظ سب کا دل سے ہم کرینگے | جو فیلنگ ہوگی اُس کا دم بھرینگے
توجہ خسروانہ ہے جو حامی | ہے اینجانب کی مرضیِ گرامی
کہ جب قانون بنیں آئین ہوں جاری | حقوقِ ہند کی ہو پاسداری
کُل استحقاقِ موروثی کا ہو دھیان | رواج و رسم کا ہو پاس ہر آن
اِن امروں پر توجہ خاص ہوگی | نگاہِ اُلفت و اخلاص ہوگی
جب افضالِ خدا کی رہنمونی | کرے گی قایم امن اندرونی
تمنائے دلی یہ ہے ہماری | بڑھائیں ہندیوں کی دستکاری
ہر اک صنعت کو حرفت کو بڑھائیں | قلمرو کی فضیلت کو بڑھائیں
ہمارے کُل اصولِ حکمرانی | مفادِ جزو و کل کے ہونگے بانی
جو ہونگے ساکنانِ ہند خوشحال | ہمارا ہوگا اوجِ بخت و اقبال
رہینگے ہندوالے جب رضامند | ہمارا ہوگا استحکام دہ چند
جو ممنون خیل خاص و عام ہوگا | ہمیں اک قیمتی انعام ہوگا
خدا جو مالکِ کون و مکاں ہے | جو قادر اور خلاقِ جہاں ہے

ہمیں توفیق وہ بخشے وہ طاقت　　وہ بخشے ارکانِ دولت کو لیاقت
کہ تا ہو فرماں کا پورا مدعا ہو　　کل اہلِ ہند کا جس سے بھلا ہو
افق بس ہو چکا ارمان پورا　　ہوا زیبِ رقم فرمان پورا
خدا بخشے کوئن وکٹوریا کو　　ہماری امپرس آف انڈیا کو
جنھوں نے ہم کو یہ نعمت عطا کی　　دکھائیں برکتیں ظلِ خدا کی
انھوں نے مر کے بھی رشتہ نہ توڑا　　ہمیں ایڈورڈ کے سائے میں چھوڑا
دیئے ایڈورڈ کو شاہی جو ساماں　　وراثت میں ہے یہ بھی ایک فرماں
شہ ایڈورڈ اسے سمجھیں وصیت　　رعایا کو دکھائیں حسنِ نیت
رعایا بھی ہے پابندِ احکام　　وفاداری کے سو دل سے کرے کام
بزرگوں کا جو کہنا مانتے ہیں　　سند اس قول کو وہ جانتے ہیں
ادب تاجیست از لطفِ الٰہی　　بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

افق سب کی سعادت ہے اسی میں
جزو کل کی افادت ہے اسی میں

دوارکا پرشاد

سودائے ترکِ الفت ضامن بہرِ خدا نہ کرنا　　سر پر بلا نہ لینا دل پر جفا نہ کرنا
دیکھا زبان و دل بھی باہم رقیب نکلے　　افشائے عہد از الفت پھر برملا نہ کرنا
بیتابیِ محبت اک شعبۂ جنوں ہے　　میرے کہے سنے پر تم اعتنا نہ کرنا
رنگِ پریدہ رخ تفسیرِ بے دلی ہے　　عرضِ نیازِ الفت اس کے سوا نہ کرنا
کتنا یہ ہائے "عشق بکا" اتنا ہی حوصلہ تھا　　ذکرِ وفا دوبارہ اے بے [illegible] یہ کرنا
جیتے ہیں جینے والے مرتے ہیں مرنے والے　　عاشق کے غم میں دیکھو تم [illegible] کرنا

ہندوستان کی تین ضرورتیں

از منشی ڈپٹی لعل نگم۔ بی۔ اے

اس سے پہلے مدت تک اہل ہند کے دل میں یہ خیال جما ہوا تھا۔ کہ ہماری حالت ایسی ردی ہو گئی ہے۔ کہ کسی طرح بھی اُس میں اصلاح نہیں ہو سکتی۔ یہ تو رونا دن رات کا تھا۔ کہ ہائے ہم یہ نہیں ہم وہ نہیں۔ غیر ممالک[1] کے لوگ ترقی کر رہے ہیں۔ ہم رُو بتنزل ہیں۔ بیرونجات کے رہنے والے صنعتی اور حرفتی کاریگری میں کمال حاصل کر رہے ہیں۔ اور ہم نے جو کمال حاصل کیا تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ غرض انواع و اقسام کے خیالات سوہانِ روح بنے ہوئے تھے۔ اور جی کو عجب کوفت تھی۔ لیکن اس تباہی اور ادبار سے نجات پانے کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ آخر جاپان نے تیس سال کے قلیل عرصہ میں شبانہ روز محنت اور جانکاہی کے بعد وہ کرشمہ اور وہ معجزہ دنیا والوں کو دکھایا۔ کہ لوگ حیرت میں آ گئے۔ اور پولیٹیکل سوشل اور حرفتی کاموں میں وہ ترقی حاصل کی ہے۔ کہ جاپان کی شہرت کا ڈنکا چاردانگ عالم میں گونج رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ہندوستان بھی جاگا۔ اور اُس نے سمجھا۔ کہ یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے کچھ نتیجہ نہیں۔ اپنی قسمت پر شاکر رہنے سے بدقسمتی کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور مالی حالت روز بروز معرض خطر میں پڑتی جاتی ہے۔ اہل ہند نے بھی کمر ہمت باندھی۔ اور جاپان کی مثال کو پیش نظر رکھ کر اس بات میں ساعی

---

[1] غیر ممالک یعنی یورپ۔ امریکہ۔ جاپان وغیرہ۔

ہوئے۔ کہ ہم بھی ملک کی بہبودی کے لئے کوشش کریں۔ چنانچہ جابجا سودیشی تحریک کا چرچا ہؤا۔ اور لوگوں میں دیسی اشیاء کے استعمال کا مذاق بڑھا۔ مخالفین نے سودیشی تحریک پر پولیٹیکل رنگ جمایا۔ اور سودیشی کے حامیوں کو ملکی باغیوں کے نام سے نامزد کیا۔ گورنمنٹ بھی ایک لمحہ کے لئے ان مخالفین کے کہنے میں آگئی۔ اور کچھ عرصہ تک جو تشدد اور مظالم بہی خواہان ملک پر کئے گئے وہ عیاں ہیں حاجت بیان نہیں۔ آخر ان اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنیوالے مخالفین کی دیر تک دال نہ گلی۔ اور گورنمنٹ نے اپنی صریح غلطی کا اعتراف کیا۔ اور گورنمنٹ کے بعض معززین اور مقتدر صاحبان انگریز نے صاف الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا۔ کہ سودیشی تحریک اچھی ہے۔ اور ملک کی بہبودی کے لئے بہترین وسیلہ ہے۔ غرض سودیشی کا چرچا اور بھی زور شور سے بڑھا۔ اور دیسی چیزوں کے استعمال کرنے کے شوق کو اور بھی استحکام ہؤا۔ اگر اسی طرح دیسی اشیاء کو غیر ممالک کی اجناس پر ترجیح دی گئی۔ تو امید ہے۔ کہ ہندوستان کی مالی حالت میں ترقی ہوگی۔ اور ہمارے افلاس کی وجہ سے جو نت نئی بیماریاں اور پلیگ جیسے موذی امراض ملک میں پھیل گئے ہیں۔ ہمارے دولت مند ہوتے ہی اُن کا کلی طور پر قلع قمع ہو جائے گا۔ فی الحال ہم کو تین ضرورتیں محسوس ہو رہی ہیں۔ جن کے پورا ہونے سے سودیشی تحریک ملک میں مستحکم طور پر قایم ہو جائے گی۔ و ھو ہذا :۔

(۱)۔ ملک کی بہبودی کے لئے ملکی سنیاسیوں کا ہونا +

(۲)۔ ملک میں صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں کا کھلنا +

(۳)۔ لوگوں میں جسمانی ورزشوں کا رواج دینا +

---

(۱)۔ ملکی سنیاسی

ملکی سنیاسیوں کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ تمام عمر شادی نہ کریں۔ اور ملک بملک پھر کر صنعتی اور حرفتی کام سیکھیں +

یہاں کے ہرد والدین کے لیئے یہ اشد ضروری ہے۔ کہ وہ اپنا نوجوان اور سب سے لایق بیٹا ملک کی خدمت کے لیئے نذر کرے۔ اگر کسی شخص کے چار فرزند ہیں۔ تو اُس کو اپنا فرض سمجھنا چاہیئے۔ کہ ایک نوجوان اور عالم بیٹا ملک کی نذر کرے۔ اِس نوجوان کو چاہیئے۔ کہ شادی نہ کرے۔ کیونکہ شادی ایک ایسا جنجال ہے۔ جس سے اُس کے خانگی تعلقات بڑھتے جائینگے۔ اور وہ اس مصرف کا نہ رہیگا۔ کہ غیر ملک میں پھر کر صنعتی اور حرفتی ہنر حاصل کرے۔ بیوی اور بچوں کی محبت ملک کی محبت کے بیچ میں حائل ہو جائے گی۔ اور اُس کو ملک کی بہبودی پر فدا ہونے سے باز رکھے گی۔ اس ملک میں عورتوں کی سوسائٹی ایسی گری ہوئی ہے۔ کہ وہ اس قابل نہیں۔ کہ ایسے عالم سمجھدار نوجوانوں کی ہم خیال ہو سکیں اور اِن نوجوانوں کی شادی اُن عورتوں سے ہرگز نہیں کرنی ہوگی۔ جو اِن کی ہم خیال نہ ہوں۔ ورنہ اِن کے فرائض منصبی میں ایک مزاحمت پیدا ہو جائیگی۔ اِس لیئے فی الحال اِسی اصول پر کاربند ہونا چاہیئے۔ کہ اِن نوجوان سنیاسیوں کی شادی نہ کی جائے +

یہ ضروری نہیں۔ کہ سب کے سب ملکی سنیاسیوں کو غیر ممالک میں بھیجدیا جائے۔ بلکہ بعض کی ضرورت ملک کے لیئے بھی ہوگی۔ اِس لیئے ان کو یہاں ہی رکھنا ہوگا۔ اور اگر کسی خاص تعلیم کی ضرورت ہوئی۔ تو اُن کو اُس قسم کی تعلیم بھی دینی ہوگی۔ باقی ملکی سنیاسیوں کو ملک سے چندہ جمع کر کے ممالک غیر میں صنعتی اور

حرفتی تعلیم کی تحصیل کی غرض سے بھیجدینا چاہیئے +

(۲) صنعتی اور حرفتی کالج اور مدرسے

جب ملکی سنیاسی غیر ممالک سے صنعتی اور حرفتی کاموں میں طاق ہو کر یہاں آجائیں۔ تو پھر اُنہیں صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں میں معلم مقرر کردینا چاہیئے۔ فی الحال اہل ہند میں تعلیم یافتہ لوگوں کی بہت کم تعداد ایسی ہے۔ جنہوں نے صنعتی اور حرفتی ہنروں میں بھی کمال حاصل کیا ہو۔ اس لئے ابھی یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ ملک کے صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں میں اسی ملک کے ماہران فن مقرر ہوں۔ ہماری رائے میں ایسے کالج اور مدرسے فوراً کھول دیئے جائیں۔ خواہ غیر ممالک مثل جاپان۔ انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے پروفیسر اور معلم کیوں نہ بلائے جائیں۔ جب تک ملکی سنیاسی غیر ممالک سے دستکاری اور صنعتی کاموں میں ماہر ہو کر آئیں۔ اُس وقت تک کے لئے غیر ممالک ہی کے پروفیسر اور معلم صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں میں مقرر کردیئے جائیں تو چنداں ہرج نہیں۔ اگر ایسا کیا جائیگا۔ تو صرف دافع الوقتی کے لئے کیا جائیگا۔ اس غرض سے نہیں کہ وہ مستقل طور پر ان کالجوں اور مدرسوں میں معلم ہونگے +

ہندوستان کے ہر صوبہ کے لیڈر کو اپنا پہلا کام یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ نہایت سرگرمی سے کوشش کرکے اپنے اپنے صوبہ میں صنعتی کالج اور مدرسے قائم کرے۔ لیڈر کا صرف یہی فرض نہیں ہے۔ کہ جوشیلی تقریریں کرے۔ اور عملی کام کچھ نہ کرے۔ صرف پرزور تقریروں سے ہی ملک کی گری ہوئی حالت میں فرق نہیں آسکتا۔ بلکہ ہمیشہ عملی کاموں کے نتائج اچھے ہوا کرتے ہیں۔ بجائے لیڈروں

نے ملک کی ضرورتوں کو باحسن الوجوہ ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ عملی کام یا تو ہوا ہی نہیں ہے یا ہوا بھی ہے تو بہت کم ٭

(۳) جسمانی ورزش

ان صنعتی اور حرفتی کالجوں اور مدرسوں کے نصاب میں اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے۔ کہ مطالعہ کتب اور صنعتی کاموں ہی میں اتنا وقت نہ صرف ہو جائے۔ کہ پھر جسمانی ورزش کے لئے کچھ بھی موقع نہ ملے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ اس زمانہ میں ہماری جسمانی طاقت بہت کم ہو گئی ہے۔ ہم مختلف علوم و فنون میں کمال اُسی وقت حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ ہماری جسمانی صحت درست ہوگی۔ اس لئے ان کالجوں اور مدرسوں میں مردانگی کے کرتبوں اور جسمانی ورزشوں کو اشد ضروری قرار دینا چاہیئے۔ اگر ہماری جسمانی صحت کی چندے یہی حالت رہی تو ہم بہت جلدی موت کا شکار ہو جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک بھی عمر طبعی تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا یہ ہوگا۔ کہ درندے ہم کو کمزور دیکھ کر اپنا نوالہ بنائینگے ایک مجمع میں، مجھے یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا۔ کہ ذرا سی بھڑ نے لوگوں کو مضطرب کر دیا۔ اور کسی کو بھی اتنی جرأت نہ ہوئی۔ کہ بھڑ کا مقابلہ کر سکتا۔ غرض ہماری جسمانی صحت کے ساتھ ہی ہماری مردانگی کا بھی خون ہو گیا ہے۔ اور اگر ہماری مردانگی اور جرأت کا یہی حال رہا۔ تو حشر یہ ہوگا۔ کہ ہم مختلف امراض میں مبتلا ہو کر پیش از وقت دنیا سے سبکدوش ہو جائینگے کیا ہم ہی کمزور نحیف لوگ بھیشم پتاما اور درونا چارج جیسے سورما بہادروں کی اولاد میں سے ہیں۔ کیا ہم ہی ارجن اور بھیم جیسے پہلوانوں کے نام لیوا ہیں؟

ہمارے لئے سخت شرم کا مقام ہے۔ کہ اب ہم ایسے بزدلے اور کمزور

ہو گئے ہیں۔ کہ بچھڑ۔ سانپ۔ بچھو وغیرہ کیڑوں کو بھی دیکھنے سے ہمارے اوپر دہشت چھا جاتی ہے۔ اب ہمیں چاہیئے۔ کہ اپنی خانگی زندگی کے طرز کو بدلیں۔ اور سب سے اہم اور ضروری بات جسمانی ورزش اور مردانگی کے کرتبوں کو سمجھیں۔ ہماری جسمانی صحت کی خرابی کی وجہ سے اب ہمارے دماغوں کی ایجاد کی قوت بالکل سلب ہوتی جاتی ہے۔ ابھی وقت ہے۔ کہ ہم سنبھل جائیں۔ اور فنا کے تاریک غار میں جان بوجھ کر نہ گریں +

ڈاکٹر رودرفورڈ ممبر آف پارلیمنٹ جب دہلی میں تشریف لائے۔ تو آپ نے اپنی مختصر سی تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ "میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے باشندے مقابلتاً انگلستان کے باشندوں سے زیادہ مفلس اور کمزور ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان بیچاروں کو آئے دن طاعون اور دیگر امراض گھیرے رہتے ہیں" +

ابھی موقع ہے۔ کہ ہم خبردار ہو جائیں۔ اور جسمانی صحت کی طرف غیر معمولی شوق سے متوجہ ہوں۔ ورنہ خوب سمجھ لیں۔ کہ "فنا کی تاریک غار" ہمارے سامنے موجود ہے +

ڈپٹی لال

پھر کیا تمہارے دل کے اندرونی حصہ میں کوئی باقاعدہ عمل محرک موجود نہیں ہے۔ جو تمہیں آرام نہیں لینے دیتا۔ جب تک کہ تم اس کا اتباع نہ کرو۔ بے شکایت نہ ہو۔ دیکھو تمہارے ساتھ کے کام کرنے والے زندگی جاوید کے غیر فانی مخلوق کے مقدس گروہ میں شریک ہیں" +

بھنور میں ناؤ

از حکیم رگھوبیر سہائے شاداں وبریان جہان آبادی

ہوں مناور خواہ ہوں ٹھاکر دوارے برملا — خانقاہیں اور ندے مسجدیں ہوں جابجا
خواہ ہو از بر نمستے خواہ از بر رام رام — ہو علیک وبندگی ہو یا کہ تسلیم و سلام
میلے ٹھیلے یا کہ لیلا یا کہ اُتسب سنسکار — یا کہ عرس و تعزیہ داری ہو وقفیں ہزار
سب زبانِ وید ہو یا ہو پرانوں کی زبان — یا کہ تفسیریں عیاں ہوں یا کہ ہو مصحف عیاں
ہم کو کیا کچھ ہو عقیدہ کچھ نظر کا کام ہو — خواہ ہو صبح بنارس یا اودھ کی شام ہو
ہم کو کیا کچھ شیخ ہو یا کچھ بھی ہو برہمن — جامۂ احرام یا زنّار ہو زیب بدن
بعد مردن نعش کو پھینکو جلا دو کچھ کرو — دفن کر دو یا کہ دریا میں بہا دو کچھ کرو
یا بنو جوگی پجاری یا کہ رندِ بادہ خوار — پیر و مُلّا یا بنو یا زاہد شب زندہ دار
ہو کتھا کا شغل ہو اپدیش یا کچھ بھی سہی — وعظ ہو ہو خطبہ خوانی یا کہ ہو ذکرِ نبیؐ
ہم کو پر اِن سے غرض کیا مدعا کچھ اور ہے — ادعا کچھ اور ہے ہاں ماجرا کچھ اور ہے
اور وہ یہ ہے کہ جس کو آہ سنیئے تو ذرا — "ناؤ" ہے کیا کیا "بھنور" میں ہے نہیں وہ "ناخدا"
ناؤ کیا ڈوبے گی ہے ہے کیا یہ بچنے کی نہیں — ناخدا اس کا نہیں تو کیا خدا تو بھی نہیں
صاف کہہ دیں ناؤ کیا ہے ہے بھنور کا نام کیا — پھر بتا دیں یہ بھی ہم ہے ناؤ کا جو ناخدا
ناؤ ہیں ہندو مسلماں اُنکی اَن بَن ہی بھنور — اتفاقِ ملک ان کا ناخدا ہے سر بسر
ایسی ہے گویا بھنور میں آسماں تک تار ہے — پھر بھنور کیسا کہ طوفاں خیز سا برپا ہے
نام طوفاں کا ہے فیشن یا بری تقلید ہے — نام یا بیشک تعصب کی غضب تائید ہے
اور ہیں طوفاں کے پیچھے یہ بلائیں دوستو! — نام گن گن کر تمہیں جنکا بتائیں دوستو!

کم نگاہی - ناسپاسی - بزدلی - ناراستی　　خود نمائی - غیر آزادی - فضولی - کاہلی

اور کم بادِ مخالف سے نہیں قحط و وبا　　ایسی حالت میں کہاں ممکن ہے ساحل کا پتا

اب بہ صد حسرت بتا دیں یہ بھی کیا ہے ناؤ میں　　کیوں نہ ہم ظاہر کریں جو کچھ بھرا ہے ناؤ میں

اسکے اندر غور سے دیکھو نہیں کچھ بھی کمی　　کیمیا ہے - ہے جیالوجی - ریاضی موسیقی

فلسفہ ہے سب کا سب الٰہیات اس میں ہے　　اس میں ہے سائنس و منطق ساری حکمت اسمیں ہے

ہر فلاحت اس میں ہے پوری زراعت اس میں ہے　　صنعت و حرفت ہے اس میں ہر تجارت اسمیں ہے

کیا کیا ذکر کتب ہیں سب آلات ہیں اوزار ہیں　　سارے دھندے ہیں اسی میں سارے کاروبار ہیں

ہیں اس میں فرزند عفت اور عصمت اس میں ہے　　امن و عزت اس میں ہے ہر خوابِ راحت اس میں ہے

اس میں دستار کہن ہے اس میں ہے ہر اک قبا　　طرہ و کلغی ہے اس میں ہے عبا مقنعہ ردا

اس میں ہیں سونے کی کنٹھیاں موتیوں کی ہے لڑی　　نورتن ہے بجلی ہیکل ہے ہے چمپا کلی

آنکھ کا سرمہ ہے انجن ہے مسی انجن بھی ہے　　غازہ و گلگونہ شانہ آرسی درپن بھی ہے

اس میں ہے ہر حسن تمکین نگہ و رعنا اس میں ہے　　روپ ہے چھب ہے ادا ہے خوب بن اس میں ہے

قہقہہ ہے ہے تبسم ہے اسی میں تو ہنسی　　ہے ہر اک شادی چہل ہی ہے ہر اک اس میں خوشی

ہے ہر اک نخل تمنا ہے نہالِ آرزو　　ہے بہارِ تازہ اس میں اس میں ہے پھولوں کی بو

ناؤ نکلے گی بھنور سے کس طرح کچھ تو کہو　　کیا سہارا چاہتے ہو بولو بولو لو عاجبوا

چاہتے ہی ہو سہارا تو ادھر دیکھو ابھی　　ناؤ کے نزدیک تیر[1] کر شے ہے کوئی آ گئی

بس یہی ہے خدمت ملکی ہے شوق جہاں　　ساتھ میں ہر ناخدا ہے ہاتھ میں اک بادباں

نام ہوا اس کا نیشنل کانگرس ہو حب وطن　　شے نہ ہو یا دیکھنا تو کانگرس کی تو شن وتن

چھوڑنا اس کو نہ ہرگز یہ سہارا ہے بڑا　　اس سے ممکن ہے کہ ہو وہ ہی موافق سی ہوا

---

[1] تیر کر آنے کی بجائے فصحا تر کر بھی باندھتے ہیں ؟

پھر وہی طور و روش ہو وہی ہر اک چلن
وہ ہی انداز بیاں ہو وہ ہی ہر طرزِ سخن

وہ ہی جلوت وہ ہی صحبت وہی سارا بانکپن
وہ ہی نک سک وہ ہی سج دھج ہو وہی ہر اک پھبن

وہ ہی عالم وہ ہی چرچا وہ ہی نقشِ مدعا
حوصلہ شیوہ وہی وہ ہی طریقِ پُر وفا

وہ ہی لہجہ ڈھنگ ہو وہ ہی وہی پوری اُمنگ
وہ ہی وعدہ وہ ہی نقشہ ہو وہی کیا کیا ترنگ

وہ ہی دلچسپی وہی عنت ہو دلسوزی وہی
ہو تگ و دو پھر وہی ہر شان سرگرمی وہی

وہ ہی تحصیلِ علوم و فن وہی فکرِ معاش
راستے وہ ہی وہی ہر جستجو ہر اک تلاش

غلغلہ وہ ہی وہی آوازہ ہو وہ ہی صدا
طنطنہ وہ ہی وہی ہر ایک بانگِ بیریا

وہ ہی شادابی وہی سیرابی و نزہت وہی
تازگی وہ ہی وہی ہر فصحت و نکہت وہی

ہو غرض ہر قصہ وہ ہی پھر وہی ہر اک بھلن
پھر وہی طاعت گذاری پھر وہی ہر مرد و زن

پھر وہی ہر ایک بیوہ زن پہ گہری سی نظر
پھر وہی محتاج و بیکس کے گذارے کی خبر

پھر وہی سب کی بھلائی کی تمنا رات دن
پھر وہی ہر اک نکوکاری کا دعویٰ رات دن

پھر وہی دنیا میں وقعت پھر وہی اونچی نظر
پھر وہی شاداں دل اپنا پھر وہی اپنا جگر

حکیم رگھبیر سہائے

بدر کی نصیحت راجہ دھرت راشٹ سے

اے راجہ کیرت یعنی نیکنامی کو تم دنیا میں مت مٹاؤ۔ کیونکہ کیرت ہی آدمی کی زندگی کا جوہر ہے۔ جب تک آدمی کی کیرت بنی رہتی ہے تب تک وہ زندہ رہتا ہے۔ اگرچہ وہ مر بھی گیا ہو۔ اور جنہوں نے اپنی کیرت کو ضائع کر دیا ہے وہ جیتے ہوئے ہی مردہ کے مانند ہیں۔ اس لئے اے راجہ جیسا تمہارے خاندان کے لئے زیبا ہے ویسا ہی کام تم کو کرنا چاہئیے +

دیوانہ باش

از میرزا سلطان احمد اسسٹنٹ کمشنر

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند
آں را کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

بعض وقت تاویلی فقرات یا الفاظ میں اس قسم کی پیچیدگیاں اور الجھنیں پڑ جاتی ہیں۔ کہ بادی النظر میں ایسے فقرات یا ایسے الفاظ نہ تو سمجھنے میں آ سکتے ہیں۔ اور نہ ان کا مفہوم اطمینان بخش ہوتا ہے۔ ایسے فقرات اور ایسے الفاظ کسی خاص زبان کا ہی حصہ نہیں ہوتے۔ ہر زبان اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ جب تک ایسے فقرات یا ایسے الفاظ کے اصلی مفہوم کی تفسیر نہ کی جائے۔ تب تک اعتراض رفع نہیں ہوتا +

مندرجہ عنوان فقرہ بھی منجملہ ایسے ہی فقروں کے ہے۔ بعض وقت اس کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ یہ ایک مہمل فقرہ ہے۔ اور بعض وقت یہ کہ اس کا مفہوم تمدنی اعتراض کیلئے سخت قاتل ہے۔ اس سے بجائے چستی اور محنت کے کاہلی اور سستی کا سبق ملتا ہے۔ اور انسانی جماعتوں میں ایک دلی یا بے دلی پھیلتی ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک شاعرانہ ترانہ ہے۔ اس پر عمل کرنا لازمی نہیں۔ کیونکہ یہ مشن زندگی کے سراسر خلاف ہے۔ بعض لوگوں نے یوں بھی کہا ہے۔ کہ

جیسے سنتوں اور صوفیائے کرام علیہ الرحمتہ کے شطحیات ہوتے ہیں ایسے ہی اس قسم کے فقرات بھی حکیموں اور فلاسفروں کے شطحیات میں سے ہیں

ان پر بحث کرنا عبث اور فضول ہے۔ اور ان کے مفہوم کی تشخیص ایک حرکت لغو +

اس قسم کی سب توجیہیں اسی وقت تک درست یا راست اور مخالف تمدن و تہذیب معلوم ہوتی ہیں۔ جب تک گہری نگاہوں سے ایسے الفاظ یا ایسے فقرات کا مطالعہ نہ کیا جائے۔ ایسے فقرات نہ تو لغو ہیں اور نہ بے معنے۔ ویسے نتیجہ اگر اُن کی مسلسل تاریخ تدوین معلوم ہوتی۔ تو آسانی سے یہ بحث کر سکتے تھے۔ کہ اُن کے لکھنے والے کون کون سے مشاہیر زمانہ تھے +

باوجود اس کے بھی ہم یہ کہنے کے مجاز ہیں۔ کہ اُن کے مدون ان اشخاص اور اُن مشاہیر زمانہ میں سے تھے۔ کہ جن پر زندہ اور مردہ نسلیں یکساں فخر کر سکتی ہیں۔ اُن لوگوں نے یہ کلمات اور یہ فقرات

اُن بے بہا۔ بے انداز لاتحصٰے تجربوں اور دماغ سوزیوں کے بعد تدوین کئے ہیں۔ کہ جو بجائے خود اُن کی ایک تاریخ ہیں۔ یہ اُن پاکیزہ خوش آیند تجربوں اور مشاہدات کا نچوڑ یا نتیجہ ہیں۔ کہ جن کی تفسیر کے لئے ہزاروں ورق اور دفتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ طبیب عصارۂ اثمار دیتا ہے ہیں۔ اور قوم کے حکیم یا فلاسفر عصارۂ تجارب یا مشاہدات کی معجون مرکب سے دماغ کی ذہنی حالتوں کی اصلاح کرتے اور اُنہیں اعتدال پر لاتے ہیں۔ ہمارے تمدنی ڈھانچ کی بنیاد بھی ایسے کلمات اور ایسے فقرات ہیں۔ اگر تمدنی بحثوں میں وسعت سے کسی مسئلہ کا ذکر ہے۔ تو وہ اُنہی موجزات کی تفسیر یا اُسی متن کے حواشی ہیں اگر وسعت نظر سے اُن مطالعہ کیا جاوے گا۔ تو ضمیر اُس منزل پر لے جائے گا۔ جہاں سے اُن کی حقیقت اور اصلیت کا نظارہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ۵

گفتگو معرفت حق میں ہے یار وناحق

حق جو کہنے کا تھا سب کہہ گئے کہنے والے

یہ جداگانہ اخلاقی منزلیں ہیں۔ ان میں جلد بازی ہمیشہ ٹھوکر کا باعث ہوتی ہے۔ تامل۔ تحمل۔ عمیق النظری۔ تطابق مشاہدات تدبر سے رفتہ رفتہ روشنی پڑتی جاتی ہے۔ اور ضمن مفہوم چلمن الفاظ سے جلوہ فرما ہونے لگتا ہے۔

میری چشم حیراں میں دیکھ اپنا جلوہ
تیرے پاس کیا کام ہے آرسی کا

اِس شعر کا رکن اعلےٰ دیوانہ باش ہے۔ اس پر دونوں مصرعوں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اور وہ بنیاد اسی کی تفسیر اور الفاظ کی حامل ہے۔ شاعر یا فلاسفر کہتا ہے۔ دیوانہ باش +

اس کے متعلق سوال یہ ہوگا +

دیوانہ سے کیا مراد ہے؟

دیوانہ کون ہوتا ہے؟

دیوانہ کے معنے یہاں مخبوط الحواس اور سڑی سودائی کے نہیں ہیں۔ اگر یہ معنے ہوتے۔ تو باش سے اُس کی تفسیر یا اعلان نہ کیا جاتا۔ بلکہ اس کے یہ معانی ہیں۔ کہ بعض صفات یا اُن صفات کا جو ایک دیوانگی کا نتیجہ واقعہ ہوتی ہیں۔ کاروباری یا ہر حالت میں اخذ لازمی ہے۔ وہ کیسے صفات ہیں۔ تحمل۔ بردباری۔ درگذر۔ استقلال۔ ذہن کی پختگی۔ لاپرواہی۔ راستی۔ اصلیت۔ حقیقت الامر اگر بامکان نظر کسی دیوانہ کا مشاہدہ کیا جائے۔ تو عموماً وہ صفات اور انہیں خصائل سے متصف ہوتا ہے۔ سڑی پن چھوڑ کر اُن صفات کے اعتبار سے دیوانہ اور اُس کی دیوانگی قابل تعریف ہے۔ دیوانہ جو کچھ کرتا ~~ہے~~ صحیح اور واقعی سمجھ کر کرتا ہے۔ اُسے یہ ہرگز خیال نہیں ہوتا۔ کہ کوئی اُس کے فعل سے

راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اور کون ناخوش کون اچھا کہتا ہے۔ اور کون بُرا۔ کون اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور کون نقصان۔ اگر ایک حرکت یا ایک فعل سے لوگ ناخوش ہیں۔ تو اُسے کچھ پرواہ نہیں۔ ایک استقلال سے کئے ہی جاتا ہے۔ اور اگر کسی فعل سے کوئی خوش ہے۔ تو اُس کی خوشی سے بھی کوئی سروکار نہیں +

اگر کسی فعل کی کوئی تعریف کرتا ہے۔ اور ایک فعل کی مذمت کی جاتی ہے تو کوئی پرواہ نہیں ہوتی پورے استقلال سے گویا ایک دیوانہ اپنے افعال اور اپنے حرکات کا جایزہ لیتا ہے۔ اگر ساری دنیا ایک طرف ہو۔ تو وہ ایک طرف ہو جاتا ہے +

خواہ صحیح الحواس لوگ اُس کے افعال اور حرکات کی کوئی ہی تاویل کریں وہ ہمیشہ اپنے خیال میں اپنے ضمیر کی پیروی کرتا ہے۔ لوگوں کے خیال میں اُس کا ضمیر غلیظ اور غلط کار ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنے ذہن میں اُس خیال کی پیروی یا اقتدار بہرحال واجب سمجھتا ہے +

ایک حکیم دیوانوں کی قوت ارادہ اور ضمیر کی ان الفاظ میں تاویل کرتا ہے +

دیوانہ کا ضمیر اپنی پوری قوت میں کام کرتا ہے۔ یہ جدا بات ہے۔ کہ اُس کی تمیزی حالت میں نقص ہو۔ لیکن باوجود اس کے بھی آزادی اس کی اپنا حصہ ہوتی ہے۔ ؎

کتنی ہے گرم دخترِ رز کی ادا تو دیکھ
واعظ ذرا سی پی کے تو اُس کا مزا تو دیکھ

عام الفاظ میں دیوانہ وہ ہے۔ جو اپنی دُھن کا پکا اور ضمیر کا آزاد ہو۔ اور کسی لاگ لپیٹ کی پرواہ نہ کرے۔ شاعر کا مطلب اب یہ نکلا۔ کہ

کاروبار دنیا یا کاروبار دین میں جس طرح ایک دیوانہ آزاد ضمیر آزاد منش دھن کا پکا ہوتا ہے - ایسے ہی ہر انسان کو ہونا چاہئے - جب تک یہ مشرب نہ ہو تب تک انسان زندگی کے کاروبار میں کبھی پورا نہیں اُتر سکتا - اگر انسان یہ خیال کرے - اور ان ردکوں میں رہے - کہ

اس پر دوسرے نکتہ چینیاں نہ کریں +

اس پر کوئی گرفت نہ ہو +

اس کے تمام افعال اور تمام اعتبارات پر لوگ رضامند ہوں +

ان تمام کی تعریف کی جاوے +

وہ تمام قبول کئے جائیں +

وہ ہمیشہ اپنی چند روزہ زندگی ایک کھٹکہ اور تذبذب میں ڈالتا ہے - اور وہ آزادی سے زندگی بسر نہیں کر سکتا - اس میں ضمیر کی آزادی اور استقلال کمزور ہو کر مردہ ہو جاتا ہے - اور اُس میں سے ارادہ کی طاقت رفتہ رفتہ نکلتی جاتی ہے +

اگر انسان یہ کہے یا یہ آرزو رکھے - کہ

مخلوق اُس کی رایوں یا خیالات اعمال اور افعال کی نسبت کوئی نکتہ چینی نہ کرے - اور اُن پر کوئی سچی جھوٹی گرفت نہ ہو - تو وہ زندگی معرض وبال میں ڈالتا ہے - کیا کوئی انسان کبھی ایسی کامیابی حاصل کر سکتا یا کوئی اس میں بازی لیجا سکتا ہے - انھیں مشکلات عایدہ کی وجہ سے شاعر نے توجہ دلائی ہے - کہ اُن خواہشوں کی تکمیل مشکل ہے - جس طرح ایک دیوانہ دل کچھ پرواہ نہ کرکے کاروبار کی گاڑی چلائے جاتا ہے - اور ضمیر کی ان تھک قوت سے کام لیتا ہے - اِسی طرح ہر انسان لے سکتا ہے +

جب تک دیوانگی کی دھن پیدا نہ ہو جائے۔ تب تک یہ منزل نہیں نصیب ہوتی۔ جو لوگ ایسے دل دماغ رکھتے ہیں۔ اُنہیں لوگ ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں یہ لوگ اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں۔ اُنہیں کسی کی تو تو میں میں سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ اپنی لے میں رواں دواں چلے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ تو دین و دنیا کے کاموں میں گوئے سبقت لے جاتے ہیں +

انہی کیفیتوں اور انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر شاعر کہتا ہے +

دیوانہ باش

کیوں دیوانہ باش؟

تا غم تو دیگراں خورند +

جس طرح ایک بڑی سودائی کی تیمار داری اور خبر گیری عموماً حاشیہ نشین یا اور لوگ کرتے ہیں۔ اُسی طرح ایسے ایسے کاروباری لوگوں کی بابت اور لوگ حواشی لگاتے رہتے ہیں۔ یا نکتہ چینیوں اور تعریف میں حصہ لیتے ہیں۔ گویا وہ بھی ایک قسم کی غمخواری ہی کرتے ہیں۔ وہ لوگ اپنی اپنی جگہ مصروف ہوتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ یا حاشیہ نشین اُن کی نسبت ہمیشہ بحث و مباحثہ اور قطع برید میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ اور کوئی کچھ۔ کسی کی کوئی رائے ہوتی ہے کسی کی کوئی +

جس طرح ایک سودائی ایسی باتوں اور ایسے حواشی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اِسی طرح ایسے لوگ بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر یہ حالت اُس وقت استحکام پذیر ہوتی ہے۔ جب اُس میں راستی۔ راست بازی۔ استقلال کا زور ہو۔ جسے ہم راست سمجھ کر کہہ سکتے ہیں۔ وہی راستی اور راست بازی ہے۔ جو ضمیر میں آتا ہے۔ جب اس کا ہو بہو اظہار کیا جاتا ہے۔ تو وہی ایک صداقت

ہوتی ہے۔ یہ جدا بات ہے۔ کہ زمانہ اُس کے مخالف ہے یا موافق اور فی الحقیقت
بھی راستی ہے یا نہیں +

ممکن ہے۔ کہ بعض اسباب خارجیہ یا عائدہ کی وجہ سے وہ راستی نہ ہو یا
راستی سے کسی قدر دور مگر جب ضمیر اپنے اجتہاد کے مطابق اُسے بہ پیرایہ راستی
پیش کرتا ہے۔ تو وہ بھی اُس ضمیر کے لئے ایک راستی ہے۔ گو اُس کا اور لوگوں
پر تسلیم کرنا واجب نہ ہو۔ دیوانہ جو بات کہتا ہے۔ اُس کا ضمیر اُس پر صفائی
سے شاہد ہوتا ہے۔ اگرچہ لوگوں کی رایوں میں درحقیقت وہ صداقت
نہیں ہوتی۔ مگر دیوانہ کی ضمیر کی راست بیانی میں تو کوئی شبہ نہیں رہتا ۔
راستی اور راست بیانی میں فرق ہے +

راستی تو اُس کیفیت کا نام ہے۔ جس کے خلاف کچھ اور ہو نہیں سکتا۔
اور راست بیانی اُس طرز عمل کا نام ہے۔ جو صرف اظہار مقصد سے متعلق
ہے۔ واقعہ میں میرا ضمیر ایک امر کی مجھے ہدایت کرتا ہے۔ اور اُس میں لسے
دھوکا لگ چکا ہے۔ اور وہ راستی نفس الامر میں نہیں ہے۔ لیکن اُس کا اپنے
علم اور اپنی تحقیقات کے مطابق اپنے مسلمہ کا اظہار کر دینا بجائے خود ایک
راست بیانی ہے +

جب میں ایک امر پر بعض اسباب کی وجہ سے یقین رکھتا ہوں ۔ اور
مجھے اب تک اُن اسباب مشیرہ کی سبیل نہیں ملی۔ اور میں اُن کا نتیجہ صحیح سمجھتا
ہوں۔ تو اگر میں باوجود اس کیفیت کے بھی دل میں یہ مدعا رکھ کر کسی اور
کی خاطر اپنے ضمیر کی شہادت کا انکار کروں تو میں درحقیقت درست بیانی
سے گریز کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے واسطے واقعہ قابل اظہار ہے۔ جو میرے
ذہن نشین ہے۔ عام اس سے کہ بذاتہ وہ واقعہ کوئی بھی حیثیت رکھتا ہو

شاعر مصرعۂ ثانی میں

استدلال کرتا ہے +

یعنی

آنرا کہ کار بیش غمِ روزگار بیش

جس قدر کاروبار کی وسعت ہوگی۔ اُسی قدر تعلقات بھی وسیع ہونگے

جس قدر کاروبار کی وقعت ہوگی۔ اُسی قدر اُس کے نتائج بھی وسیع ثابت ہوں گے +

شاعر اس میں تنبیہہ کرتا ہے۔ کہ وسعت کاروبار میں افکار اور علایق کی وسعت ہوتی ہے۔ اور یہ علایق اُسی حالت میں بہ خوش اسلوبی سُلجھ سکتے ہیں۔ کہ

دیوانہ ہوکر ہم کام کئے جائیں +

یہ نہیں کہ اندھا دھند بلکہ ایک استقلال وہمت سے جو دل میں استی سے آئے۔ اور قوت ضمیری اُس کی مزاحم نہ ہو۔ وہ کریں اور جہاں ضمیر مزاحمت کرے۔ اُس میں متامل ہوں۔ نہ کسی کے کہنے اور کسی کی نکتہ چینی سے کم ہمت ہوں۔ اور کسی کی تعریف سے خواہ نخواہ بے سود ہاتھ پیر ماریں۔ بلکہ نفس الامور پر غور کرکے ایک سیدھی راہ اختیار کریں۔ سہ

نقش پا لیکے بڑھے جاؤ کبھی تو منزل آئیگی

کٹھن ہے راہ گو کہ یہ مگر ہے انتہا رکھتی

جب لوگوں کی عام نکتہ چینی پر اختیار کامل یا انحصار ہو۔ تو پھر کامیابی میں گونہ شک ہے۔ کیونکہ عیب جوئی اور نکتہ چینی کا انسداد ناممکن ہے۔ اور اُسکا نہ ہونا ایک معیار صداقت قرار دینا بجائے خود ایک فریب دہ خیال

ہے +

ایک دنیادار فلاسفر کا قول ہے +

Let the People say what they like
and let us do what we like

لوگ نکتہ چینی یا اظہار رائے کرتے ہیں +

وہ کیا کچھ کہتے ہیں +

جو کچھ وہ کہتے ہیں اُنہیں کہنے دو +

یعنی لوگ ہمیشہ دوسروں کے اعمال - افعال - اور خیالات پر نکتہ چینی لگایا ہی کرتے ہیں - بے شک یہ لازمی ہے - کہ یہ معلوم کیا جائے - کہ وہ کیا کچھ کہتے ہیں - لیکن اُن کے منہ بند کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا خدائی جرأت اور ہمت کے خلاف ہے - اور نہ اُس سے اپنے ارادہ اور عزم میں کوئی فرق لانا چاہئے - کیونکہ لوگوں کی نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہو سکتا +

اور نہ اس کے بند کرنے کی ضرورت ہے - کیونکہ بعض وقت ایسی نکتہ چینیوں سے ہی تنقید ہو کر معاملات کی اصلیت کھل جاتی ہے +

جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا جاتا ہے - کہ

اُس کا یہ فعل درست نہیں +

اُس کی یہ رائے غلط ہے +

اُس کا یہ عمل غیر واجب ہے +

تو فاعل ان حواشی کے سننے سے اپنے خیالات یا افعال کی نظر ثانی ضرور کرتا ہے +

یہی نظر ثانی اور غور و فکر بعض اوقات ہماری تمام کامیابیوں کی جڑ ہوتی

ہے۔ جو شخص دنیا کی رفتار میں کبھی بھی پیچھے مڑکر نہیں دیکھتا۔ اور نہ کبھی اپنا جائزہ لیتا ہے۔ وہ گویا اندھا دھند چل رہا ہے +

کام کرنے میں دیوانہ وار چلو۔ اور دیوانہ رہو۔ لیکن جس طرح ایک سڑی دیوانہ نکتہ چینی کا احساس کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی احساس کرکے اس پر غور ثانی کرو +

دیوانگی بھی ایک قسم کی دھن ہے۔ اور بقول ایک فلاسفر کے دنیا کے کاموں میں جو لوگ اپنی دُھن کے پکے نہیں ہوتے۔ وہ کامیاب ہی نہیں ہوتے۔ ؎

نہیں آنے کے چکموں میں ترے ہم ناصح ہرگز
سڑی ہیں اور سودائی ولیکن دھن کے پکے ہیں

سلطان احمد

رسالہ نہ پہنچنے کی شکایات کا سلسلہ دن بدن زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ محکمہ ڈاک باوجود فریاد کے پوری توجہ نہیں دیتا۔ چھوٹے ڈاکخانوں میں تو اندھیر مچا ہے۔ مگر ناظرین خود خیال فرما سکتے ہیں۔ کہ ہم اس میں کہاں تک قصوروار ہیں۔ آزاد کی شہرت جوں جوں بڑھتی ہے۔ چوری میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہم حکام بالا تک بھی فریاد لے گئے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں۔ کہ جلد کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ اِس عرصہ میں ہم سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں۔ کہ رسالہ نہ پہنچنے پر خود نقصان اُٹھائیں۔ اور رسالہ دوبارہ بھیجدیں +

کانگریس کا مستقبل

از منشی گنگا پرشاد ورما ایڈیٹر ایڈووکیٹ ہندوستانی

آزاد کے نامور محسن منشی گنگا پرشاد ورما ممالک متحدہ کے مسلمہ لیڈر اور بانیان کانگرس کے ممتاز ممبر ہیں۔ کانگرس کی موجودہ نازک حالت کے وقت آپ کی رائے مسیحائی کا حکم رکھنے والی ہے۔ آپ کی زندگی اولوالعزمی اور استقلال کا سبق ہے۔ اگرچہ سب کے سب گنگا پرشاد نہیں بن سکتے۔ مگر ان کے نقش قدم پر ضرور چل سکتے ہیں۔ تمام عمر ملکی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اور اب بھی وہی دم خم ہے۔ لکھنؤ کا مشہور انگریزی اخبار ایڈووکیٹ اور اردو میں ہندوستانی ہمارے قول کی تائید کو موجود ہیں۔ اخبار کا نکالنا کوئی آسان کام نہیں اور پھر ایک چھوڑ دو دو۔ اس مصروفیت میں بھی آزاد کے لئے کس شوق سے رات کو بیٹھکر مضمون لکھا ہے۔ اس کے شکریہ کے لئے کافی الفاظ نہیں ملتے۔ آزاد اس کے لئے کس قدر ممنون احسان ہے۔ ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ایشور سچدانند ہمارے محسن کی عمر دراز کرے اور ملکی خدمات کی ہمت اور برکت دے۔ منشی صاحب کے احسانات کی آزاد کے لئے یہ پہلی قسط ہے۔ ایڈیٹر

اُس رنج اور افسوس میں جو تیئیسویں جلسہ انڈین نیشنل کانگرس کی بے لطفی کے ساتھ انجام ہونے پر تمام تعلیم یافتہ ہندیوں کو ہر حصہ ہند میں ہوا ہے۔ اگر کوئی امر اطمینان بخش ہے تو یہ کہ ایک اجلاس کانگرس کی قوت کی کمی یا شکست ہونے پر کوئی حصہ انیگلو انڈین مخالفین کا اظہار خوشی اور مسرت نہیں کرتا۔ دو برس ہوئے مخالفین نیشنل کانگرس میں انیگلو انڈین اخبارات سب سے زیادہ اس امر

کے لئے سرگرم نظر آتے تھے۔ کہ کانگرس کی کارروائیوں پر مضحکا اڑائیں۔ ولایت
میں کنسرویٹیو اخبارات اپنے مضامین کے گولوں سے قلعہ کانگرس کی دیواروں
کو گرانا چاہتے تھے۔ آج وہی اینگلو انڈین اخبارات اور اُن کے ہمخیال کنسرویٹیو
اخبارات ولایت افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ کہ کانگرس میں بدمزگی پیدا ہوئی
اور اس امر کا خطرہ پیدا ہؤا کہ کہیں اس ضابطہ اور قوانین کی پابند تحریک کو
گزند نہ پہنچے۔ اخبار اسٹیمین لکھتا ہے کہ گو ہم یہ نہیں لکھتے کہ گورنمنٹ ہند
ظالم ہے مگر وہ ظالم بھی اگر ہوتی۔ تو ہرگز اس کی اجازت نہ دیتی کہ کانگرس
کو گزند پہنچے کیونکہ اس کی موجودگی سے جذبات اور خیالات ملک سے ایک غیر ملکی
گورنمنٹ کو واقفیت حاصل ہوتی ہے +

یہ تبادلِ خیالات میں کیونکر پیدا ہؤا اس وجہ سے نہیں کہ مخالفین
قومی تحریک کے دلوں میں تعلیم یافتہ ہندیوں سے جو کانگرس کی سرگرمیوں میں
مشغول ہیں محبت عود کر آئی ہے۔ بلکہ گذشتہ دو تین سال کے تجربہ نے
یہ بتلا دیا ہے۔ کہ ہندوستان کی سرزمین سے بھی جہاں ملکی معاملات ہنوز نہ
عوام میں جوش پیدا نہیں کرتے ممکن ہے کہ ایسا گروہ پیدا ہو جاوے جو
غیر ملکی حکومت قوانین وضوابط کی پابندی ضروری نہ سمجھ کر آمادہ ہو۔ کہ جائز اور
ناجائز ہر ایک طریقہ سے گورنمنٹ کے کاروبار میں دشواری پیدا کرے۔ اور نہ
افسران گورنمنٹ کی پریشانیوں ہی سے ہندوستان کی آیندہ بہبودی سمجھے۔
اکسٹریمسٹ گروہ کی موجودگی اُس کی بڑھتی ہوئی ترقی کو شت ملک کی
تب سزا رہی سے اینگلو انڈین اخبارات کو ماڈریٹ گروہ کی
قدر معلوم ہوئی۔ اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ گورنمنٹ
پچھلے ماہ کے واقعات سے کتنا فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور کیا سبق

سیکھنی ہے +

تیئیسویں انڈین نیشنل کانگرس کا ناکامیابی کے ساتھ انجام بھی ملک کیلئے باعث برکت ثابت ہو۔ اگر افسران اعلیٰ گورنمنٹ خود اپنے گذشتہ طرز عمل پر نظر ڈال کر دیکھیں۔ کہ وہ کہاں تک انتہائی پسند پارٹی کے وجود کے خود ذمہ دار ہیں۔ انتہائی پسند پارٹی تقسیم بنگالہ کے بعد وجود میں آئی۔ بنارس کی کانگرس میں اس کی تعداد درجن دو درجن تک صوبہ بنگال میں محدود تھی۔ بنگال جو انتہائی پسند گروہ کا مرکز سمجھا جاتا ہے کلکتہ کے جلسہ میں سو دو سو سے زیادہ اکسٹریمسٹ نہ بھیج سکا حالانکہ سورت کی کانگرس میں اکسٹریمسٹ کی ایسی جمعیت تھی کہ جس نے کانگرس کے ایک جلسہ کو غارت کرنے میں کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور تین سو کی جماعت نے بارہ سو کی جماعت کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مرضی کے موافق کاروبار جلسہ کا انجام نہ پہنچا سکے۔ اگر تین برس کے اندر چند درجنوں کی جماعت سیکڑوں تک پہنچ گئی تو کیا عجب ہے کہ آیندہ یہ جماعت اور بھی ترقی کرے +

گورنمنٹ ہند جائز شکایات کی طرف سے خود ہی غافل رہی۔ رعایا کی فریاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تعلیم یافتہ جماعت سے حقارت کا برتاؤ کیا اور ایسے احکام صادر کئے جو قومی تنفر بڑھانیوالے تھے۔ ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دی اور یہی باعث اکسٹریمسٹ جماعت کی تقویت کا ہوا +

رایٹ آنریبل جان مارلے صاحب نے اپنی اسپیچ بمقام اربورتھ Arbroath میں ماڈریٹ گروہ سے چاہا تھا کہ وہ گورنمنٹ کی امداد کرے۔ مگر مسٹر مارلے صاحب کو گذشتہ ہفتہ کے واقعات سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ماڈریٹ اور انتہا پسند میں کوئی دیوار حائل نہیں ہے۔ آج جو ماڈریٹ

ہیں۔کل اکسٹریمسٹ بن سکتے ہیں۔سب دارو مدار گورنمنٹ کے طرز عمل اور برتاؤ پر ہے۔اگر گورنمنٹ نے اب تک اعتدال پسند گروہ کی معروضات کا خیال کیا ہوتا تو اکسٹریمسٹ گروہ ہرگز نہ پیدا ہوتا۔اکسٹریمسٹ گروہ کی آج ثبت ہو جاوے۔اور لوگوں کو اُس کی طرف مخاطب ہونے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ بشرطیکہ گورنمنٹ اپنی جانب سے اُن شکایات کے دفعیہ کا انتظام کرے۔ کہ جن کی نسبت تمام ملک متفق الآواز ہو کر عرصہ سے عرض و معروض کر رہا ہے۔لندن ٹائمس نے صورت کی کانگرس کے واقعات پر نکتہ چینی کرتے وقت لکھا ہے۔ کہ کانگرس کا فرض ہے کہ وہ اپنے تئیں انتہائی پسند خیالات کے لوگوں سے علیحدہ کرے۔ مگر یہ علیحدگی کیونکر ممکن ہے کسی شخص کے چہرہ پر یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ وہ اکسٹریمسٹ ہے کہ وہ جلسہ کانگرس سے خارج کر دیا جاوے۔اکسٹریمسٹ گروہ کے اثر میں کمی اُس وقت ہو سکتی ہے جب گورنمنٹ خود اس کا موقع نہ دے کہ انتہائی پسند گروہ گورنمنٹ کے ارادوں کی نسبت غلط فہمی پھیلا سکے۔لندن کے مشہور لبرل آرگن ڈیلی نیوز نے خوب لکھا ہے کہ سورت میں بدمزگی کی ذمہ داری بہت کچھ برٹش پالیسی پر ہے۔اصلاح انتظام ہند میں اصلاحات بہت سستی اور نارضامندی کے ساتھ منظور کی جاتی ہیں۔ بلاشک ہر ایک پابند ضابطہ اور قانونی شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے تئیں ایسے گروہ سے علیحدہ رکھے۔جو اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ہندوستان کی ترقی کے لئے انگلستان کے ساتھ تعلق لازمی ہے اور اُس کو جب تک کہ ہندوستانی خود اپنے اوپر حکومت کرنا نہ سیکھ جاویں۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان کے سایۂ عاطفت میں اُس کی ہستی قایم رہے۔مگر یہ علیحدگی اُسی وقت عمل میں آسکتی ہے۔جب واقعی یہ خیال گورنمنٹ کے ذہن نشین

ہو جائے۔ کہ بہترین دانشمندی یہی ہے کہ رعایا کی خواہشات اُن کی آرزو کے مطابق پوری کی جاویں +

اس جگہ یہ لکھنے کا موقع نہیں ہے کہ سورت میں بدمزگی ہر دو فریقوں کے درمیان کیونکر پیدا ہوئی۔ انتہا پسند اور اعتدال پسند گروہ ہم خیال نہیں ہیں۔ اُن کے طرزِ عمل میں فرق ہے۔ وہ بالکل ایک دوسرے سے اپنے اغراض میں جدا ہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ اس علیحدگی پر افسوس ظاہر کیا جاوے اور بیکار غل مچایا جاوے۔ کہ کانگرس میں دو فریق پیدا ہو گئے ہیں۔ اور اتحاد مٹ گیا ہے یہ اختلاف بہ اعلان عام قبول کیا جانا چاہیئے۔ ہر دو فریق اپنے اپنے طور پر خدمت ملکی انجام دیں۔ اگر اکسٹریمسٹ واقعی خیر اندیش ملک ہیں تو اُن کا کام ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے ملکی خدمت کریں۔ اور اُن لوگوں سے بالکل علیحدہ ہو جاویں جن کی نسبت خیال ہے کہ وہ اگر افسران گورنمنٹ سے در پردہ ملے ہوئے نہیں ہیں تو ایسی پالیسی پر چل رہے ہیں جو اُن کو غیر ملکی سلطنت کا ہمیشہ غلام بنائے رہیگی۔ اختلاف قایم رکھ کر بھی ہر دو فریق ملکی کام کر سکتے ہیں۔ ولایت میں مختلف پارٹیاں ملکی کام کرنیوالوں کی موجود ہیں۔ بجائے اس کے کہ یہ آپس میں سر پھٹول کریں۔ اپنے اپنے طور پر کام کرتی ہیں۔ باوجودیکہ کنسرویٹو اور لبرل فریق ہیں جن کے متعلق اندرونی معاملات ملک پر سخت اختلاف ہے مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ فشوڈہ کے معاملہ پر کیونکر دونوں فریقوں نے متفق ہو کر فرانس کو دبا لیا۔ کیونکہ کنسرویٹو اور لبرل پارٹیاں جنگ ٹرنسوال کے موقع پر متفق ہو گئیں۔ سال گذشتہ جب کہ محض چند افترا ع پردازوں کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو خطرہ ہے۔ تو تمام کنسرویٹو اور لبرل تعلیم یافتہ اہل ہند کے خلاف متحد ہو گئے۔

اور کچھ عرصہ تک ہمارے دوستوں کی آواز سنائی تک نہیں دیتی تھی۔ غرض یہ ہے کہ اگر ہندوستان کی پولٹیکل پارٹی اتحاد کے ساتھ کام کر سکتی تھی۔ جیسا کہ ۲۰ سال سے کام ہوتا رہا تو بہتر تھا۔ مگر جب اختلاف پیدا ہو گیا تو مناسب یہی ہے کہ ہر فریق اس امر کو مدنظر رکھ کر کہ ملکی فوائد کو گزند نہ پہنچے اپنے اپنے طریقے سے ملکی خدمات انجام دے +

ایک زمانہ ہندوستان میں وہ تھا۔ جب پبلک معاملات میں دلچسپی لینے والوں کی تقسیم خوشامدیوں اور آزاد گروہ کے نام سے منسوب ہوتی تھی۔ اب بیس سال کی پولٹیکل جدوجہد کا یہ خاطر خواہ نتیجہ ہوا ہے کہ اگر قومی اور ملکی فوائد کو نقصان پہنچا کر ذاتی مفاد کے حاصل کرنے والوں کی تعداد بالکل مٹ نہیں گئی ہے۔ تاہم اس قدر تو ضرور ہوا ہے۔ کہ یہ حضرات لیڈری کا دعوےٰ نہیں کرتے ہیں آزاد گروہ میں البتہ دو پارٹیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک اعتدال پسند اور ایک انتہا پسند۔ باوجودیکہ انتہا پسند پارٹی کے اصولوں سے ہم کو اختلاف ہے۔ مگر اس پارٹی میں بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جن کا ہماری نگاہوں میں اعزاز ہے اور جن سے اگر بائیکاٹ کے مسئلہ پر ہم کو اختلاف ہے تو ساتھ ہی اس امر پر اتفاق ہے کہ فلاح ملک کا دارومدار بہت کچھ اپنی کوششوں پر منحصر ہے۔ اور اس سے ہم کو کسی حالت میں دریغ نہ کرنا چاہیئے +

نیشنل کانگرس شکست نہیں ہوئی بلکہ اس کی بنیاد اب اس قدر زمین میں گہری جم گئی ہے۔ کہ کوئی قوت اس کو اکھاڑ کر نہیں پھینک سکتی۔ ۲۲ برس تک اینگلو انڈین جماعت اور اس کے اخبارات نے نیشنل کانگرس کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جب کانگرس ان چوٹوں کو برداشت کر کے زندہ رہ سکی تو کیا وہ شکیم اختلاف کی ایک ذرا سی برداشت نہ کر سکے گی۔ اس عالمگیر

افسوس ہوتا ہے کہ جو پچھلے ہفتے کے واقعات پر ملک میں ظاہر کیا گیا ہے۔ پتہ
چلتا ہے کہ نیشنل کانگرس نے ہندوستانیوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ہے۔
ہم اُن لوگوں میں نہیں ہیں کہ جو ان خفیف دشواریوں سے مایوس ہو جاویں
ہمارا اپنا تو یہ خیال ہے۔ کہ ایسٹر کی تعطیل میں جب سب کمیٹی مقرر کردہ کنونشن
تین شہروں میں سے ایک شہر کی دعوت قبول کرے گی اور قرار دے گی کہ
ٹھیک وہ بدر اس یا سورت یا کراچی میں چوبیسواں جلسہ نیشنل کانگرس کا منعقد
ہو اُس وقت ملک اُسی خوشی سے جوق جوق ڈیلیگیٹ اس جلسہ میں
شرکت کو بھیجے گا جس طرح سے اسے سورت کے جلسہ میں بھیجے تھے۔ اور
نیا دور نیشنل کانگرس کے پرانے دور سے بدرجہا زبردست ثابت ہوگا۔ ۱۸۸۵ء
میں کانگرس کی بنیاد ۷۲ ڈیلیگیٹوں کی شرکت سے ڈالی گئی تھی۔ کہاں ۷۲ کی تعداد
کہاں دس ہزار کی جمعیت۔ آج جدید سلسلہ کانگرس کی بنیاد آٹھ نو سو ڈیلیگیٹوں
نے متفق ہو کر ڈالی ہے۔ ہمیں پورا بھروسہ ہے۔ کہ دس سال کے عرصہ میں
یہ آٹھ سو حضرات اپنے گرد لاکھ دو لاکھ کی جماعت قایم کریں گے۔ چونکہ یہ خیال
مضبوطی سے ہر شخص کے دل میں جم گیا ہے کہ کانگرس کا یہ کام نہیں ہے کہ
سال بھر میں تین دن تک کام کرے۔ چونکہ خاص خاص صوبوں کی کانفرنس ہونے
لگی ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ کانفرنس کے انعقاد کی نوبت آ پہنچی ہے لہٰذا ہم اُمید
کرتے ہیں کہ اگر پورے انتظام سے کام ہوا تو آئندہ دس سال کے اندر ایک
بھی تحصیل یا پرگنہ تمام ملک میں نہ بچیگا جس میں ایک آدھ ممبر کانگرس کا موجود
نہ ہو جو اپنی نظیر سے اپنے پڑوسیوں کو یہ نہ سکھلائے۔ کہ بہترین ریاضت
اس وقت ہندوستان کے ہر باشندہ کے لئے یہ ہے کہ ملک سے محبت کرے
باشندگان ملک میں تعلیم پھیلا دے۔ اور ایک دوسرے میں احساس قومیت

پیدا کرے۔ کانگرس کی تحریک نے ہندوستان میں جان ڈال دی ہے۔ ہندوستان میں وہ بیداری پیدا ہو گئی ہے کہ جن آثار بیداری کو دیکھ کر اغیار اور دوست سب ہی حیرت کرتے ہیں بائیس سال کی کوششوں نے جو خیال ملک میں پیدا کر دیا ہے کوئی طاقت اس خیال کو مٹا نہیں سکتی۔ ممکن ہے کہ بیرونی مخالف یا اس کے دوست ہی اپنی نافہمی سے کچھ رکاوٹ پیدا کریں۔ مگر یہ بنیاد اب کمزور ہونے والی نہیں اگر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی کوشش یہی ہے کہ ملک میں قومیت کا خیال پیدا ہوا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ماڈریٹ اور اکسٹریمسٹ دونوں پارٹیوں میں ایسے لوگ ہیں جنکی اس ملکی حب الوطنی پر شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا تو یہ لازمی ہے۔ کہ کانگرس کی قوت ملک کے لئے باعث ثروت اور انگریزی قوم کے لئے باعث تقویت ثابت ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنا مشن پورا کرینگے یعنی جہالت اور ذلت میں گری ہوئی قوم کو اپنے اوپر حکومت کرنی سکھا دینگے یا وہ منزلت حاصل کرینگے۔ جو ہر بندۂ خدا کی آرزو رہی ہے +

گنگا پرشاد ورما

مشرق گورکھپور بعض ناتجربہ کار جب اخبار نویسی کی سی اہم ذمہ داری کو اپنے سر لیتے ہیں اور جنہیں ہم یہ کہنے کیلئے مجبور ہیں کہ ملک میں زہریلا اثر پیدا کرتے ہیں تو یہ معزز پیشہ اور اہم کام بدنام ہوتا پاتا ہے ایسے اخبار نویسوں کے میدان میں آنیکی ضرورت ہے جو ٹھنڈے دل و دماغ سے سچائی کی پیروی کریں اور ایک نقطہ بھی قلم سے ایسا نہ نکلے جو قابل شبہ معلوم ہے گرانبوالا ہو ہمیں مشرق کی اشاعت سے بڑی خوشی ہوئی ہے کیونکہ یہ حکیم برہم اپنے تجربہ کار اور زمانہ کی تیزی دیکھے ہوئے ہاتھوں میں ہے۔ حکیم برہم ان بہی خواہان ملک سے ہیں جنکا پہلے سے درد بھرا دل اور ہاتھ میں کلک رامت گفتار ہے ہمارے ناظرین حکیم برہم سے خوب واقف ہیں کیونکہ انکے مضامین نیتاق آزاد ہوتے رہتے ہیں ہم اپنے دوست کو انکی کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انکی ہمت میں برکت دے۔ قیمت للعہ البتہ کسی قدر زیادہ ہے ہمارے دوست کو اس پر غور کرنا چاہئے کیونکہ ملک کا بڑھتا ہوا افلاس اہل ملک مجبور ہیں کہ وہ زیادہ قیمت کے اخبارات کی خواہ وہ سچی رائے کی اشاعت کرنیوالا ہو قدر نہیں کر سکتے +

کانگرس میں فرقہ بندی

از منشی رامدیال ودیارتھی مختار عدالت و سابق ایڈیٹر رسالہ دیش ہتکاری

جنوری گذشتہ میں جب کلکتہ کانگرس کے موقعہ پر کانگرس میں فرقہ بندی نمایاں ہوئی تھی تو ہم نے اس اختلاف رائے کو ضروریات سمجھا تھا اور ہمارا خیال تھا کہ بیدار مغز ذیشان قوم اس اختلاف کی روشنی میں نیکی پکڑ بدی کو پھینک دیگی اور ان کا یہ اختلاف نفاق کی صورت اختیار نہ کریگا۔ کاش ہمارے لیڈر زمانہ کیساتھ چلنے کی کوشش کرتے اور اپنی اتفاقی کمزوریوں کو کانگرس کے معاملات میں دخل نہ دیکر اس عظیم الشان انجمن کو نقصان نہ پہنچاتے جسکے زوال کیساتھ تمام ہندوستان کی آرزوؤں کا خون ہو جانا ضروری ہے۔ زمانہ پیشتر کی نسبت بہت زیادہ نازک ہے اور اب ہندوستانی منزل ترقی کی اس حد اور چٹان پر پہنچی ہے جہاں بہت سی کششیں منزل مقصود کی بلندی تک پہنچا سکتی ہیں اور وہاں سے بلکہ اس بلندی سے نیچے گراکر پاش پاش کر ڈالنے والی ہے اب وقت ہے کہ تمام بہی خواہان ملک اختلافات کو مٹاکر ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے بلندی کی طرف جانیکی کوشش کریں۔ ہمارے دوست منشی رامدیال نے اپنے مضمون میں کانگرس کے دونوں فریق پر روشنی ڈالی ہے ہمیں انتہا پسندوں کی حکام کو تنگ کرنے والی پولیسی سے اتفاق نہیں اور اس کے متعلق ہم نے اپنے خیالات کسی دوسری جگہ ظاہر کئے ہیں۔ (ایڈیٹر) +

کھینچ اس کو نہ لایا جذبۂ دل تاثیر کچھ نامے نے کی
میں دونوں کا شاکی ہی رہا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

جن دنوں لارڈ کرزن کی خودنما اور ضدی طبیعت ہندوستان کی آیندہ نسلوں کے دماغوں پر یونیورسٹی ایکٹ کے ذریعہ سے تاثیر پہنچانے کی کوششوں میں سرگرم تھی انہی دنوں ہندوستان کی پالیٹکس کی [illegible] ہوئی دھیمی چنگاری تیز ہوتی جارہی تھی۔ صوبہ بنگال نے اپنی اعلے دماغی سے لارڈ کرزن کی خطرناک پالیسی کو روشنی میں لاکر لارڈ ممدوح کو جھنجھلا دیا۔ آخر لارڈ موصوف کلکتہ یونیورسٹی

کے سالانہ جلسہ پر غصہ ضبط نہ کر سکے اور بہت کچھ اُلٹی سیدھی کہہ سنائیں۔ اس واقع نے تمام ملک میں ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ تمام ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک وائسرائے کے اس قول پر اظہار ناپسندیدگی اور ناراضگی کیا گیا۔ اس طوفان میں بنگالیوں نے بھی لارڈ کرزن کے کانوں میں ایسا بیٹھ کر دو ہوا سے دیا اچھایا۔ کہ لارڈ موصوف کا دماغ بھی بھنا گیا جس سے اس خیال کے پیدا ہونے کا موقع ہوا کہ بنگالی قوم گورنمنٹ کے کان پھوڑنے والی ہے۔ اس لیئے تجویز کی گئی۔ کہ اُن کو منتشر کر دینا چاہیئے۔ اور تقسیم بنگال کا شوشہ شروع کیا گیا لیکن اس تجویز سے بجائے اس کے کہ بنگالیوں کی زبان بند ہوتی اور تیز ہو گئی اور اس مرتبہ اُنھوں نے پہلے سے بھی زیادہ گلا پھاڑ کر وہ چیخ پکار مچائی شروع کی کہ الہ امان! پارلیمنٹ تک جا کر دُہائی دی۔ بیچارے براڈرک صاحب نے وزارت میں اپنے تھوڑے سے دن ایک کان گونگا ایک بہرا کر کے کاٹے۔ لیکن راج ہٹ مشہور ہے۔ تجویز نہ ٹلنی تھی نہ ٹلی اور تقسیم بنگال کے عمل میں آنیکا اعلان ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا ع

ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپنے چھیڑا ہم کو

سیکریٹ بل اور یونیورسٹی ایکٹ کے دھچکے پہلے سہ ہی چکے تھے۔ گالیاں بھی برداشت کر چکے تھے۔ آخر ضبط کی بھی انتہا ہے۔ بنگالیوں نے بھی بگڑ کر اپنے دماغی جوہر دکھانے شروع کیئے۔ ایک قانونی نکتہ ہی نکال مارا کہ "وائسرائے کو صوبہ کی تقسیم کا اختیار ہی نہیں ہے"۔ لیکن لارڈ کرزن بھی کچھ ایسے ویسے نہیں تھے اور پھر قانون تو اُن کی جدی میراث ٹھیری۔ اس میں کسی کا اجارہ ہی کیا تھا خیر یہ بات تو یوں ہی آئی گئی ہو گئی کہ اُدھر سودیشی کی تحریک شروع کر دی گئی۔ جو گو ہندوستان میں نئی نہیں تھی لیکن پولٹیکل دنیا میں بالکل نئی تھی۔ اِدھر

بنگالیوں کے جوش کا پارہ چڑھتا رہا اور اُدھر ساتھ ساتھ سودیشی کا پودا نشو و نما پاتا رہا۔ لیکن کچھ ہی دن میں وہ سودیشی جس کی بنا محبت ملکی پر تھی خالی سودیشی نہ رہی۔ بلکہ بائیکاٹ کی شکل میں بدل گئی۔ آخر گورنمنٹ کی گذشتہ پالسی سے متاثر ہو کر کہ "گورنمنٹ ہماری بات سنتی ہی نہیں۔ ہماری خواہشات اور ضروریات کا ذرا لحاظ نہیں کرتی۔ ۲۰ برس سے بکتے بکتے اپنا گلا خشک کر لیا" گورنمنٹ کے کان تو معلوم نہیں کہ بہرے ہوئے یا نہیں، لیکن کانگریس کے مطالبہ پورے ہونے کا دن نہ آیا۔ ایک گروہ جدید خیال لیکر پالیٹکس کے میدان میں آیا اور یہ کہکر کہ ؎

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا

دلیری سے اپنا نیا راستہ نکال کر آگے بڑھنا۔ مثل ہے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اُس نے زور سے اعلان کیا کہ

"اب گورنمنٹ کو اپنی خواہشات بتلانا اور اُس سے کچھ مانگنا فضول ہے۔ مانگنے سے آج تک دنیا میں کہیں کچھ نہیں ملا" ع

بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک

اب خاموش ہو جاؤ۔ اور اپنے میں طاقت پیدا کرو تاکہ گورنمنٹ بغیر مانگے خود دے۔ اس اعلان نے ہندوستانی پالیٹکس میں ایک نیا دور پیدا کر دیا۔ پہلے پہلے بنگالی ہی اس گروہ میں تھے۔ لیکن گورنمنٹ کے پہلے چکنے چپڑے وعدے جو ہندوستانیوں کے دل کو بہلا چکے تھے وہ طفلی تسلی سے زیادہ ثابت نہ ہوئے تھے۔ پچھلے طرز عمل کی سرد مہریوں نے تمام ملک کا دل سخت مایوسی سے بھر دیا تھا اس لئے ملک کے دیگر صوبوں پر بھی اس جدید خیال نے اپنا قبضہ

آسانی سے پالیا۔ اور پھر اس خیال کے حامیوں کی اچھی خاصی ایک پارٹی ہوگئی۔ جس نے پولیٹیکل کام کا طرز ہی بدل دیا۔ پانچ چھ مہینے میں بنارس کانگرس کے موقع تک گو یہ پارٹی بطور ایک علٰحدہ گروہ کے موسوم نہیں ہوئی تھی لیکن اس خیال کے حامیوں کی تعداد محدود کے دائرے سے آگے نکل چکی تھی۔ اس سے اگلے ایک برس کے اور عرصہ میں اس گروہ نے ملک میں خوب ہل چل مچائی اور ملکی خدمت میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے میں اپنی ایثار نفسی کی مثالیں قائم کیں۔ صوبہ بمبئی جہاں پہلے ہی سے ایسے مادہ کے جذب کرنے کا سامان تھا۔ اس گروہ کا خوب پشت و پناہ ثابت ہوا۔ ان دونوں صوبوں میں متعدد نوجوان ایڈیٹران و طالب علموں نے خود کو اپنے خیالات کی حمایت میں جیلخانہ کی تکالیف کے لئے پیش کیا۔ اس عرصہ میں کلکتہ کانگرس کا موقع آگیا اور پہلی ہی مرتبہ اس گروہ نے مسٹر تلک کو جو گو اُس وقت اس گروہ کے لیڈر تھے۔ لیکن ملکی خدمت اور علمی قابلیت میں دوسرے گروہ میں بھی کسی اور لیڈر سے کم ممتاز نہیں تھے۔ اور جن کے مقابلہ میں بلحاظ ایثار نفسی کوئی مثال ملک میں سامنے نہیں آسکتی ہے کانگرس کی پریسیڈنٹی کے لئے صریح طور پر پیش کیا۔ کیونکہ بنارس کانگرس میں بھی ان کی پریسیڈنٹی کا سوال تھا لیکن وہاں صریح طور پر پیش نہیں ہوا تھا۔ لیکن خلاف امید اس سوال پر جدید گروہ سے سخت اختلاف اس گروہ کا ہوگیا۔ جو نئے خیالات سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ اور گورنمنٹ کی اس قدر سرد مہری پر بھی اُس کی سخاوت سے مایوس نہ تھا۔ لیکن آخر میں پُرانے گروہ کی جیت رہی اور نئے جس طرح بنارس میں چپ ہوگئے تھے۔ یہاں بھی صریح طور پر دب گئے۔ بزرگ اعظم دادا بھائی پریسیڈنٹ بنا دیئے گئے۔ جنہوں نے جدید گروہ کی خواہشات کا لحاظ رکھ کر سیلف گورنمنٹ یعنی سوراج کا اعلان بطور

مقصد پولٹیکل ایجیٹیشن کے سنا دیا۔ کلکتہ کانگرس کی اس ہلچل میں نئے گروہ نے ملک سے اپنا نام بھی پا لیا۔ اور وہ بطور ایک علیحدہ پارٹی کے ایکسٹریمسٹ یا گرم کے نام سے پکارے جانے لگے۔ لیکن اب چند ماہ سے اس گروہ نے اپنا نام ایکسٹریمسٹ اپنی حالت کے ناموزوں قرار دیکر اپنی پارٹی کا نام نیشنلسٹ یعنی قوم کی بہبودی چاہنے والی پارٹی قائم کیا ہے۔ پرانے گروہ کا نام اُس وقت سے ماڈریٹ یا معتدل مزاج مشہور ہوا۔ اور اُس وقت سے بیچ طور پر دو پارٹیاں کانگرس میں دو مختلف اصولوں پر کام کرنے لگیں ؛

سنہ ۱۹۰۷ء چارج دیکر روانہ ہوئے۔ اور ان کے بھائی سنہ ۱۹۰۶ء کے رقیب آ دھمکے۔ ڈیڑھ برس کے بعد اس سال ایکسٹریمسٹ نے اپنے اصولوں کی خوب گرما گرمی دکھلائی۔ گورنمنٹ کے کان پہلے ہی سے کھڑے ہونے شروع ہو رہے تھے۔ اس لئے سختی شروع ہوئی چونکہ جوش پہلے ہی سے ترقی پر تھا اس طرز نے سخت ایجیٹیشن پیدا کر دیا۔ ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک بوڑھے اور نوجوان ایکسٹریمسٹ نے ملک کے لئے ایثار نفسی کی متعدد مثالیں پیش کرنی شروع کیں۔ بمبئی میں مسٹر تلک۔ کال اور بھالا کے ایڈیٹران سارٹیفکٹ یافتہ تھے ہی۔ بنگال میں بپن چندر پال۔ یوگانتر۔ سندھیا اور بندے ماترم کے ایڈیٹران و پروپرائیٹران ودیگر متعدد نوجوانان نے اپنے کانشنس اور اصول کی پیروی میں ملک کے لئے بجائے دنیوی جاہ وحشمت و آرام کے جیلخانہ کی مصیبتوں کو بہتر قرار دیا۔ قانون نوآبادی۔ قانون آبیانہ۔ اضافہ مالیہ بندوبست راولپنڈی۔ پنجابی کا مقدمہ جیسے واقعات نے پنجاب کا پولٹیکل مطلع غبار آلود کر ہی رکھا تھا۔ لالہ لاجپت رائے اور سردار اجیت سنگھ کی جلاوطنی اور راولپنڈی کے مقدمہ نے اور بھی رنگت پیدا کر دی۔ ایکسٹریمسٹ

نے اس سال جس نسبت سے ترقی کی اُسی نسبت سے اُن کا اختلاف ماڈریٹ
سے بڑھتا گیا۔ ناگپور میں اس اختلاف نے بُری صورت اختیار کر لی۔ اس
سال کے چند اور واقعات سے غلط فہمی میں پڑ کر ناک بُری باتیں بلاتفریق ایکسٹریمسٹ
سے منسوب کی گئیں۔ تواریخ کو اگر غلط ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے تو کہا جا سکتا
ہے کہ پچھلے ایک ہزار برس کے ایشیائی طرز حکومت و فلسفہ سیاست میں یہ
اختیار داخل نہ تھا کہ بادشاہ اور اُس کے ارکان کے افعال پر رعایا میں سے
کسی شخص کو کوئی اعتراض کرنے کا حق حاصل ہو۔ پہلی تہذیب سیاست کے
آداب ایران کے ایک خوش بیان شاعر نے ذیل کے شعر میں خوب ادا
کئے ہیں۔؎

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

ہندوؤں کی بہت پہلی مکمل صحیح تواریخ نہیں ملتی لیکن جس قدر ملتی
ہے اُس میں بھی کوئی مثال اس قسم کی نہیں پائی جاتی جو یہ بتلاتی ہو کہ
راجا اور اس کے ارکان کے افعال پر رعایا کو رائے زنی کا آزادانہ حق رہا ہے۔
گو ہندوؤں کی پولیٹکل اکانومی (راج نیتی) میں راجا اور اُس کی کونسل کے
متعلق فرائض بیان کئے ہیں۔ مشہور نیتی منوسمرتی میں بھی اس بارے میں ذکر
ہے جس میں آج کل کی سی جمہوری حکومت کا نقشہ کھینچا ہے۔ لیکن ایشیائی
طرز سیاست کی تواریخ میں نہ تو ہندوؤں اور نہ مسلمانوں اور نہ دیگر اقوام
کے زمانہ میں کوئی ایسی نظیر [illegible] ملک میں [illegible] تھی کہ کبھی جمہوری طرز پر حکومت
رہی ہو۔ جن لوگوں کے دماغ پر اس قسم کے آداب سیاست مسلط تھے ان کو
تو ایکسٹریمسٹ ہی کیا۔ اگر ماڈریٹ بھی طرفہ تجویزوں سے مستلزم ہوں تو تعجب ہی کیا

ہے۔ اور اگر روح کی مذہبی فلاسفی صحیح ہے۔ اور اُس کے بموجب کہیں حضرت سعدیؒ یا پہلے سلاطین میں سے کسی کی روح دائم البقا میں رہکر آسمان پر ہندوستان کی موجودہ حالت کی سیر کر رہی ہو تو بے شک ان کو اس زمانہ کے بادشاہ اور رعایا عجیب معلوم ہوتے ہونگے۔ جن کا خیال تھا۔ ؎

خلاف رائے سلطاں رائے جُستن
بخونِ خویش باید دست شُستن

لیکن اس روشنی اور آزادی کے زمانہ میں بھی ایک گروہ ملک میں ایسا ہے جو پالٹیکس کو کفر سمجھتا ہے۔ گو آخر وہ لوگ بھی جو "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کے مسئلہ کے قایل تھے اور جو کانگرس کو کوسنا ہی اپنا فرض سمجھتے تھے اس سال کے زبردست اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اپنے حجروں سے نکلکر گورنمنٹ ہاؤس شملہ پر جا کھڑے ہوئے لیکن اگر ان کو ایکسٹریمسٹ گردن زدنی قرار دیتے ہوں تو ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیڈرشپ کی آرزو رکھتے ہوئے گورنمنٹ کی ذرا بدلی ہوئی نظروں سے گھبرا جانے والوں کے نئے تو ماڈریٹ اور ایکسٹریمسٹ دونوں پہلے ہی ہوا تھے۔ سواری کے بعض نئے گھوڑے کی طرح بھڑکنے والے حکام تو ایکسٹریمسٹ کو برٹش کی جڑ کھودنے والا سمجھتے ہی تھے۔ اگر اپنے خاصے لیڈر مسٹر عبدالقادر کو سرزمین آزادی (یورپ) کی ہوا کھا چکنے اور پہلے آزادانہ خیالات ظاہر کرنے کے بعد اس ملک کی ہوا لگ جائے اور وہ مسٹر کیر ہارڈی کے سامنے ایکسٹریمسٹ کو برٹش سلطنت کا انڈیا سے نکالنے والا کہدیں۔ تو کچھ زیادہ نا امیدی سوائے اسکے نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ اپنے پہلے آزاد خیالات پر قایم رہکر وطن میں اپنے بھائیوں کو اپنے خیالات پر لانے۔ لیکن نئی پولیٹکل اکانومی کے تعلیم یافتہ اور آزادی کی ہوا

کے جھونکوں کا مزا لئے ہوئے پولیٹکل اصلاح کا گروہ بھی اگر ایکسٹریمسٹ کے ساتھ اختلاف خیال سے آگے اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کی نگاہوں میں ایکسٹریمسٹ کھٹکنے لگیں تو بے شک زیادہ تعجب تھا +

نہ تو ایکسٹریمسٹ کو اور نہ کسی اور شخص کو اس بات کے ماننے میں ذرا بھی تامل ہو سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ سے ہندوستان کو بے شمار فوائد پہنچے ہیں۔ موجودہ پالیٹکس کی آزادانہ روش انگریزی پالیٹکس کا سبق ہے۔ ہمارا مقصد سیلف گورنمنٹ انگریزی پالیٹکس کا معراج ہے۔ ایسی حالت میں حکومت برطانیہ کی بہت سی نعمتوں کا اعتراف نہ کرنا سخت ناشکری ہوگی۔ یہ مسلمہ ہے کہ گورنمنٹ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کا سبق حکومت برطانیہ کے پہلے بعض وسیع خیال حکام کا پڑھایا ہوا ہے۔ ۱۸۳۵ء میں سر چارلس مٹکاف صاحب گورنر جنرل نے اخبارات کو آزادی عطا کرتے وقت فرمایا تھا +

اس سے ظاہر ہوگا۔ کہ گورنمنٹ اپنی رعایا سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتی۔ اور وہ خوشی سے گوارا کرتی ہے۔ کہ اس کی رعایا اس کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرے۔ تاکہ گورنمنٹ کو رعایا کی خواہشات معلوم ہوتی رہیں +

اس کے بعد ۱۸۸۰ء میں لارڈ رپن کی آزاد خیالی سے کانگرس کی بنا پڑی اور ملکہ معظمہ کا اعلان میگنا چارٹا ہندوستان میں پولیٹکل ایجیٹیشن کی بنیاد ہو گیا۔ ایکسٹریمسٹ کہتے ہیں :۔

جو وعدے سلطنت برطانیہ کے مدبران نے رعایا سے کئے ہیں۔ ان کے پورا کرنے کے لئے ہماری جد و جہد ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکام یا تو اُن کو پورا کر کے وسیع خیال بن کر ثابت کریں یا صاف کہدیں کہ یہ

وعدے پورے نہ کئے جائیں گے اور صریح طور پر انگلینڈ کے فواید کے لئے پہلی حکومتوں کے طرز پر حکومت کریں۔ زبان سے کچھ اور عمل کچھ کرکے مفت میں اپنے انصاف اور وسیع خیال ہونے کی شہرت نہ حاصل کریں +

اور غالباً ایکسٹریمسٹ کے اس قول سے تو ماڈریٹ کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا اور نہ سیلف گورنمنٹ کی آرزو سے جو کہ ہندوستان کی پولٹیکل جدوجہد کا معراج ہے +

سیلف گورنمنٹ یا سواراج کا مطلب ہے۔ اپنی گورنمنٹ یا اپنا راج۔ بعض اصحاب ناواقفیت یا کسی اور غلط فہمی کی وجہ سے ایکسٹریمسٹ پر الزام رکھتے ہیں کہ اُس سے صریح طور پر برٹش گورنمنٹ کو انڈیا سے باہر نکال کر اپنا راج قایم کرنے کا مقصد ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا سخت غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ سیلف گورنمنٹ کی موجودہ خواہش میں گویا ملک کا ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی گورنمنٹ یا اُس کا راج ہو۔ لیکن معترض کے خیال کے بموجب صرف ایک ہی شخص کا راج ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں ہر ایک شخص کی خواہش پوری ہونے کے قابل نہیں ہے۔ اس واسطے ان معنوں سے ملک میں ہر ایک شخص کو سیلف گورنمنٹ کی خواہش کرنا غلط اور فضول ہی نہیں۔ بلکہ ایک بڑے تنازعہ کا موجب بھی ہے۔ اس لئے ہرگز یہ مطلب سیلف گورنمنٹ کا نہیں ہے۔ جو کہ شخصی طرز حکومت کا فلسفہ جاننے والی بعض طبیعتوں میں ہے۔ بلکہ یہ کہ "ہوم رول" طریقہ پر پارلیمنٹ ہو۔ جس میں تمام ملک کے ممبران ہر حصہ ملک سے بذریعہ انتخاب کے لئے جاویں۔ جن کی رائے سے ملک میں قوانین بنائے جاویں۔ ٹیکس لگائے جاویں۔ اور حکومت کی جاوے۔ تاکہ ہر ایک شخص کی جائز خواہشات اور آزادی کا لحاظ حکومت میں ہوتا رہے۔ اور یہی طریقہ ہے۔ کہ جس سے ہر شخص کا راج قایم ہوسکتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص کو

ممبران پارلیمنٹ منتخب کرنے کا حق ہو۔ تاکہ ہر ایک فرد رعایا کی معقول خواہشات کا لحاظ رکھ کر قوانین جاری ہوں اور ہر ایک شخص کو یہ موقع ہو۔ کہ لیاقت ہونے پر بلالحاظ قومیت یا رنگ حکومت ملک میں حصہ لے سکے۔ اس کے متعلق ایکسٹریمسٹ کے مسلمہ لیڈر مسٹر تلک کی اُس گفتگو سے جو پچھلے دنوں مسٹر نیونسن (جو کہ انگلینڈ کے تین نامی اخبارات کی جانب سے ہندوستان کے صحیح حالات معلوم کرنے آئے ہیں) سے ہوئی تھی۔ فقرات ذیل زیادہ روشنی ڈالنے کا موجب ہوں گے +

ہمارا منشا نہیں ہے۔ کہ حکومت برطانیہ کا تختہ پلٹ دیں۔ بلکہ ہمارا منشا یہ ہے۔ کہ آخر کار ہم کو اپنے ملک کے نظم ونسق میں حصہ کثیر ملے۔ ہمارا انتہائی مقصد یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں نوآبادیوں کی سی حکومت خود اختیاری زیر سایہ سلطنت برطانیہ قایم ہو۔ اور انگلستان میں سنٹرل گورنمنٹ تمام امپیریل مسایل کو طے کیا کرے۔ ہمارا ہوم رول اس قسم کا ہوگا کہ ہر ایک صوبہ کی کونسلوں میں پچاس یا ساٹھ ممبر ایسے ہوں جو اولاً نامزد کئے جائیں یا منتخب شدہ ہوں۔ اور بعد ازاں جوں جوں تعلیم کی ترقی ہوتی رہے۔ ان ممبروں کو رعایا منتخب کرے +

اخبار کیسری میں مسٹر تلک نے ایک مرتبہ لکھا تھا۔ کہ "اگر مرہٹہ حکومت بھی اس قسم کی ہوتی جس طرز پر کہ اس وقت گورنمنٹ برطانیہ ہے۔ تو بھی ہم یہی جدوجہد کرتے۔ کہ سیلف گورنمنٹ طریقہ پر حکومت ہو۔ تاکہ ہر ایک شخص کو انتظام ملک میں حق حاصل ہو۔" سیلف گورنمنٹ کے یہ معنے نکالنا کہ انگریزوں کا کوئی اختیار حکومت ملک میں نہ ہو۔ انگریزی پولیٹیکل اکانومی سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ اس طریقہ میں ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ پارسی۔ انگریز۔ فرانچ۔ جو بھی

باشندہ ملک ہے۔ اس کو انتظام ملک میں رائے زنی کرنیکا حق ہوگا +

لیکن بہت بڑا اعتراض اکثر ایکسٹریمسٹ کے اصول حصول مقصد میں کیا جاتا ہے۔ ماڈریٹ کا اصول ہے +

(۱)۔ رزولیوشن پاس کرکے +

(الف)۔ رعایا کی ضروریات اور آرزوئیں گورنمنٹ پر ظاہر کرنا +

(ب)۔ گورنمنٹ سے اپنے حقوق حسب وعدہ گورنمنٹ طلب کرنا +

ماڈریٹ گورنمنٹ کی فیاضی سے گذشتہ سردمہریوں کے باوجود یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اُن کو کامیابی ہوگی۔ ایکسٹریمسٹ کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ ان کے اصول ہیں کہ

(۱)۔ حکومت برطانیہ سے ہمارا تعلق صرف اس قدر ہو کہ ہم ان کے قوانین کے تابع رہیں +

(۲)۔ قومی تعلیم کا انتظام ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے +

(۳)۔ انگریزی عدالتوں اور ان کی ملازمتوں سے ہم کو رفتہ رفتہ اپنا تعلق قطع کرلینا چاہیئے +

(۴)۔ اپنے ملک کے سوا دوسرے ملک کی اشیا قطعی استعمال نہ کرنا چاہیئے +

اگر ابھی اپنے ملک میں اشیاء ضروری کم ہیں تو کچھ دن ملک کیلئے تکلیف برداشت کرنا چاہیئے۔ لیکن غیر ملکی اشیا کسی حالت میں استعمال نہ کرنا چاہیئے +

(۵)۔ بائیکاٹ (اصول نمبر ۴) پر پورے طور پر عمل کرکے ہم کو ملک میں بیکار لوگوں اور خصوصاً اُن لوگوں کے لیئے جو اصول نمبر ۳ پر عمل کرنے کی

وجہ سے بیکار رہیں معاش کے ذرایع نکالنے چاہئیں اور اسی سے تجارت کو ترقی ہوگی +

(۶)- ہم کو اپنے اصول کی پیروی میں کسی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ کرنی چاہیئے +

ان اصولوں سے یہ مطلب ہے کہ ملک اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھے اور باوجود نہ ملنے کے اپنا گداگری کی طرح سے گداگری کے بھروسے پر نہ رہے اس سے یہ ہوگا کہ ہم میں طاقت پیدا ہوگی اور گورنمنٹ کو انتظام ملک میں مدد دینے کا تعلق قطع کر لینے سے حکام پریشانی میں پڑینگے۔ جس سے وہ لازمی طور پر ہمارے حقوق ہم کو دیں گے۔ کیونکہ جب کوئی شے زبردست ہاتھوں میں ہے تو اصولاً صرف تین ہی طریقہ اس کے حاصل کرنیکے ہو سکتے ہیں +

(۱)- عاجزی کیساتھ مانگ کر +

(۲)- ایسی صورت پیدا کرنا کہ وہ خود دینے پر مجبور ہو +

(۳)- خونریزی کرکے زبردستی چھین لینا +

پہلا طریقہ ۲۰ برس تک آزمایا ہے اور اُس میں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ یہ معلوم ہوگیا ہے کہ حسب تقاضا فطرت انسانی یہ مشکل ہے کہ ایک حاصل شدہ مفید شے دوسرے شخص کو صرف مانگنے پر حوالہ کردی جائے۔ خصوصاً حکومت جیسی شے۔ طریقہ سوم کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہماری حالت کے موزوں ہے کہ ہم اس کے امتحان میں پڑیں۔ اس لئے صرف دوسرا طریقہ ہی ہر طرح سے مناسب ہے۔ اس دوسرے طریقہ میں گورنمنٹ اور ملک دونوں کا فائدہ ہے کیونکہ جوشیلی طبیعتیں جو بعض حالتوں میں آمادہ جنگ ہو جائیں اُن کا جوش اس طرف منتقل ہو کر ملک اور گورنمنٹ کو بدامنیوں اور کُشت وخون کی

خطرناک مصیبتوں سے بچا ئیگا۔ اس قسم کے اصولوں میں یہ کہنا کہ ایکسٹریمسٹ چاہتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ کو انڈیا سے نکال دیں سخت غلط فہمی اور غلطی ہے۔ مسٹر تلک کی زبان سے سنئے جو کہ مسٹر نیونسن سے گفتگو میں ایک جگہ یہ کہا ہے +

ہمارا مقصد یہ ہے کہ اپنی ذات پر بھروسہ کرو نہ کہ گدائی کرو۔ علاوہ معمولی تحریک سودیشی کے ہم بائیکاٹ اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں .... اور ہمارا جدوجہد اس قسم کا ہے کہ ہم سیڈیشن بل ایسے قوانین کی پرواہ نہ کریں گے۔ ہم کو اس کی فکر نہیں ہے۔ کہ ہم پر کیسی گذرے گی۔ اگر ہم تین یا چار ہزار اشخاص ایک ساتھ قید کر لئے جائیں تو حکامی گروہ بھی الجھن میں پڑے گا۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ حکامی گروہ کو پریشانی میں مبتلا کریں اور گورنمنٹ کی کارروائیوں میں مخل ہو کر اور تجارت میں تعطل پیدا کر کے انگلستان کی توجہ اپنی شکایات کی جانب رجوع کریں +

اُس گورنمنٹ کے وعدوں پر جس کی پالیسی ابتداے حکومت میں یہ تھی کہ

انڈیا میں جو آزادی اور بلند خیالی بڑے آدمیوں میں موجود ہے۔ یہ دبانی چاہیئے۔ کیونکہ براہ راست ہماری طاقت اور اغراض کے خلاف ہے۔ قدرتی فطرت اور تمام گذشتہ سلطنتوں کے تجربہ سے یہ امر غیر ضروری ہے کہ کوئی مزید خیال اس بارے میں ظاہر کیا جائے۔ ہم ہندوستان میں جنرل یا مدبر یا قانون دان نہیں چاہتے۔ ہم انڈیا میں مزدوری پیشہ لوگ چاہتے ہیں۔ جو آسانی سے خلاف گورنمنٹ کچھ

نہیں کر سکتے .... یہ نہایت مناسب ہے۔ کہ انگلینڈ کے خاندانوں کی پرورش کے لیئے ایک بڑا حصہ اس ملک کی پیداوار کا مخصوص کر دیا جاوے۔ جس سے مدبر عقلمند۔ بہادر ملک کی خدمت اور حفاظت کے واسطے پیدا ہوں .... اس طرح سے جو آزادی اور رونق ان کو ملیگا وہ بلند خیال بنائیگا .... +

یہ خیالات مسٹر تھیکر ممبر بورڈ آف ریونیو مدراس نے بزمانہ لارڈ ولیم بینٹنگ صاحب جو کہ ۱۸۲۸ء سے ۱۸۳۵ء تک گورنر جنرل رہے ہیں ظاہر فرمائے تھے۔ اس پالیسی کو دیکھتے ہوئے اور بیس برس تک عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ نہ ہونے سے ایکسٹریمسٹ کو یہ توقع نہیں ہے کہ آیندہ صرف مانگنے سے گورنمنٹ ہماری تمام خواہشات پوری کر دے گی۔ اور جیسا کہ اب تک ہو رہا ہے۔ اگر باوجود مانگتے رہنے کے گورنمنٹ حقوق نہ دے تو صرف مانگنے والے اصول کے حامی بجز مایوسی کے کیا کر سکتے ہیں۔ اس لیئے ایکسٹریمسٹ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے اصول اس قسم کے ہیں کہ کبھی مایوسی کا نام ہی نہیں ہے۔ اختلاف رائے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں رہا ہے۔ اگر ماڈریٹ توقع رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ ان کو مانگنے سے دے دیگی۔ تو وہ شوق سے مانگیں۔ ع

چشم ما روشن دلِ ما شاد۔

لیکن ایکسٹریمسٹ کو ہاتھ پھیلانا منظور نہیں ہے۔ اس پر نہ تو ماڈریٹ کو اور نہ کسی اور شخص کو یہ حق ہے۔ کہ ایکسٹریمسٹ کے معقول اور امن عام قایم رکھنے والے اصول ہوتے ہوئے ان کو مطعون کرے۔

یہ الزام ایکسٹریمسٹ پر لگانا کہ وہ چاہتے ہیں کہ "گورنمنٹ برطانیہ کو اپنا بوریا بندھنا باندھ کر انڈیا سے چلدینا چاہیئے" سخت غلط فہمی پیدا کرنا ہے

اگرچند جوشیلے نوجوان ایڈیٹران یا اور نوعمر اصحاب نے کبھی جوش میں ایسی رائے ظاہر کی بھی ہو تو تمام ایکسٹریمسٹ پر بحیثیت پارٹی یہ الزام لگانا ایک سخت حملہ ہے۔ کیونکہ مسلمہ لیڈران ایکسٹریمسٹ مسٹر تلک۔ مسٹر کھاپرڈے۔ لالہ لاجپت رائے۔ اروند گھوش۔ بپن چندر پال جیسے مدبران کے یہ خیال ہرگز نہیں ہیں مسٹر تلک ایکسٹریمسٹ کے سب سے نامور اور مدبر لیڈر ہیں۔ وہ مسٹر ہینونسن سے کہتے ہیں:۔

اگر ایک جماعت ایسی ہے جو حکومت برطانیہ کو فوراً تمام و کمال موقوف کردینے کا ارادہ رکھتی ہے تو اس سے ہم لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے ....

سردست ہمارا مقصد یہ ہے کہ حکام گروہ پر دباؤ ڈالیں اور اُن کے ذہن نشین کردیں کہ یہ تمام کارروائیاں اچھی نہیں ہیں۔ کیونکہ تھوڑے عرصہ میں حکام برطانیہ کے خیالات میں خراب تغیر ہو گیا ہے ....

ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ حکومت برطانیہ کا تختہ پلٹ دیں +

یہ ممکن ہے۔ کہ بعض حصص ملک میں بعض کمزور اور حکام سے دنیوی حشمت کی امیدوار طبیعتیں ایکسٹریمسٹ کے اصول کو پسند نہ کریں۔ لیکن ملکی خدمت کی بحث میں اُن کا جوش اور ایثار نفسی اس قابل نہیں ہے۔ کہ جس پر بلا تامل آفرین نہ کہنا پڑے جب سے ایکسٹریمسٹ نے اپنے خیالات اور اصول کو ظاہر کیا ہے۔ ایسی مثالیں دکھلاکر قومیت پیدا کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور ثابت کیا ہے کہ ملکی خدمت میں ان کو دنیاوی نقصان کی پروا نہیں ہے۔ اور واقعی وہ ہی شخص سب سے زیادہ قابل تعظیم اور سچے محب ملک کہلانے کے مستحق ہیں جو بلا کسی غرض کے خدمت ملک کرتے ہیں۔ ورنہ معاوضہ خواہ وہ روپیہ کی صورت میں ہو یا اور کسی صورت میں بیکر تو ہر ایک شخص ملک کے لئے کچھ نہ کچھ کام کر ہی رہا ہے۔ گو ایسے لوگ بھی ضرور

قابل تعریف ہیں۔ لیکن نہ کہ منافی القوم بزرگان کے درجہ پر +

اس میں بھی شک نہیں ہے کہ بعض طالب علم یا کم علم نوجوان گالی گلوچ اور بیہودگی بعض مواقع پر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس لئے تمام ایکسٹریمسٹ کو بدتہذیب کہنا وسیع خیالی سے بہت دور ہے۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ ایکسٹریمسٹوں کے بدنام کرنے کے لئے یہ طریقہ بُرا نہیں خیال کیا جاتا ہے کہ ناواقفوں کو غلطی میں ڈال کر یہ بتلایا جائے۔ کہ جو شخص بدتہذیبی کرے وہ ایکسٹریمسٹ جو تلک کا حامی ہو وہ ایکسٹریمسٹ ہو جو کسی ماڈریٹ سے کسی امر میں (گو وہ پولیٹکل نہ ہو) اختلاف رکھے وہ ایکسٹریمسٹ اور جو صاف اور سچی بات مشہر کہنے میں تامل نہ کرے وہ ایکسٹریمسٹ اور جو پائیکاٹ کا حامی ہو وہ تو ایکسٹریمسٹ ہے ہی +

آرمی نیوز کے لائق ایڈیٹر نے لکھدیا۔ کہ ایکسٹریمسٹوں میں تہذیب تو نام کو نہیں ہے" بہت اچھا صاحب +

اس بنا پر کہ بعض نے بمقتضائے اپنی کانشنس کے لالہ لاجپت رائے کو پریزیڈینسی کا مستحق بتلایا۔ پرکاش کے دھارمک اور گجراتی ایڈیٹر نے مشتولک کے حامیوں کو کمینہ لکھنے میں تامل نہ کیا +

خیر اگر اپنا خیال ظاہر کرتا جو کہ آپ سے متفق نہ ہو کمینگی ہے تو آپ ہماری زبان کاٹ ڈالئے لیکن ہمارے لئے یہ کمینگی مبارک ہے۔ کس کس کو کہیں روزمرہ اخبارات میں ایسی ہی نادر باتیں معزز اخبار نویسوں اور تہذیب کے دعویداروں سے سنکر افسوس ہوتا ہے۔ ایکسٹریمسٹوں میں یہ برائی ضرور ہے کہ وہ انگریزی پالیسی (جس کو اردو میں اچھے لفظوں میں مصلحت یا سخت لفظوں میں مکاری کہنا چاہئے) سے کام نہیں لیتے۔ اُن کا دل اور دماغ ایک تانگے میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ سچی بات کہتے ہوئے اور دوسرے کی صحیح برائی دکھلاتے ہوئے کسی قسم

کی پرواہ نہیں کرتے۔ دنیا میں سچ کہنا آدھی لڑائی ہمیشہ رہی ہے۔ لیکن اس زمانہ میں پوری لڑائی ہے کیونکہ ہر جگہ اور ہر سوسائٹی میں کم و بیش نمائش اور نمود و پسند کی جاتی ہے +

سچ اور صاف کہنے والے شخص بے وقوف خیال کئے جاتے ہیں۔

بے غرضانہ اور صاف دلی سے کام کرنے والے آج دنیا میں بے وقعت ہوتے ہیں۔ اور وقعت صرف پالیسی بازوں اور نمائش پسندوں کی عموماً ہوتی ہے۔ ایکسٹریمسٹ ایسے لوگوں کی صاف صاف قلعی منہ پر کھلے طور سے ظاہر کر دیتے ہیں۔ ورنہ نہ تو ایکسٹریمسٹ گورنمنٹ کے باغی ہیں اور نہ بیہودہ اور بے عقل ہیں اور نہ ملک کے دشمن ہیں۔ ؎

برنگِ آئینہ ہتی محبت صاف ہے لیکن
بُرائی منہ پہ کہدیتے ہیں اتنا عیب رکھتے ہیں

اس قدر لکھ چکنے کے بعد ارادہ تھا کہ ایکسٹریمسٹ کے خاص افعال پر بھی کچھ لکھا جاوے۔ کہ کانگرس کی تار خبروں نے سخت پریشان کر کے طبیعت کو اُلجھن میں ڈال دیا۔ جب تک یہ مضمون ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچیگا کانگرس کے مفصل حالات ان تک پہنچ لینگے۔ ممکن ہے کہ ان کو پڑھ کر ناظرین آپ کے خیالات متزلزل ہوں اور آپ کوئی رائے قایم کریں۔ لیکن بہت ہی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ بڑا نازک اور اہم مسئلہ ہے۔ ہمارے خیال میں ہر ایک شخص کو جس کے دل میں ذرا بھی محبت ملک ہے انصاف پسند ہونا چاہئے نہ کہ ماڈریٹ یا ایکسٹریمسٹ۔ اس لئے ناظرین ہم کو اور آپ کو طرفین کے صحیح صحیح اور واقعی مکمل حالات معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ صرف پارٹی فیلنگ کے اخبارات سے رائے قایم کرنے خطرناک ہی نہیں۔ بلکہ گناہ کا راستہ اختیار نہ

کریں مبادا کہ ہم خادمان ملک کی نسبت غلط رائے قایم کرکے اپنے دلوں کو ناپاک کریں کیونکہ میرا خیال ہے کہ گو اس وقت زمانہ نے قلم کے شگاف کی طرح سے ملکی کام کرنے والوں کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں لیکن آخر میں قلم کی زبان کے دو پہلوؤں کی طرح سے ایک ہی نتیجہ پیدا کریں گے +

اس عرصہ میں دوسرے نمبر میں ماڈریٹ اور ایکسٹریمسٹ کے خاص افعال پر بحث کرکے اپنے خیالات کو آپ کے روبرو پیش کروں گا +

رام دیال

سال نو

ازمسٹر فخر ظریف شاد پٹیالہ

پھر آیا سال نو ساقی یہی آتا ہے اب من میں
گریباں پھاڑ کر چل بیٹھئے صحرا کے دامن میں

نہ اب مے سے غرض ہم کو نہ کچھ پرواہ ہمیں غم کی
کہ اجرا ایکٹوں سے آپ خم آیا ہے گردن میں

ستاتی ہے جو ہم کو بھوک قسمیں کھا کے جیتے ہیں
پڑے روتے ہیں گندم کیلئے سردی کے باسن میں

ہوس شاہوں کی بڑھ جانے سے دنیا گھٹ چلی آخر
یہی بہتر ہے ہندی جا بسیں پہلے سے مدفن میں

ذرا غم کھانیوالو اہل بنگالہ سے پوچھو تم
کہ ٹوٹا پڑ گیا ہے انکے مچھلی بھات بھوجن میں

[illegible] ہم شاد ہیں ناشاد ہیں کنکر ہیں پتھر ہیں
نہیں معلوم ہم رہتے ہیں کس کس کوہ کندن میں

[illegible] جانے کی فرصت نہیں [illegible]
پھنسے ہیں جب سے ہم آ کے دجی جور کی گلشن میں

سفرنامہ کشمیر کشمیری میگزین لاہور کے ایڈیٹر منشی محمد دین فوق نے اپنے سفر کشمیر کے حالات کو دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کیا ہے - منشی صاحب اہل کشمیر میں اولوالعزم اور قابل القوم نوجوان ہیں - ہم خوش ہیں کہ ان کی قوم ان کی خدمات کی قدر کرتی ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱ر

کانگرس کی سرگذشت

خاص ہمارے نامہ نگار کا بیان

اس شرمناک ہنگامہ کے متعلق جو امسال صورت کانگرس میں بعض کوتاہ اندیشی اور نافہم لوگوں کی کم عقلی اور نافہمی اور ناعاقبت اندیشی سے ظہور میں آیا۔ طرح طرح کی خبریں مشہور ہو رہی ہیں۔ ہمارے خاص نامہ نگار کا بیان جس نے چشم دید واقعات قلمبند کئے ہیں۔ اس موقعہ پر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ایڈیٹر

کانگرس ہونے سے پہلے ہی یعنی ۲۵ تاریخ کو جب کہ ڈیلیگیٹ کانگرس کیمپ میں جمع ہوئے۔ تب ہی یہ خبر گرم تھی کہ اس مرتبہ ایسے قاعدہ بنائے جائیں گے جس کی وجہ سے کوئی نیشنلسٹ (اکسٹریمسٹ) کانگرس میں داخل نہ ہو سکے اور یہ آزادانہ طور پر موڈریٹ (فریق معتدل) کے معزز اور لیڈر لوگ کہتے ہوئے پائے گئے۔ کہ اب موڈریٹ (فریق معتدل) نیشنلسٹ (انتہائی جماعت) کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نیشنلسٹ (فریق گرم) والوں کو جس طرح ممکن ہو جلد الگ کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُسی تاریخ کو مسٹر تلک نے بعد اس کیمپ (خیمہ) میں ایک لکچر دیا جس میں انہوں نے یہ کہا نیشنلسٹ (فریق گرم) کوئی نئی بات اس سال کرنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے فریق میں اس قدر تعداد لوگوں کی نہیں ہے جتنی کہ تعداد موڈریٹ (اعتدال پسند) والوں کی ہے لہذا اُن کی خواہش یہ ہے کہ اگر اس سال کانگرس کوئی ترقی نہ کرے تو تنزلی بھی نہ کرے اور اس لئے اُن کی خواہش ہے کہ کانگرس جو کچھ اب تک کر چکی ہے اُس پر

قایم رہے اور اُس سے نیچی نہ جائے۔ تلک نے یہ بھی کہا کہ اُن کو معلوم ہوا ہے۔ کہ صورت کے کارکنوں نے وہ خاص باتیں کانگرس کی تجاویز سے نکال ڈالی ہیں ۔ جو بڑی مشکل سے کلکتہ میں طے پائی تھیں۔ مثلاً یہ کہ پار سال یہ تجویز ہوا تھا کہ ملک میں ایسے اسکول اور کالج بنانے کی ضرورت ہے جو اپنی قوم کے رسم و رواج کے مطابق ہوں اور اپنے ہی ملک اور قوم والوں کے زیر اہتمام ہوں۔ لیکن اس سال یہ تجویز ہوا ہے کہ قومی اسکولوں کے بنانے کی ضرورت ہے۔ مگر باقی کا حصہ اُڑا دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ پار سال یہ تجویز ہوا تھا کہ بنگال میں چونکہ لوگوں کی مرضی کے خلاف تقسیم بنگال کی گئی ہے۔ لہذا اُنہیں اپنی ناراضی ظاہر کرنے کے لئے انگریزی مال بائیکاٹ کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ تجویز اس سال اُٹھا دی گئی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اب بنگال میں انگریزی مال کا بائیکاٹ ہو تو وہ ناجایز ہوگا +

اُنہوں نے اپنے لکچر میں یہ بھی کہا کہ اگر لالہ لاجپت رائے پریسیڈنٹ کانگرس بنائے جاتے تو اچھا ہوتا اور لالہ لاجپت رائے ضرور اُس کو منظور کرتے اگر اُن پر موڈریٹ (نرم) والوں کے لیڈروں نے دباؤ نہ ڈالا ہوتا۔ اس جلسہ میں بھی ایک صاحب جن کا نام بارسٹر کیڈکل تھا اُنہوں نے بہت شور مچایا اور بہت کچھ فضول بکا لیکن چونکہ مسٹر تلک نے اُن کو بولنے سے روکا نہیں اس لئے کچھ گڑبڑ نہیں ہوئی بلکہ اُن کو مسٹر کیرندھرکار نے ایسا معقول جواب دیا کہ بیچارے چپ ہو رہے۔ اُسی شام کو مسٹر گوکھلے نے کانگرس کے پنڈال میں لکچر دیا جس میں کہ اُنہوں نے یہ بیان کیا کہ جو صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسٹر گوکھلے نے لالہ لاجپت رائے پر دباؤ ڈالا ہے اور اُن کو پریسیڈنٹ نہیں ہونے دیا ہے اُنکا خیال غلط ہے +

اُسی دن ایک میٹنگ Meeting گرم فریق کی تلک کے کیمپ
میں ہوئی جس میں یہ قرار پایا کہ نیشنلسٹ (فریق گرم) کو کسی قسم کا بغض اور
کینہ نہیں ہے اور نہ وہ کانگرس کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ
کانگرس اگر آگے نہ بڑھے تو پیچھے بھی نہ ہٹے اور یہ بھی قرار پایا کہ اگر مسٹر گوکھلے اور
سریندر ناتھ بینرجی اس بات کا اطمینان دلائیں کہ گذشتہ کانگرس کی تجاویز
بدلی نہ جائیں گی۔ تو نیشنلسٹ (فریق گرم) راش بہاری گھوش کے پریسیڈنٹ
ہونے پر عذر نہ کریں گے۔ اُس جلسہ میں مسٹر تلک نے یہ بھی کہا۔ کہ اب تک ہر
کانگرس میں پریسیڈنٹ متفقہ رائے سے کرسی نشین ہوا۔ اور اس سال بھی
ایسا ہی ہونا چاہیئے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ نیشنلسٹ (فریق گرم)
لوگ پریسیڈنٹ کے خلاف نہ ہوں۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ اُن کو ذاتی کسی
طرح ڈاکٹر گھوش سے مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ صرف وہ یہ چاہتے ہیں کہ کلکتہ
کانگرس کی تجاویز بدلی نہ جائیں اور اُن کو اگر اس کا یقین دلا دیا جائے تو ہرگز
مخالفت نہ ہوگی۔ لیکن اگر یہ یقین نہ دلایا جائیگا تو Constitutional
جو کچھ ہو سکیگا مخالفت کی جاسکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گو ڈاکٹر گھوش مسند نشین
ہو جائیں گے لیکن وہ کل ڈیلیگیٹس کی متفقہ رائے سے نہ ہوگا۔ اور یہ امر
کانگرس کی تواریخ میں لکھا جائیگا۔ لہذا اگر موڈریٹ (فریق نرم) لوگوں کو
اتفاق قایم رکھنا ہے تو وہ نیشنلسٹ (فریق گرم) پارٹی کو یہ یقین
دلادیں کہ تجاویز میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ جلسہ میں تلک نے یہ بھی کہا۔ کہ
تھوڑی سی دیر ہوئی کہ موڈریٹ (فریق نرم) پارٹی کا ایک بڑا رکن یہ
خبر لیکر آیا تھا کہ ممکن ہے کہ موڈریٹ (فریق نرم) لوگ مان جائیں اور کوئی
بڑی بھاری تبدیلی تجاویز گذشتہ میں نہ کریں بلکہ محض چند غیر ضروری الفاظ

بدل جائیں - چنانچہ اس وجہ سے فوراً ایک کمیٹی بنائی گئی - جس میں کہ ہر صوبہ
سے ایک نیشنلسٹ (انتہائی پسند) اور ایک موڈریٹ ڈیلیگیٹ انتخاب کیا
گیا - اور اُس کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ موڈریٹ (فریق نرم)
لوگ صلح کرنے پر طیار ہیں اور دراصل کوئی بڑی تبدیلی گذشتہ تجاویز پر کانگرس
میں کرنا نہیں چاہتے تو یہ کمیٹی اُن سے ملکر اُن الفاظ کو طے کرے اور بعد کو
ہر ایک نیشنلسٹ (انتہائی پسند) اُس پر پابند ہوگا - لیکن اگر موڈریٹ (فریق نرم)
لوگوں نے یہ بات نہ کی اور صلح نہ کی تو نیشنلسٹ (فریق گرم) لوگ
پریسیڈنٹ گھوش کے انتخاب کے خلاف ہونگے اور قاعدہ کے مطابق یہ چاہینگے
کہ لوگوں سے رائے لی جائے اور جس کی طرف کثرت رائے ہو وہ جیت جائے
اگر اس طرح پر ڈاکٹر گھوش صدر نشین منتخب ہو جائیں تو کسی نیشنلسٹ (انتہائی پسند)
کو پھر انکار نہ ہوگا اور وہ لوگ کوشش کریں گے کہ دوسرے سال اُن کی رائے
کے ڈیلیگیٹ ملک میں زیادہ ہو جائیں اتنی بات ہوکر جلسہ برخاست ہوا تھا اور
رات بھر یہ کوشش ہوتی رہی کہ موڈریٹ (فریق نرم) پارٹی سے یہ کل بات کہی
جائے - لیکن لالہ لاجپت رائے اور بابو سریندر ناتھ نے باوجود بہت کچھ کوشش
کی کہ مسٹر ... اور مسٹر گوکھلے کو سمجھائیں لیکن اُن کی نہ سُنی گئی اور آخر میں مسٹر تلک
نے کانگرس ہونے کے دو گھنٹہ پہلے مسٹر مالوی سے Malvi سے بات کرنا چاہا
لیکن اُنھوں نے کچھ جواب نہ دیا مجبوراً اُنھوں نے نیشنلسٹ (فریق گرم)
سے کہدیا کہ اُن کی کمیٹی سے کوئی بات نہیں کرتا اور موڈریٹ (فریق نرم)
لوگ صلح کرنے پر راضی نہیں - پس ہر نیشنلسٹ (انتہائی پسند) کو طیار رہنا
چاہیئے کہ جب رائے دینے کا وقت آئے تو خلاف رائے دینے کو طیار ہو جائے
یہ ہرگز نہیں کہا گیا تھا کہ کوئی شخص لڑائی دنگا کرے +

آدھ گھنٹہ بعد مسٹر گوش اور گوکھلے وغیرہ آئے اور مسٹر بانو جی نے رپورٹ پڑھی اور تجویز کیا کہ مسٹر گوش صدر نشین ہوں بعد کو مسٹر سریندرناتھ بنیرجی نے انتخاب کی تجاویز کرنا چاہی جس پر نہیں نہیں کی آواز آئی مسٹر سریندرناتھ نے کئی دفعہ بولنے کی کوشش کی لیکن فضول ہؤا۔ کیونکہ اول تو نیشنلسٹ (انتہائی پسند) لوگ ان کو سننا نہیں چاہتے تھے اور بہت سے بنگالی خود ان کے خلاف تھے۔ کیونکہ انہوں نے مدناپور میں پولیس کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے تماشائی شور مچانے لگے۔ لوگوں نے صلاح کی کہ اگر تلک یا لالہ لاجپت رائے بولیں تو شور فوراً بند ہو جائے لیکن مہتہ پارٹی والوں نے ان دونوں اصحاب کو بولنے کی اجازت دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ امر کہاں تک صحیح ہے ٹھیک معلوم نہیں ہؤا لیکن خیر یہ ضرور تھی کہ اگر ان میں سے کوئی بولتا تو شور ضرور بند ہو جاتا۔ اول غلطی تو یہ ہوئی۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ مہتہ پارٹی نے گھبرا کر جلسہ بند کر دیا ورنہ اگر کچھ دیر تک ٹھیرتے اور آپس میں صلاح کر کے مسٹر تلک سے بولنے کو کہتے تو نہیں کچھ جھگڑا نہ ہوتا۔ لیکن تلک کے نام سے مہتہ پارٹی کو نفرت تھی جس کی وجہ سے وہ کانگریس کو توڑنا پسند کرتے تھے۔ لیکن مسٹر تلک کی صلاح ماننا کفر سمجھتے تھے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر تھا۔ کہ پہلے دن اگرچہ شور و غل نیشنلسٹ (فریق گرم) نے مچایا۔ لیکن ضد۔ جبر۔ اور نا اہتمامی موڈریٹ (فریق نرم) کی طرف سے ظہور پذیر ہوئی +

جب کانگریس برخاست ہوئی تو شام کو دونوں فریق نے الگ الگ جلسہ کئے مسٹر تلک کے خیمہ میں یہ تصفیہ ہؤا کہ کل کوئی نیشنلسٹ (انتہائی پسند) زبان سے آواز نہ نکالے اور مسٹر سریندرناتھ بنیرجی کو خاموشی سے سنا جائے۔ دوسری طرف مسٹر مہتہ کے بنگلہ پر موڈریٹ (فریق نرم) کی میٹنگ

بدلی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس طرح ممکن ہوا ایکسٹریمسٹ (انتہا پسندوں) کو کانگریس سے نکال دینا چاہتے تھے کسی طرح سے عام طور پر یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ آپس میں صلاح کر لی گئی ہے ایک ... سر ... گے دوسری طرف ... لگے ... کانگریس میں شور ہو گی چنانچہ جیسے ... کانگریس ہوئی تب ایکسٹریمسٹ (انتہا پسند) ... اپنے ... کے باوجود ... تھا چپ چاپ سن لیا لیکن جب تلک پلیٹ فارم پر بولنے کے لیے ... تو ان کو والنٹیئر روکا (یہ بھی بات قابل ... کرنے کے ہے کہ دوسرے روز تمام ایکسٹریمسٹ (انتہا پسند) والنٹیئر کانگریس سے برخاست کر دیے گئے اور ان کی جگہ پر بہت سے نئے آدمی جن کی صورت مثل گنواروں کے تھی اور جن میں سے چند لکڑی لیے ہوئے تھے ہر چہار طرف دیکھے گئے) اب یہ بات ٹھیک طور سے نہیں کہی جا سکتی کہ ان لکڑی والوں کو بھرتی کرنے کا کیا مقصد تھا۔ اگر کہا جائے کہ یہ لوگ تلک کی پارٹی کے تھے تو غلط ہو گا۔ کیونکہ ان سے اور انتظامیہ کمیٹی سے کچھ مطلب نہ تھا۔ بہرحال جب مسٹر تلک کو ایک والنٹیئر نے روکا تب وہ کسی نہ کسی طرح اس کو ہٹا کر پلیٹ فارم پر چڑھ گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے بولنا چاہا۔ لیکن موڈریٹ (اعتدال پسند) لوگوں نے ان کو بولنے نہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ یہ شور مچانے لگے کہ تلک کو بولنے دو اور کچھ لوگ یہ شور مچانے لگے کہ تلک کو نہ بولنے دو۔ جب شور زیادہ ہوا تب موڈریٹ (اعتدال پسند) لوگ گھبرائے اور چند آدمیوں نے تلک کو مارنا چاہا۔ اور اگر لالہ لاجپت رائے اور لالہ بھگت رام نہ بچاتے تو تلک کو موڈریٹ (اعتدال پسند) لوگوں نے ضرور مارا ہوتا۔ اس پر بھی قناعت نہ کر کے کسی موڈریٹ (انتہا پسند) نے پہلے مسٹر تلک پر ایک کرسی کھینچ ماری یہ دیکھ کر نیشنلسٹ (انتہا پسند) لوگ بھی پلیٹ فارم کے اوپر جھپٹے اور مسٹر تلک کو باہر نکال لے گئے۔ جوتے کا قصہ دور سے بیٹھے ہوئے ڈیلیگیٹ کو نظر نہیں آتا تھا اور

نہ دوسرے یعنی جو پلیٹ فارم کے نیچے لوگ بیٹھے تھے۔ اُن کو یہ نظر آیا کہ مسٹر گھوش کو پریسیڈنٹ کس نے تجویز کیا اور وہ کس کی رائے سے بیٹھ گئے۔ نہیں اور ہاں کا اس قدر شور تھا کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں یہ ضرور دیکھنے میں آیا۔ کہ مسٹر گھوش اپنی اسپیچ [illegible] میز پر کھڑے ہو کر پڑھنے لگے اور وہ کچھ سمجھ میں نہ آئی +

مسٹر تلک کے باہر جانے کے بعد بڑے بڑے آدمی باہر چلے گئے اور باقی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ کہ اتنے میں پولیس گھس آئی اور لگا ڈنڈا چلنے یہاں تک کہ پولیس کے ڈنڈے موڈریٹ (اعتدال پسند) اور ایکسٹریمسٹ (انتہا پسند) دونوں پر یکساں چلے۔ بچشم دید واقع ہے کہ مسٹر مہتہ اور ایک دوسرا پارسی چھوٹا لڑکا جو اُن کے ساتھ تھا پولیس اور چند لکڑی بند جوانوں کو حکم دیتے تھے کہ پنڈال خالی کردو اور لوگوں کو مار کر نکال دو +

پنڈال میں لکڑی ضرور چلی لیکن چوٹ لوگوں کو پولیس کے ڈنڈے سے آئی تھی نہ کہ کسی ڈیلیگیٹ کے لکڑی سے۔ اس فضیحتی کے جوابدہ مسٹر مہتہ ہیں نہ کہ تلک جن کو عام طور سے قصوروار کہا جاتا ہے۔ وہ تو باہر کے آدمی تھے۔ اگر موڈریٹ (اعتدال پسند) کانگرس کو چلانا چاہتے تو انتظام کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ذرا صبر اور استقلال کی ضرورت تھی۔ اگر کل موڈریٹ (اعتدال پسند) خاموش ہو جاتے تو آپ ہی معلوم ہو جاتا کہ کون سے لوگ غل مچاتے ہیں اور اُن کو باہر نکال دیا جاتا +

حق گو

نشہ کا رقیب

حال جب اُس نے سنا پھوٹ کی بیماری کا
پھر گیا آکے میرے دم سے مسیحا اُلٹا

وقت نازک ہے اور وقت کے ساتھ چلنا اس سے بھی زیادہ نازک۔ وقت آتا ہے اور نکل جاتا ہے اور اپنے ایسے نشانات چھوڑ جاتا ہے کہ انہیں زمین و آسمان کی چکی نہیں پیس سکتی۔ یہ نشانات اس زمانہ کو حیات جاودانی بخشتے ہیں اور ان پر زمانہ کا انقلاب کوئی اثر نہیں ڈالتا بھلے ہوں یا برے۔ رنج دہ ہوں یا دل خوش کن۔ مگر جب کبھی ان کا خیال آتا ہے اس زمانہ کی یاد ضرور تازہ ہو جاتی ہے۔ خواہ ان واقعات کا خیال کرنیوالے شاہد نہ ہوں مگر دل کے آئینہ پر خیالات کے سلینر کا پیدا کیا ہوا عکس وہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ وہ اس پر آنکھوں دیکھی بات کی طرح غور کرتے ہیں مثل مشہور ہے "وقت نکل گیا۔ بات رہ گئی"۔ کاش ہندوستانیوں کی ایشیائی نزاکت کی شیدائی طبیعتیں انقلاب وقت کی نزاکت کو اپنے موافق سکتیں! مگر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو ہندوستان کے سٹیج پر جو ٹرجیڈی کی جانی قرار پائی تھی اس کے لئے اس سٹیج کے منتظم انقلاب کو اور ایکٹروں کی تلاش ہوتی نہیں تو دنیا کا کھیل بگڑ جاتا۔ مختصر یہ کہ ہم پیدائشی غرض سے کئے گئے تھے کہ مصائب اُٹھائیں رنج سہیں۔ درد سے بیقرار ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپیں اور ہمارے تڑپنے کا تماشا دنیا کے تماشائی دیکھیں اور ہماری تکلیف کو ہمارے پارٹ کی خوبی سمجھ کر خوش ہوں +

ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک سینکڑوں سال آئے اور چلے گئے سنئے سال کی خوشیاں منائی جاتی رہیں۔ نئے سال کے ساتھ نئی امیدوں کا پیدا ہو جانا بھی لازمی و لابدی ہے۔ ہمارا مرحوم تماشائی سنہ ۱۹۱۶ء آہ جس کا نام لیتے ہوئے دل تھراتا ہے زمین کانپتی

اور آسمان چکر میں آتا ہے آیا اور مقررہ وقت تک قیام کرنیکے بعد چلا گیا۔ نیا مہمان آیا اور اپنے ساتھ نئی اُمیدیں لایا مگر دیکھنا کہیں آنیوالے کی خوشی میں جانے والے کے غم کو نہ بھول جانا کیوں؟ کس لئے؟ کیا اسلئے کہ اسکے واقعات کی یاد دل کے زخموں کیلئے نمک پاش کا کام دے؟ ؎

تیرے تیرِ نیمکش کو کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

ہاں درد اور میٹھا میٹھا درد لطف انگیز ہے اس کی برداشت شان عاشقی ہے۔ اے درد۔ اُٹھ بیقرار کر اور ہمیں دیوانہ بنا دے۔ ؎

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند
آنرا کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

ملکی خیرخواہی کا دم بھرنا اور مصائب سے ڈرنا! عشق اور نزاکت! ضرورت اور حکم! آہ آخر ہم کامیاب ہوں تو کیونکر؟ ہماری آرزوئیں بر آئیں تو کس حیلہ سے؟ اے ملک کی بہتری چاہنے والو۔ اے ملک پر مرنے والو۔ اے ملک کیلئے زمین و آسمان کے قلابے ملانیوالو پہلے اپنے پہلو میں ایک درد بھرا دل پیدا کر لو اور پھر ملکی خدمت کا نام لینا۔ ع

بے رنج گنج میسر نمے شود

جب تک تکلیفیں برداشت نہ کرو تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہاری تکلیفیں تمہاری کامیابی کا ذریعہ ہیں اسلیئے ان سے بد دل نہ ہونا چاہیئے۔ رام رام نہ ہوتے اگر ان پر مصیبتیں نہ آتیں۔ بدھ بدھ نہ ہوتا اگر آفتوں کا مقابلہ نہ کرتا۔ تکلیفیں اپنے ساتھ کبھی کبھی خاص برکتیں لاتی ہیں۔ سونا جبتک تپایا نہیں جاتا کُندن نہیں بنتا۔ دیکھنا یہ موقعہ ہاتھ سے نہ جائے +

جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو اس میں محبت کی بجائے نخوت۔ ایثار نفسی کی بجائے خود پرستی اور جوش کی جگہ کاہلی لے لیتی ہے مگر اسکے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم کبھی مردہ نہیں ہوتی کیونکہ جبتک ایک فرد واحد بھی اس

قوم میں زندہ (زندہ دل) ہے تو کسی کو حق نہیں کہ اس قوم کو مردہ کہہ سکے ۔

۱۹۰۸ء کے واقعات کو دہرانا اور ان کی کیفیت کا ذکر کرنا اگرچہ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا لطف انگیز اور نتیجہ خیز ہے کیونکہ یہ واقعات دل میں درد پیدا کرنیوالے ہیں اور درد دل کی ہی ہمیں ضرورت ہے مگر ہم یہاں بیان نہیں کرتے کیونکہ یہ تضیع اوقات ہوگی۔ آپ اپنے خیال کو دل کے داغوں کی سیر کرائیے اور اس خلش کا لطف اٹھائیے ۔

مصیبت سے پناہ کی تلاش ہونا قانون قدرت ہے۔ ہندوستانی سال بھر مصائب کا خاموشی سے مقابلہ کرتے ہوئے اس دن کو تکتے رہے تھے جسے بڑا دن کہتے ہیں۔ ان دنوں میں کیا بڑائی تھی جن پر ان کی آنکھیں لگی تھیں؟ یہ مسیحا کی پیدائش کا دن تھا اور مسیح کو خداوند نے یہ طاقت دی ہے کہ تمام دکھ دور کردے یہ دن والیان ملک کیلئے سب سے زیادہ متبرک ہے اور باوجود ہیجان شکنی کے اس دن یہ امید کی جاتی ہے کہ التجا کا جواب انکار نہ ہوگا اس بڑائی کے علاوہ ایک اور بھی بڑائی تھی جس کی کشش مقناطیسی اثر رکھتی تھی اور ہندوستانیوں کو حراساں ہونے دیتی تھی وہ کیا؟ نیشنل انڈین کانگریس جو سینکڑوں امیدوں کا مرکز۔ ہزاروں آرزوؤں کا منبع اور لاکھوں تمناؤں کا مرجع کہلاتی تھی۔ غریب کا بچہ جب گلی کے امیرزادوں سے پٹکر ماں کے پاس روتا ہوا آتا ہے اور وہ دلاسا دیکر اس کا ماجرا سنتی ہے اور کہتی ہے "میں قربان جاؤں میرے بچے رو نہیں" تو وہ تمام شکوے وہ تمام شکائتیں وہ ہونٹ بسورنا فوراً بھول جاتا ہے اور خوش ہو کر مسکرا کر کہتا ہے "اچھی اماں اب تو نہیں رونگا" سال بھر کی شکائتیں اور جھڑکیاں اس دن کا انتظار کر رہی تھیں کہ اشارہ ہو اور برس پڑیں۔ آہ اس بدنصیبی کا جو کانگرس کے اپنے وقت میں تلاطم ہونے سے ہوئی خیال کیجیے اور آپکے دل پر صدمہ ہوگا۔ وہ امیدیں جو سال بھر پلتی رہیں بیدردی سے کچل ڈالی گئیں۔ ملکی لیڈرو اور ملک کے بنائے ہوئے رہنماؤ ایک منٹ کیلئے سوچو کہ وہ امانت جو ملک نے تمہارے سپرد کی تھی کس لاپرواہی سے برباد کی گئی ہے تم نے ملک کے اعتبار کو کیسی اچھی طرح نبھایا ہے ٹھیک اس وقت جب تمہاری خدمت کی ضرورت تھی وہ وقت جسے امتحان وفاداری کہنا چاہیے تم نے ذاتیات کو دخل دیا اور ضد میں آکر ناعاقبت اندیشی کی بارود میں ہٹ دھرمی کی دیا سلائی لگادی اور کانگرس کا عالیشان محل دیکھتے دیکھتے برباد

ہو گیا۔ ہم کسی فریق کی طرفدار نہیں۔ تو ہم اس بات کے قائل ہیں کہ سورت کانگریس کی شرمناک سرگذشت کے ذمہ دار صرف ماڈریٹ ہیں اور نہ ہمیں اس بات سے اتفاق ہے کہ اکسٹریمیسٹ پہلے سے کانگریس کی بربادی کی تیاری کر کے آئے تھے ہمارے خیال میں دونوں برابر قصوروار ہیں اگر ایک قاتل ہے تو دوسرا خنجر اگر دنیا میں شرم کوئی چیز ہے اور اپنے فرائض کا دیانتداری سے انجام نہ دینا قابل شرم ہے تو ملکی لیڈروں کو اسلئے شرم آنی چاہیئے کہ ملکی خدمت کی وہ دلچسپ کہانیاں جو ہم ان سے سنا کرتے تھے صرف لفاظی ہی تھی اور وہ عمل کی ترازو میں پورے نہیں اترے اور اہل ملک کو تسلیم کرنا پڑا کہ انہوں نے اپنے رہنما بنا نے میں غلطی کی اور ایسے لوگوں کو منتخب کیا جو اس کے قابل ثابت نہیں ہوئے ان میں بھی وہی کمزوریاں موجود تھیں جس نے ہندوستان کو برباد کیا اور اس درجہ پستی تک پہنچایا۔ ہم سب اہل ملک اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اگر وہ لوگ جنکے سپرد ہم نے ملکی بہبودی کی تھی اسکے قابل ثابت نہیں ہوئے یا آئندہ ثابت نہ ہوں تو انہیں علیحدہ ہو جانے پر مجبور کریں کیونکہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ انکی کمزوریوں اور غلطیوں کا نقصان ملک اٹھائے مگر ایک دفعہ آزمائش کیا جانا ضروری ہے لیکن افسوسناک واقعات کو چھوڑ کر جنہوں نے سورت کانگریس کو ناکامیاب کیا کیونکہ موقعہ کے جوش نے بہت سی ایسی باتیں جو ہمارے رہنماؤں کی شان کے خلاف تھیں ایک دوسرے کو کہنے پر مجبور کیا ایک حد تک قدرتی ہیں اور کہنا ہے تو پھر ہم کانگریس کے مقاصد پر بحث کرینگے کانگریس کے کارکنوں کو یہ بھول نہ جانا چاہیئے کہ ملکہ معظمہ مرحومہ اور حضور ایڈورڈ ہفتم کا فرمان شاہی ہونے ہوئے جو حکام جبر و تشدد کی پالیسی روا رکھتے ہیں جس سے مایوسی بڑھتی جاتی اور محبت کا فور ہوتی جاتی ہے خواہ آپ کتنے ہی ماڈریٹ کیوں نہ ہوں آپ کی قومی بہتری کی کوششوں سے خوش نہیں ہو سکتے وہ آپکی شکایت کو بھی جائز نہیں سمجھتے اگر ایسا ہوتا تو انہیں ان شکایات کو رفع کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا اسکے یہ معنی تھے کہ انکو کوئی شکایت نہ تھی اگر کوئی شکایت نہ ہوتی تو ایک بھی اکسٹریمیسٹ ملک میں نظر نہ آتا۔ کانگریس کی بائیس سالہ روئداد ہمارے سامنے ہے جو ہمارے دعوے کی دلیل ہے آپ یہ کہینگے کہ ہماری کچھ شکایتوں پر توجہ دی گئی ہے مگر اسکے ساتھ یہ نہ بھول جانا چاہیئے کہ جو شکائتیں سنی گئی ہیں ان سے نہ توجہ دی گئی ہوئی شکائتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اکسٹریمیسٹ گروہ گورنمنٹ کا اپنا بنایا ہوا گروہ ہے اور اگر وہی پالیسی رہی جس کا

ہمیں سال گذشتہ میں تجربہ کرنا پڑا ہے تو یہ گروہ دن بدن بڑھتا جائیگا یہ کہنا کہ تم اکسٹریمسٹ سے علٰحدہ ہو جاؤ
اور تمہاری تمام شکائتیں سنی جائینگی یاد رکھو کہ ایک مکار دشمن کی چال ہے جو تم میں تفرقہ ڈالکر تم پر قابو
پانا چاہتا ہے ایسے سوال کا جواب صرف ایک ہو سکتا ہے اور وہی پایا جانا چاہیئے تھا اور وہ یہ کہ تم اپنے
طرز حکومت کو بدل لو اور ایسا سلوک کرو جو تمہارے شایاں ہو شکایات سنو ان پر غور کرو اور انکی تلافی کی
تدبیر کرو اور وہ اکسٹریمسٹ فرقہ جس سے تم نفرت کرتے ہو اور ہمیں علٰحدہ ہونیکی صلاح دیتے ہو خود بخود
معدوم ہو جائیگا ورنہ وہ ناسور جو عاقبت اندیش حکام کے جبر و تشدد کے ذریعے پیدا ہوا ہے اس بدن بادہ
ہلاک ہوتا جائیگا اس ناسور کی بیخ کنی کیلئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ اس حصہ کو جسے خراب ہو جانا بیان
کیا جاتا ہے کاٹ دیا جائیگا بلکہ اس کی شفا کیلئے ایک ایسا سہل نسخہ ہے جسے اگر آپ ذرا بھی جد و جہد کوشش سے
کام میں نفع اکسیر ثابت ہو سکتا ہے اور وہ نسخہ محبت اور جائز شکایات کی شنوائی ہے یہ کون نہیں جانتا کہ
محبت محبت سے ہی پیدا ہوتی ہے جبر اور سختی کا برتاؤ کرنا اور محبت اور وفاداری کی امید رکھنا ایسا ہے
کہ کوئی شخص کانٹے بوئے اور پھولوں کی امید رکھے ۔

ملک کے رہنماؤ تمہارا اہل ملک کے دلوں پر قبضہ ہے اور تمہاری ذراسی کمزوری ملک کیلئے بربادی
لانیوالی ہے اب تم منزل ترقی کی ہفت خوان میں سے اس جگہ پہنچے ہو جہاں ایک طرف مہیب آوازیں ڈراتی
ہیں اور دوسری طرف دل خوش کن نغمے اپنی طرف بلاتے ہیں یہاں تمہارے تجربہ اور عقل کا امتحان ہے تمام
ملک کی نظریں تمہاری طرف ہیں وہ تک رہی ہیں کہ تم کونسا راستہ اختیار کرتے ہو ۔ مہیب آوازوں سے ڈر جانا تمہاری
شان سے بعید ہے اگر یہ منزل طے ہو گئی تو پھر چین ہی چین لکھا ہے اگر دل خوش کن آوازوں پر مائل ہو گئے اور
مہیب آوازوں اور آنیوالی تکلیفوں کا خیال کرکے اس راہ کامیابی کو چھوڑ دیا تو یاد رکھو کہ تمہارا ملک ہمیشہ
کیلئے برباد ہو جائیگا دل خوش کن آوازیں کہتی ہیں کہ تم ان ساتھیوں کا جو تمہیں دوسرے راستہ پر جانیکا شوق
دلاتے ہیں ساتھ چھوڑ دو کیونکہ وہ بربادی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں مگر ذرا سوچو کہ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ
وہ راستہ خطرناک اور برباد کن ہے تو کیا یہ شرط وفا ہے کہ تم خود تو اس راہ پر چلو جسے کامیابی کی منزل پر لے
جانیوالا کہا جاتا ہے اور اپنے باقی ساتھیوں کو دشمن کے حوالے کر جاؤ تم کہو گے کہ ہمارا اور ان کا اختلاف رائے ہے

ہے جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ مانتے نہیں لیکن اتنی سی خطا پر تم ان کے دشمن ہوتے اور انہیں دشمنوں کے حوالے کرتے ہو۔ تمہاری اس دلیل پر عقلمند ہنسینگے اور یقین مانو کہ جو لوگ تمہیں علیحدہ رہنے کی [illegible] ہیں وہ بھی تمہاری اس تجویز کو دل سے پسند نہیں کرتے ہم سمجھتے ہیں [illegible] اتفاق [illegible] کسی [illegible] کوشش [illegible] ہو ۔

چونکہ [illegible] اتفاق نہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں [illegible] وقت کانگریس کی [illegible] ہم [illegible] یہ تفرقہ ہے اور ہم سال [illegible] کانگریس کے عظیم الشان جلسے کے [illegible] دل [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] نہیں کہہ سکتا۔ دوسرے کانگریس میں شامل ہونیوالوں کی تعداد [illegible] بہت گھٹ جائیگی [illegible] گذشتہ [illegible] ریشہ دوانی [illegible] نہیں ہے اور ان کو یقین [illegible] سے چلانا چاہتے۔ اس بات کیلئے روپیہ خرچ کرتے [illegible] دور دراز کا سفر کریں اور جب تقریریں جنہیں لفاظی کا اعلیٰ نمونہ کہنا مبالغہ نہیں [illegible] فریق نرم کی [illegible] فریق گرم جو عمل کا دعویدار ہیں کی بھی لکھا لیجئے کہ اگر ان کے [illegible] نہیں تو ان تین مقاصد سے تو ۹۰ فیصدی اہل ملک کو اتفاق ہے۔

(۱) گورنمنٹ برطانیہ کی پابندی صرف قوانین کی پابندی تک محدود ہو ۔

(۲) قومی تعلیم کیلئے ہم گورنمنٹ کے دست نگر نہ بنے رہیں ۔

(۳) اپنے ملک کی صنعت کی قدر کریں اور تکلیف برداشت کرتے ہوئے بھی غیر ممالک کی اشیا استعمال نہ کریں ۔

مندرجہ بالا مقاصد میں کوئی بات ایسی معلوم نہیں ہوتی جسے گورنمنٹ کی بدخواہی کہا جا سکے ہماری بہبودی گورنمنٹ کی اپنی بہبودی ہے گو مثل مشہور ہو چکے بدا بہانہ بسیار" اگر وہ حکام جن کی

غلطیوں کی بدولت گورنمنٹ اور رعایا میں کشیدگیاں پیدا ہوئیں اور جنہوں نے جھوٹی اور بے بنیاد رپورٹوں پر ہماری دل آزاری روا رکھی ہماری ان نیک نیتی پر مبنی مقاصد کو بھی شک کی نظر سے دیکھیں تو گو یہ ان کی سمجھ کا قصور ہے اور ہم اسکے ذمہ دار نہیں گردانے جاسکتے مگر چونکہ یہ مقاصد ایکسٹریمسٹ فریق سے منسوب کئے جاتے ہیں اور یہ فرقہ کوتاہ اندیش جوان طبیعتوں کی بیہودگیوں کی بدولت بدنام ہو چکا ہے اور وہ حکام اسے بدنام بھی کیا چاہتے ہیں اسلئے ان مقاصد سے ہمدردی رکھتے ہوئے بھی اتنی اخلاقی جرأت رکھنے والے بہت کم آدمی ملینگے جو باعلان عام یہ کہیں کہ ہمیں ان مقاصد سے اتفاق ہے اور نیشنلسٹ کانفرنس میں شریک ہوں کیونکہ وہ بیچارے ڈرتے ہیں کہ اگر انکے صوبے کے حکام کو یہ پتہ چلگیا کہ وہ نیشنلسٹ ہیں تو غیر ذمہ دار لوگوں کی بیہودگیوں کے بھی وہ ہی ذمہ دار گردانے جائینگے اور ذرا ذرا سی بات پر ان کی مزاج پرسی ہوگی۔ اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی کہ دونوں انجمنوں میں سے کسی کو بھی جہانتک اجلاس کا تعلق ہے کامیابی نہ ہوگی اور اس کا یہ لازمی اثر ہوگا کہ قومی بیداری جو ملک میں کانگرس کی بائیس سالہ کوشش سے پیدا ہوئی تھی رفتہ رفتہ بالکل مرجائے گی۔

فرقہ بندی کے حامی ولایت کی لبرل اور کنسرویٹو اور ٹوریز پارٹیوں کو بھی بطور تمثیل پیش کرتے ہیں اور ہمیں افسوس ہوتا ہے جب ہم بعض نامور رہنماؤں کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں۔ اول تو وہاں کے حالات اور یہاں کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور انکی تمثیل ہم پر کسی طرح صادق نہیں آسکتی وہ ایک فرمانروا قوم ہے اور انکا اختلاف ان کے کسی فرد کیلئے ذاتی تکلیف کا باعث نہیں ہوسکتا نہ ہی گورنمنٹ کے بدگمان ہوجانیکا اندیشہ ہے دوسرا یہ کہ یہاں ایکسٹریمسٹ ہونا یا باغی ہونا ایک معنی رکھتا ہے وہاں پبلک اوپینین Public Opinion ہر ایک متنازعہ امر کا فیصلہ کرنے کیلئے موجود ہے اور اس کا فیصلہ آخری تسلیم کیا جاتا ہے یہاں پبلک اور پرائیویٹ جو کچھ ہیں مٹھی بھر تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور ان میں بھی وہ لوگ جنہیں ملک کا لیڈر سمجھ لیا گیا ہے جو کچھ کریں فیصلہ شدہ امر ہے نہ کوئی ان کے منصوبوں کی نگہداشت کرنیکے قابل اور نہ کسی کی جرأت یہ پبلک اوپینین Public opinion کی ہی کمی ہے کہ آج ہم کانگرس کو برباد ہوتا دیکھ رہے ہیں

ملک ٹک دیدم دم نکشیدم

کے مصداق بنے ہوئے ہیں یہ کبھی سننے میں نہیں آیا کہ لبرل اور ٹوریز کے اختلاف سے خدانخواستہ پارلیمنٹ ٹوٹ گئی۔ ویسے ہی جوت پیزا کا جو فخر لبرل اور ٹوریز کو حاصل ہے وہ انہیں مبارک خدا وہ دن نہ لائے جب ہم مغربی تہذیب کے اس قدر معتقد ہوں ہم تو ہندوستان کیلئے وہ وقت انتہائی ذلت کا سمجھیں گے جب اس درجہ تک مغربی تہذیب ان پر قابض ہو جائیگی اور یہ غلامی سب سے بڑی غلامی ہو گی لالہ لاجپت رائے نے سودیشی کانفرنس میں اپنے پریسیڈنشل ایڈریس میں اسی کے متعلق کہا ہے:۔

ہندو مسلمانوں اور پارسیوں کیلئے وہ دن بہت ہی نامبارک ہوگا جب مغربی طریقے اور مغربی قاعدے ان پر بالکل غالب آجائینگے ہم کو بھول نہیں جانا چاہئے کہ ہم ایک خود رد قوم نہیں جن کی کوئی تہذیب نہ ہو جس پر وہ فخر کر سکیں۔ عمر کے لئے عزت۔ تجربہ کیلئے لحاظ اور خون اور رشتہ داری کا خیال ہمیں وراثت میں ملے ہیں۔

کانگرس کے مقاصد کے متعلق جو اختلاف رائے ہے اگر اس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے تو وہ یقیناً ہمارے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ ہم نے کلکتہ کانگرس کے موقع پر جب کانگرس کی فرقہ بندی صاف طور سے ظہور میں آئی تھی آزاد کے پہلے نمبر میں کہا تھا۔

"کوئی کام ایسا نہیں جس میں اختلاف رائے نہ ہو اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جس کام یا جس تحریک میں اختلاف رائے نہیں وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اختلاف رائے ہی سے کسی مسئلہ کے نیک و بد پہلو پر روشنی پڑتی ہے جس روشنی میں ہم بھلائی کو چن کر بدی پھینک دیتے.......... وقت اور ضرورت کے مطابق کانگرس کو وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ جس سے سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے اور یہ صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ بعض باتوں کیلئے مجبور کیا جائے اور بعض کو انکے حکم پر چھوڑ دیا جائے یہ ایک ایسی بات ہے جو موجودہ اختلاف رائے سے خود پیدا ہو جائیگی"۔

مقاصد کا اختلاف بحث مباحثہ سے دور ہو سکتا تھا نہ کہ جوت پیزا یا علیحدگی سے۔ ہم نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ڈاکٹر راش بہاری گھوش نے ٹائمز کے نامہ نگار سے کہا کہ میں بہت خوش ہوں کہ دو فریق ہو گئے کیونکہ اب کانگرس اپنا کام کامیابی سے کریگی۔ اگر کوئی معمولی قابلیت کا آدمی یا ناتجربہ کار

دبر ایسے پوچ خیالات ظاہر کرتا تو چنداں افسوس نہ تھا مگر یہ غیر متوقع الفاظ ڈاکٹر گھوش ایسے معاملہ فہم تجربہ کار دبر سے سنکر ہر ایک محب وطن کو افسوس ہوگا اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جب قومیں برباد ہونے لگتی ہیں تو قومی کام کرنے والوں کے دماغ میں ایسے ہی خیالات بھر جاتے ہیں پرماتما ہندوستان کی حالت پر رحم کریں!

اے علیحدہ ہوکر کامیابی سے کام کرنیکی امید میں مگن رہنے والو یہ سمجھ لو کہ تم بھولے ہوئے ہو۔ آخر کبتک علیحدہ ہوئے جاؤ گے۔ اگر گورنمنٹ کا طرز حکومت سال گذشتہ کا سا رہا تو ملک میں ناراضگی بڑھتی جائیگی اور مصیبت کے مارے کا چڑچڑا ہو جانا قانون قدرت ہے۔ تمہاری ذاتی شان و شوکت انہیں خوش کرنے کیلئے کافی نہیں۔ اے مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دینے والو سوچو اور اپنے فرض کو سمجھو کہ اگر یہی گرم بازاری ہے تو تمہاری ہاں میں ہاں ملانے والے بہت تھوڑے رہجائینگے اور کچھ عرصہ کے بعد تم محسوس کروگے کہ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں انہیں بھی چھوڑ دو کیونکہ اب انکے خیالات تم سے نہیں ملتے۔ اگر تمہیں اس طرح علیحدہ ہونا ہے تو بہتر ہوگا کہ ابھی ہر دوسری سے سبکدوش ہو جاؤ تاکہ تمہاری کمزوریوں سے جو نقصان ملک کو پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے غریب ہندوستان بچ جائے۔

مقاصد کے اختلاف پر بحث کرنے کیلئے ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے اور اس پر ہم آئندہ نمبر میں بحث کرینگے یہاں اختصار کے ساتھ اسقدر کہدینا کافی ہوگا کہ (۱) قومی تعلیم کا ہمارے ہاتھ میں ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اول تو گورنمنٹ سے امداد کی توقع نہیں اور اس وقت کا انتظار کرنا جب گورنمنٹ ہماری امداد کیلئے تیار ہو حماقت ہے۔ دوئم گورنمنٹ کے تابع فرمان رہکر جس تعلیم کی ملک کو ضرورت ہم اپنے بچوں کو دے سکینگے جیسا کہ اسقدر عرصہ کا تجربہ بتلا رہا ہے اس طریق میں گورنمنٹ کیلئے کوئی وجہ ناراضگی نہیں بلکہ ایک طرح سے اسکے فرائض میں امداد ہے کیونکہ گورنمنٹ کا مقصد بھی ہندوستانیوں کو تعلیم دینا ہے اور ہمارا یہ بوجھ اپنے سر لینا گورنمنٹ کو ایک بڑے بار سے سبکدوش کرنا ہوگا (۲) اپنی صنعت و حرفت کی قدر کرنا اور اپنے ملک کی تیار شدہ اشیاء استعمال کرنا گناہ نہیں اور اس میں کہیں غداری یا بغاوت کی بو نہیں آتی۔ اصل پوچھو تو یہ ہم نے انگریزوں کی

دل و دماغ ٹھنڈا ہو کر غور کرنیکے قابل ہوا ہم کی غلطیاں اسے جتلائے اگر فریق نرم نے انہیں تقریر کرنے سے روکا تھا اور انکے خیالات کی مخالفت کی تھی تو ہمارے ملک کیلئے یہ بیانہ تھا کہ وہ اپنے فریق کو مخالفت کیلئے آمادہ کرتے۔ تاکہ اس بیجا مخالفت کیلئے جس کا نتیجہ لڑائی ہو نہیں کہا گیا تھا مگر ملک ایسے بہت سے امید کی جاتی ہے کہ وہ سمجھے کہ مخالفت کیوقت ہوش و حواس قائم رکھنے والے بہت کم ہونگے۔ تسپر بھی ان پر تعجب ہے۔ یہ بھی اس وقت جبکہ فیصلہ شدہ امر تھا مخالفت بالکل تھی اسکو معنے صحیح طور پر ڈاکٹر گھوش کی ہتک تھے۔ دوسری طرف فریق نرم کو ہمارے ملک کو تقریر کرنے سے روکنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو پھر کانگرس کا یہ حشر ہوتا اگر وہ راستی پر تھے اور انکے حق میں ووٹ زیادہ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اپنی تجاویز کا پاس ہونا دیکھتے پھر ایک ایسی کمزوری ظاہر کرنا شرمناک ہے۔ بہرحال جو کچھ ہوا وہ دونوں فریق کی غلطی سے ہوا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ بہت جلد ہم ان اختلافات کو مٹا کر متفق ہو جائیں تاکہ دشمنوں کو بغلیں بجانے کا موقعہ نہ ملے۔

سنہ ۱۹[illegible]ء بڑی مصیبت اور پریشانی کا سال رہا ہے۔ اگر آج واکوں کا مسئلہ زمانہ پر بھی صادق آسکتا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ سنہ [illegible] نے دوبارہ جنم لیا تھا۔ اگر ایسا نہیں تو کم از کم یہ سال سنہ [illegible] کا رقیب تو ضرور تھا۔ خدا کرے کہ جن تکالیف جن کا ہمیں اس سال میں مقابلہ کرنا پڑا اپنے ساتھ ہمارے لئے برکتیں لائی ہوں اور اگر ان تکالیف کے بعد ہمیں بہبودی کی صورت نظر آئے تو ہمیں یہ تمام مصیبتیں بھول جائیں۔ آؤ ہم سب دعا کریں۔ کہ خداوند عالم ہم میں استقلال۔ سچائی وفاداری اور تکالیف کو برداشت کرنے کی ہمت دے۔ ہماری گورنمنٹ کو مہربان بنائے۔ ہمارے لیڈروں کا اختلاف نہایت بودا ثابت کرے اور آنے والے سال میں ہمارا نگہبان رہے۔ آمین ثم آمین +

لاکھ روپیہ کی جان کے واسطے

صرف چار آنے خرچنا بات ہی کیا ہے

دیکھو گرمی کا ایام آیا اور ساتھ ہی جگہ جگہ ہیضہ ہونا بھی ممکن ہے اس لئے وقت سے پہلے نہیں
ایک شیشی عرق کافور اپنے گھر میں ڈال رکھئے یہ ڈاکٹر ایس کے برمن کا تیار کردہ

عرق کافور

۲۲ برس سے تمام ہندوستان میں لاکھوں بار کا آزمایا ہیضے کا اکسیر علاج ہے سنہ ۱۹۰۰ء میں جبکہ
بمبئی میں قحط اور ہیضہ پھیلا تھا۔ تب اسی عرق کافور سے ہزاروں اشخاص کی جانیں بچی تھیں
اور تین مہینہ میں ایک لاکھ شیشیاں فروخت ہوئی تھیں۔ بلکہ ہزاروں سارٹیفکیٹ اسکے موجود ہیں
منگا کر دل بھر لیجئے نقلی عرق سے ہوشیار قیمت ہر ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک ۵ ر

اشتہار بلاقیمت دیا جاتا ہے

ضرور آزمائیے اگر آپ بلاقیمت اس عرق کافور کو آزمانا چاہیں تو صرف محصول ڈاک کیواسطے دو
پیسے کا ٹکٹ پیڈ لفافہ میں بھیجئے اور اسی خط میں دس خواندہ اور رئیسوں کے نام و پتہ
صاف طور پر لکھ دیجئے۔ پتہ لکھنے میں مقام ڈاکخانہ و ضلع لکھیئے گا

المشتہر ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

Bomlay ڈاکٹر باٹلی والا کا اکسیر Dr Bsttuwsls

جملہ اقسام کی تپ انفلوئنزا وغیرہ کا شرطیہ علاج

صرف چند رایوں کا خلاصہ

ہم نے اسکو قابلِ اعتبار پر اثر پایا۔ سرجن میجر جیکب اسکے سے نفع فوراً ہی ہوجاتا ہے جی سی ریٹائرڈ سول انجینئر
بہت پر تاثیر و مفید ہے۔۔ سرجن میجر ریونشر برلا در اصل یہ جاں بلب آدمی کے لئے آبحیات ہے
اسکے استعمال سے بہت فائدہ ہوا جو دائمی تنگ گزندگی پیس جی ڈیلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ریلوے ڈیپارٹمنٹ
سب سے زیادہ سودمند نافع ہے ویری ریورنڈ بی فرنانڈیز قیمت ایک روپیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فی بوتل

المشتہر

ڈاکٹر ایچ ایل - باٹلی والا۔ داور بمبئی کے پتہ سے ملیگا

کانگرس نمبر مفت

جو صاحب آزاد کے نئے خریدار ہوں اور سالانہ قیمت پیشگی بابت سنہ ۱۹۰۸ء بذریعہ
منی آرڈر بھیجدیں انہیں آزاد کا کانگرس نمبر مفت نذر ہوگا۔ یہ وہ نمبر ہے جسکی سینکڑوں
درخواستیں روز آتی ہیں اسلئے جلد درخواست بھیجیں تا کہ بعد میں مایوس نہ ہونا پڑے

مینیجر آزاد

اوم

آریہ سماچار

سلیس اور فصیح اردو کا ماہوار رسالہ

جناب [illegible] کالج [illegible] کی مالک [illegible]

کانپور سے ہر مہینہ شائع ہوتا ہے

ویدک دھرم کی حقیقتوں کو بلا تعصب عوام تک پہنچانے والا صرف یہی ایک مقصد ہے

یہی اپنی طرز کا یہ ایک ہی اردو کا ماہواری رسالہ ہے

جسکی بابت

[illegible] اور اخلاقی [illegible] مضامین [illegible] شائع ہوتے ہیں [illegible] اخبارات و رسائل [illegible] صرف [illegible] جن صاحبوں کو [illegible] اخلاقی علمی اور [illegible] اصلاح [illegible] کا شوق ہے وہ اسکو ضرور ملاحظہ فرماویں [illegible] اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

مشہور اخبارات اور [illegible] نے جو اسکا ریویو کیا ہے ہم انہیں سے چند کا مختصر اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں

آریہ گزٹ لاہور — آریہ سماچار [illegible] فرسٹ کلاس جرنل کی شکل میں چھپتا ہے [illegible] ڈاکٹر شیام سندر صاحب [illegible] واقعی آریہ سماچار کی ایسی حالت ہو گئی ہے کہ علاوہ ممبران آریہ سماج دیگر تعلیم یافتہ گروہ بھی اسکی قدر کرینگا [illegible] کا فرض ہے کہ کوشش کرے کہ اس اخبار کو پڑھنے والے [illegible] ہوں (بوجہ عدم گنجائش ہم اسی قدر اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں) منیجر

ہیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

مسٹر انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیانِ ریاست اور
ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ اور یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق
فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم دھند جالا پڑوال
غبار پھولا ابتدائی موتیابند پانی جانا ناخنہ وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے
آنکھوں کے مریضوں پر اسی سرمہ کا استعمال کرتے ہیں چند روز کے بعد بینائی بہت بڑھ جاتی ہے
اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ دو روپے ہیرے
کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ تین روپیہ خالص ہیرہ فی ماشہ مبلغ بیس روپیہ مصری سرمہ
فی تولہ [illegible] خرچ ڈاک بذمہ خریدار ہے

المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھکر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے

(۱) میں نے اور دیگر بہت سے متعلقین نے ہیرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے استعمال کیا نہایت ہی مفید پایا آنکھوں کی بیماریوں کیلئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے آنکھوں کو تازہ رکھتا ہے اور بینائی کو طاقت بخشتا ہے حقیقت میں بینائی کو قائم رکھنے کیلئے نہایت ہی مفید ہے [illegible] کبھی کوئی دوائی اس سے بہتر نہیں دیکھی
راقم آنریبل راجہ حیات خان بہادر سی ایس - ڈی آئی ایس
سابق ڈویژنل [illegible] جالندھر ممبر کونسل گورنر جنرل ہند

(۲) میں نے ہیرے کا سرمہ جو سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے ان مریضوں پر جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کیا مفید پایا میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کیواسطے جنکی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند و غبار اور کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت مفید ہے
راقم ڈاکٹر برج لعل گھوش [illegible] بہادر ایل ایم ایس اسسٹنٹ
سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال [illegible]

انعام اگر کوئی ہیرے کے سرمہ کی سندات جو کہ قریب بیس ہزار کے ہیں ایک بھی فرضی ثابت کر دیوے
پانچ ہزار روپیہ انعام اسکو پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا جو لاہور کے پنجاب بینک میں اسی مطلب کیلئے ۱۹۰۲ [illegible] تاریخ سے جمع کیا گیا